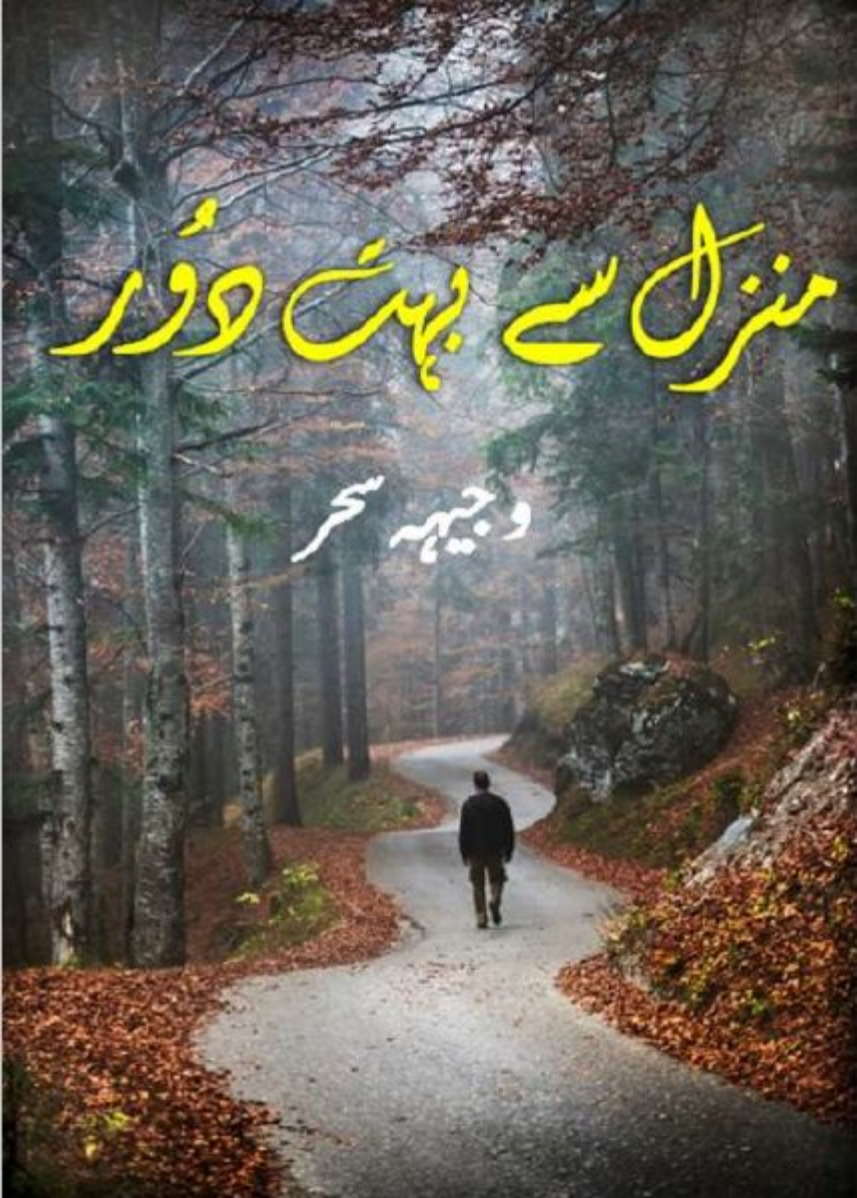
منزل سے بہت دُور
وجیہہ سحر

ناول

وجیہہ سحر

منزل سے بہت دُور

صبح کے ساڑھے چار بجے ہوں گے۔شہر کی آبادی سے کوسوں دور یہ ویران سا علاقہ ہولناک خاموشی میں ڈوبا ہوا تھا۔جنگلی جھاڑیوں اور گھنے درختوں سے بھرے اس جنگل میں صرف جانوروں کا راج تھا۔انسانی آبادی کا یہاں تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔دھیمی دھیمی روشنی سے نیلگوں فضا پر غبار چھایا ہوا تھا اور ہر شے کا رنگ جیسے کہیں غائب ہو گیا تھا۔سنسان جنگل میں چند گھنے درختوں کے عقب میں ایک کھنڈر دکھائی دے رہا تھا جو نہ جانے کتنا پرانا تھا۔کھنڈر زیادہ بڑے احاطے پر واقع نہیں تھا کچھ دیر کے بعد چھوٹے چھوٹے جانور مختلف قسم کی آوازیں نکال کر اپنی موجودگی کا احساس دلانے لگے۔لیکن ساتھ ہی اس ویران جنگل میں ایک بلند آواز گونجنے لگی یہ آواز موٹر بائیک کی تھی۔آواز دور سے آ رہی تھی اور پھر چند ہی منٹوں میں ایک خوبرو نوجوان تیز رفتار موٹر بائیک کے ساتھ نمودار ہوا۔وہ اس کھنڈر کی طرف بڑھ رہا تھا۔وہ موٹر بائیک سمیت کھنڈر میں داخل ہو گیا۔کھنڈر کی زمین میں ایک زمین دوز رستہ تھا۔جس میں اترنے کے بعد وہ ایک وسیع تہہ خانے میں داخل ہو گیا۔

وہ تہہ خانے کے گھپ اندھیرے میں اندازے سے چلتا ہوا ایک دیوار کے قریب پہنچا اور الیکٹرک چینجر آن کر دیا۔جس سے تہہ خانہ روشن ہو گیا۔اس کے بعد وہ تیز تیز قدموں سے چلتا ہوا دوسری دیوار کی جانب بڑھا۔

جس میں ایک الماری نصب تھی۔ الماری کے ساتھ ہی دیوار پر مختلف نمبرز دبائے تو الماری کھٹاک سے کھل گئی۔ الماری خطرناک اسلحے اور اس قسم کے دوسرے سامان سے بھری ہوئی تھی۔ عصام نے ایک کلاشنکوف اٹھائی اور اپنی جیکٹ کی زپ کھولتے ہوئے اسے جیکٹ کے اندر رکھ لیا۔ پھر اس کا ہاتھ ایک پسٹل کی طرف بڑھا۔

عصام نے ایک چھوٹی سی ڈبیہ سے گولیوں سے بھرا ایک میگزین نکالا اور اسے دائیں ہاتھ کے جھٹکے سے پسٹل میں فٹ کر دیا عصام اپنا کام بہت تیزی سے کر رہا تھا۔ اسے ایک مخصوص وقت پر کہیں پہنچنا تھا۔ اس کے پاکٹ میں رکھا موبائل بج اٹھا۔ اس نے موبائل رسیو کیا اور شناخت کروائی۔

پھر وہ خاموشی سے فون کرنے والے کی بات سننے لگا۔

بات ختم ہونے پر اس نے موبائل جیب میں رکھ لیا اس کے چہرے پر ایک عجیب سی تبدیلی عیاں ہو گئی تھی۔ اس کی آنکھوں میں نمی جھانکنے لگی تھی۔ اسلحہ سے کھیلنے والا یہ شخص یکلخت نڈھال سا پڑ گیا۔ لیکن اس کے پاس جیسے کچھ سوچنے کا بھی وقت نہیں تھا۔ جیسے اس کا ذہن بھی اس کا اپنا نہیں تھا۔ اس نے اپنے دائیں جانب پڑے ہوئے کمپیوٹر سیٹ کی طرف دیکھا۔ کمپیوٹر کے قریب رکھے ہوئے سٹول پر بیٹھ گیا۔

عصام کی انگلیاں کی بورڈ پر مشاقی سے حرکت کرنے لگیں۔ کچھ ہی دیر میں سارا پروگرام کمپیوٹر کی سکرین پر آ گیا اس میں عصام کے نئے اپریشن کی تفصیلات تھیں کمپیوٹر کی سکرین پر جو گرافکس بن رہی تھیں۔ وہ کراچی کے ایک مشہور ہوٹل کی تھی۔ ایک ریڈ ڈاٹ اس ہوٹل کی کسی خفیہ جگہ کی نمائندگی کر رہا تھا۔

عصام نے چند ہی سیکنڈز میں اس پروگرام کو اپنے ذہن میں محفوظ کر لیا پھر کمپیوٹر آف کیا اور تیزی سے اس الماری کی طرف بڑھا جہاں اسلحہ پڑا تھا۔ اس نے اس الماری سے ایک کالے رنگ کا بریف کیس نکالا اور الماری بند کر کے ویسے ہی واپس ہو لیا جیسے آیا تھا۔

صبح کے نو بجے کراچی کی سڑکوں پر ٹریفک کی گہما گہمی شروع ہو گئی تھی۔ لوگ اپنے اپنے کاموں کے سلسلے میں گھروں سے نکلے ہوئے تھے۔ اتوار کا دن تھا سرکاری ملازمین وقت کی پابندی کے جھنجھٹ سے آزاد تھے۔

پورے گیارہ بجے عصام اس ہوٹل میں پہنچ گیا جس کا نقشہ وہ کمپیوٹر میں دیکھ کر آیا تھا۔ اس روز اس ہوٹل کی تمام سیٹیں فل تھیں۔ زیادہ تو کسٹمر اپنے بچوں کو ساتھ لے کر آئے ہوئے تھے۔ موسیقی کی سریلی دھنوں کے

ساتھ لوگوں کی خفیف سی آوازیں بہت بھلی محسوس ہو رہی تھیں۔ ہوٹل میں بچوں کی تفریح کے لئے جھولوں کا بھی انتظام تھا جہاں بچوں کے شور نے ہلچل مچا رکھی تھی۔ لوگ اپنی مصروف زندگی کے مسائل سے دور آپس میں گپ شپوں میں مصروف تھے۔ عصام کے چہرے پر ایسی کوئی گھبراہٹ یا بے چینی نہیں تھی جس سے کوئی اس پر شک کر سکتا۔ یہ ایمپریشنز اس کی ٹریننگ کا حصہ تھے۔ ویٹر عصام کے قریب آیا اور اس کی ٹیبل پر ڈشز کا کارڈ رکھ کے کھڑا ہو گیا۔

''مجھے صرف ایک پیالی چائے چاہئے۔'' عصام نے ویٹر سے کہا۔

تھوڑی دیر کے بعد ویٹر نے بڑے عاجزانہ انداز میں عصام کو چائے پیش کی۔

عصام ایک جگہ بیٹھا چائے پی رہا تھا لیکن اس کی نگاہیں چاروں طرف گھوم رہی تھیں۔ اس نے اپنی گھڑی کے ڈائل کی طرف دیکھا گیارہ بج کے دس منٹ ہو چکے تھے۔ ہوٹل کا مالک اور اس کے اہلکار لوگوں کے ہجوم میں اس قدر مصروف تھے کہ انہیں وہ کسی کی غیر معمولی حرکت کا اندازہ بھی نہ کر سکتے تھے۔

ہوٹل کے نیچے ایک تہہ خانہ بھی تھا جس کا راستہ کچن کی طرف سے جاتا تھا۔ عصام برق رفتاری سے اپنی جگہ سے غائب ہوا اور لوگوں کی نظروں کو دھوکہ دیتے ہوئے چند ہی ساعتوں میں اپنی مطلوبہ جگہ پر پہنچ گیا۔

چھ منٹ کے اندر اندر عصام اپنی ساری کارروائی مکمل کر کے ہوٹل سے باہر آ گیا اس نے اپنی گھڑی کی طرف دیکھا اور اپنے موٹر بائیک کو ہوا میں اڑاتا ہوا وہاں سے نکل گیا۔ پورے دس منٹ کے بعد ٹائم بم نے اس ہوٹل کے ذرے ہوا میں بکھیر دیئے۔ انسانی لاشوں کا ایک انبار لگ گیا ہر طرف چیخ و پکار مچ گئی۔ پورے شہر میں افراتفری پھیل گئی ایمبولینس کی مہیب آوازیں فضا میں گونجنے لگیں۔

کئی عورتوں کے سر سے سہاگ کا سایہ اٹھ گیا۔ کئی لوگوں کی گودیں خالی ہو گئیں کسی کا پورا آشیانہ خاک ہو گیا۔ ہوا کے مشفقانہ جھونکوں نے سیاہ چادر اوڑھ لی چند ہی منٹوں میں خوشیوں بھری محفل رنج و غم کا ماتم کدہ بن گئی۔ مرنے والوں کے رشتہ داروں کی آہ و بکا دلوں کو چیر رہی تھی۔ ہر ایک کی زبان سے یہ بد عا نکل رہی تھی کہ اے ظالم انسان جس طرح تو نے ہمیں لاوارث کیا خدا تجھے بھی ایسے ہی لاوارث کرے۔ یہ بد عائیں عصام کے لئے تھیں۔ جو اپنے فلیٹ کے ایک کمرے میں اندھیرا کئے بیٹھا ہوا تھا۔ اس کے اندر اپنے آپ کا سامنا کرنے کا

بھی حوصلہ نہیں تھا۔ وہ سینکڑوں لوگوں کو موت کے گھاٹ اتار کر اب اپنے وجود کے ذرے سمیٹ رہا تھا جس سے اس کی شناخت کھو گئی تھی۔ موت کے اس بازار میں اسے اس کی شناخت مل سکتی تھی۔ وہ اب ایک خون آشام درندہ تھا۔ جن لوگوں نے اسے یہ روپ دیا وہی اس کے دل و دماغ کے بھی مالک تھے۔

عصام نڈھال ہوا صوفے پر بیٹھا ہوا تھا کمرے کا اندھیرا اس کی بھیگی ہوئی آنکھیں چھپا نہ سکا۔ اس کا پورا چہرہ آنسوؤں سے تر تھا۔ اس کی آنکھوں کے سامنے ان معصوم لوگوں کے چہرے آ رہے تھے۔ جو اس ہوٹل میں موجود تھے اس کے کانوں میں ان معصوم بچوں کے قہقہے گونج رہے تھے۔ جو اپنی چھوٹی چھوٹی خوشیوں میں گم تھے۔ انہیں کیا معلوم تھا کہ اس دنیا کی سفاکی انہیں اس طرح نگل لے گی۔

عصام کے جسم میں روح تو تھی لیکن وہ ایک مردے سے بدتر تھا زندگیوں کو موت کا لبادہ اوڑھانے کے بعد اس کی تڑپن اسے ہر بار مار دیتی اندھیرے بند کمرے میں عصام کے ذہن میں لوگوں کی چیخ و پکار گونج رہی تھی۔ پھر اچانک اس کا ذہن ماضی کے جھروکوں سے پانچ سال پہلے کے عصام کو ڈھونڈنے لگا۔ جس کے ساتھ ہی اس کے ذہن میں اپنی ماں اور بہنوں کی آوازیں گونجنے لگیں۔ اور وہ اپنے ماضی میں کھو گیا۔

عصام کے والد جوانی میں ہی فوت ہو گئے ان کے انتقال کے بعد عصام کی والدہ کے سر پے چار بیٹیاں اور ایک بیٹے کی ذمہ داری تھی۔ سب سے بڑی بیٹی سبین کی عمر بارہ سال تھی اس سے دو سال چھوٹا عصام تھا عصام سے چھوٹی تین بہنیں عائشہ، بنش اور رومہ تھیں۔ رفیقہ نے لوگوں کے کپڑے سی سی کر اپنی بیٹیوں کو میٹرک تک تعلیم دلوائی اور عصام کو وہ مزید پڑھا رہی تھیں۔ بچوں کے جوان ہونے تک کا یہ سلسلہ اس نے محرومیوں کی تپتی دھوپ میں طے کیا۔

مفلسی کے عذاب میں گھرے اس خاندان کے لئے سب سے بڑا سبق یہ تھا کہ اپنی چھوٹی چھوٹی خواہشوں کو رد کیسے کیا جاتا ہے۔ عصام نے بی اے کیا تو رفیقہ کے دل میں آس نے گھر کر لیا کہ عصام کو ایم اے کرنے کے بعد کوئی اچھی سی نوکری مل جائے گی اور وہ اپنے کنبے کی کفالت کر سکے گا۔ اور عصام تعلیم کے دنوں کو اپنی ذہنی تناؤ میں گزار رہا تھا کہ وہ کب اس قابل ہو کہ اپنی ماں اور بہنوں کے لئے کچھ کر سکے۔ وہ ٹیوشنز بھی لیتا تھا لیکن مہنگائی کے اس دور میں وہ اپنے گھر والوں کی ضرورتیں پوری کرنے سے قاصر تھا۔

دوسال کے بعد عصام نے ایم اے پاس کیا تو اس نے خوشی سے پورا گھر پر سر اٹھالیا۔ پورے خاندان میں خوشی کی ایک لہر دوڑ گئی عصام کو یوں محسوس ہو رہا تھا کہ جیسے آزمائشوں اور غموں کے سمندر کو طے کرنے کے بعد وہ کامیابی کے ساحل پر اتر آیا ہے۔ اب وہ اپنے اور اپنے گھر والوں کے لئے کچھ کر سکے گا۔

شام کا وقت تھا سبین مٹی کے تیل کے چولہے پر چائے بنا رہی تھی۔ عصام اس کے قریب آ کے بیٹھ گیا۔ سبین اور عصام کی آپس میں ذہنی مطابقت بہت زیادہ تھی۔ وہ گھنٹوں مختلف موضوعات پر باتیں کرتے رہتے تھے۔ سبین بہت ذہین لڑکی تھی اسے مزید پڑھنے کا شوق تھا۔ لیکن حالات کی ستم ظریفی کے آگے اس نے اپنی خواہش اپنے دل میں ہی مار لی تھی۔ عصام اور سبین گپ شپ میں مصروف تھے۔ رفیقہ کسی کی قمیض پے بٹن ٹانک رہی تھی۔ سردی بہت شدید تھی سبین نے چائے بنالی تو رفیقہ اور اس کی باقی بیٹیاں بھی چولہے کے قریب آ کر بیٹھ گئی۔ وہ لوگ جب اکٹھے ہو کر بیٹھتے تو اپنے خلوص اور محبت سے اپنے تمام مسائل بھول جاتے۔ شاید غریبوں کے پاس محبت کی ایک یہی سچائی ہوتی ہے۔ جس کی چھاؤں میں وہ ایک دوسرے کے لئے جیتے ہیں۔

جو موضوع سبین اور عصام میں زیر بحث تھا باقی بہنیں بھی اس موضوع میں شامل ہو گئیں رفیقہ خفیف سی مسکراہٹ کے ساتھ ان سب کی باتیں سن رہی تھیں کہ ایک بچی باہر کے دروازے سے ان کے صحن میں داخل ہوئی۔

''خالہ رفیقہ! بیگم صاحبہ کہہ رہی ہیں کہ ماہ لقاء بی بی کے کپڑے بھجوا دیں۔''

''پروین بہن سے کہو کہ میں آدھے گھنٹے تک عصام کے ہاتھ کپڑے بھیجتی ہوں۔''

یہ کہہ کر رفیقہ اپنے دونوں گھٹنوں پر ہاتھ رکھے آہستہ آہستہ اپنی جگہ سے اٹھی اور کپڑوں کا باقی کام کرنے کے لئے سلائی مشین کی طرف بڑھی۔

ماہ لقاء کا ذکر ہوتے ہی عصام کے چہرے کے تاثرات یکسر بدل گئے۔ اس کی آنکھوں میں ایک عجیب سی چمک جگمگانے لگی۔ کسی انجانے سے احساس نے تھوڑی دیر کے لئے اس کے چہرے پر مسکراہٹ بکھیر دی۔ سبین نے کن اکھیوں سے عصام کی طرف دیکھا تو عصام نے جلدی سے اپنا دھیان بدل دیا اور چائے پینے میں مشغول ہو گیا۔ عصام نہیں جانتا تھا کہ کب اور کیسے ماہ لقاء نے اس کے دل میں گھر کر لیا۔ شاید اس کی وجہ ان دو خاندانوں کی پرانی ہم آہنگی تھی جس کے باعث رفیقہ کے بیٹے اور پروین کی بیٹی ماہ لقاء اکٹھے کھیل کر جوان ہوئے وہ ایک

دوسرے کی رگ رگ سے واقف تھے۔عصام نے ماہ لقاء کو کبھی بھی اپنے جذبات کا احساس نہیں ہونے دیا شاید اس کی وجہ حیثیت کا وہ فرق تھا جسے عصام بخوبی سمجھتا تھا۔وہ اس تمام حقیقت کو قبول کرتے ہوئے بھی ماہ لقاء کے لئے اپنے دل میں بے لوث جذبہ رکھتا تھا۔وہ ماہ لقاء کو ہمیشہ خوش دیکھنا چاہتا تھا۔اور ماہ لقاء کی خوشی کا کوئی رستہ بھی اس کے گھر تک نہیں آتا تھا۔اس لئے وہ خود کو ماہ لقاء کے قابل نہیں سمجھتا تھا۔

پروین عصام پر بہت اعتماد کرتی تھی۔ان دو خاندانوں کا میل ملاپ بچپن سے تھا کہ پروین عصام کے اپنے گھر آنے جانے پر کوئی عار محسوس نہیں کرتی تھی۔ماہ لقاء کو خدا نے جتنی اچھی سیرت دی تھی۔اتنا ہی اسے حسن بھی عطا کیا تھا۔وہ اپنا والدین کی اکلوتی اولاد تھی۔والدین کے بے جا لاڈ پیار نے اسے انتہائی حساس اور نازک اندام بنا دیا تھا۔اس کا دل انسانی ہمدردی کے جذبے سے سرشار تھا۔وہ خلوص ہ وفا کا پیکر تھی۔جس انداز میں عصام اس کے متعلق سوچتا تھا سوچ کا وہ رخ اس کے ذہن میں نہیں تھا۔زندگی کے اس رخ کی طرف اس کے ذہن کا دھیان کبھی گیا ہی نہیں تھا۔وہ عصام کو صرف اچھا دوست سمجھتی تھی۔

رفیقہ نے ماہ لقاء کا جوڑا ایک شاپر میں ڈالا اور عصام کے ہاتھ میں تھما دیا۔

''جاؤ بیٹے یہ جوڑا ماہ لقاء بی بی کو دے آؤ اور پروین کو میرا اسلام دینا۔''

عصام نے جوڑا لیا اور ماہ لقاء کے گھر کی طرف چل دیا جو کہ ایک گلی کے فاصلے پے تھا۔

وہ ماہ لقاء کی کوٹھی میں داخل ہوا تو چند قدم چلنے کے بعد اس کی نظر لان پے پڑی۔پروین اور ماہ لقاء دونوں ہی لان میں موجود تھیں۔ماہ لقاء گھاس پے بیٹھی ہوئی تھی اور اس کی ماں کرسی پے اس کا پراندہ کر رہی تھی پراندے نے اس کے خوبصورت بالوں کی زیبائش میں مزید اضافہ کر دیا تھا۔عصام ان کی طرف بڑھا اور سلام کیا۔

''آؤ بیٹے۔'' پروین نے انتہائی خلوص سے کہا ماہ لقاء نے بھی مسکراتے ہوئے عصام کی طرف دیکھا۔''کیا حال ہے آپ کا۔''

''میں ٹھیک ہوں۔'' عصام نے پروین کے سامنے پڑی ہوئی کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

ماہ لقاء نے عصام کے ہاتھوں کی طرف دیکھا تو جواباً عصام فوراً بولا۔

''میں آپ کا جوڑا لے آیا ہوں۔''

''وہ تو مجھے نظر آ رہا ہے میں تو یہ دیکھ رہی ہوں کہ ہمارے حصے کی مٹھائی کدھر ہے۔'' ماہ لقاء نے منہ بسورتے ہوئے کہا۔

''ک.....ک.....کون سی مٹھائی۔'' عصام نے غائب الدماغی سے کام لیا۔

پروین نے مسکراتے ہوئے عصام کی طرف دیکھا۔

''بھئی تم نے ایم اے پاس کر لیا اور ہمیں خوشی میں شامل نہیں کیا۔''

''اوہ.....سوری آنٹی مجھے تو یاد ہی نہیں رہا۔'' عصام نے اپنی پیشانی پے ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ ''آپ کی مٹھائی مجھ پے ادھار ہے۔ کل میں خود لے کر آؤں گا۔'' پھر وہ کرسی سے اٹھتے ہوئے پروین سے مخاطب ہوا۔

''بس آنٹی آپ دعا کریں کہ مجھے نوکری مل جائے۔''

''خدا پے بھروسہ رکھو! تمہارے جیسے محنتی لڑکے کو نوکری نہیں ملے گی تو پھر کسے ملے گی۔'' پروین نے اسے دعا دی۔ عصام نے چلنے کی اجازت لی۔ وہ لان سے باہر جانے لگا تو ماہ لقاء نے اسے پکارا۔

''عصام! تمہیں بعض جگہ مایوسی بھی ہوگی لیکن امید اور حوصلے کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑنا۔'' ایک لمحے کے لئے عصام نے ماہ لقاء کی طرف نظر بھر کر دیکھا اور پھر سر جھکا کے وہاں سے چلا گیا۔

عصام گھر آیا تو اس کا چہرہ اترا ہوا تھا پیشانی پر ذہنی تناؤ کی لکیریں کھنچ گئی تھیں۔ رات ہوئی تو وہ کھانا کھا کے خاموشی سے اپنے بستر پے دراز ہو گیا۔ اس کی بہنیں بھی اپنے اپنے بستروں پے لیٹ گئیں رات دس بجے تک اس کے گھر مکمل سکوت چھا گیا۔ لیکن عصام کی آنکھوں سے نیند کوسوں دور تھی۔ وہ کسی گہری سوچ میں گم تھا کہ اسے قدموں کی آہٹ سنائی دی۔ اس نے اپنی دائیں جانب دیکھا تو سبین اس کے قریب کھڑی تھی۔

''تم.....تم.....ابھی تک سوئی نہیں۔'' عصام نے تعجب سے سبین کی طرف دیکھا۔

سبین نے عصام کی چارپائی پر بیٹھتے ہوئے اس کا چہرہ قریب سے دیکھا تو اس کی آنکھوں میں نمی تھی۔

''میں تمہیں کافی دیر سے دیکھ رہی ہوں تم مسلسل چھت کی طرف گھور رہے ہو۔'' سبین نے کہا۔

''پتہ نہیں کیوں نیند نہیں آ رہی۔''

''آنکھوں میں اتنی نمی ہو تو نیند کیسے آ سکتی ہے۔'' سبین کا یہ جملہ سن کر عصام نے اس سے آنکھیں چرا لیں۔

سبین عصام کے بالوں میں آہستگی سے انگلیاں پھیرنے لگی۔

''عصام! ہم اپنی اس چھوٹی سی دنیا میں بہت مضبوط ہیں شیشوں کے گھروں میں رہنے والوں سے اپنے خواب منسوب کریں گے تو ان کے گھر تک جاتی راہ کی دھول کا حصہ بن جائیں گے، خوبصورت خواب ہم جیسے لوگوں کی آنکھوں میں آنسو تو دے سکتے ہیں لیکن ہمارے چہروں پے مسکراہٹ نہیں بکھیر سکتے۔''

عصام سبین کی باتیں خاموشی سے سنتا رہا اس کے پاس بہن کی باتوں کا کوئی جواب نہیں تھا۔ اس نے خلوص سے بھرپور نگاہوں سے اپنی بہن کی طرف دیکھا۔

''تم جا کے سو جاؤ۔ مجھے نیند آ جائے گی۔''

''میں ابھی تھوڑی دیر میں چلی جاتی ہوں۔ تم سونے کی کوشش کرو۔''

کچھ روز کے بعد عصام نے نوکری ڈھونڈنا شروع کی۔ انٹرویوز کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ امید اور آگے بڑھنے لگی لگن کے ساتھ اس نے اس نئے رستے پے قدم رکھا۔

اسے کئی جگہوں سے مایوسی ہوئی لیکن اس نے امید کا دامن اپنے ہاتھ سے نہیں چھوڑا۔ لیکن رفتہ رفتہ مایوسی کا یہ سلسلہ لمبا ہوتا گیا اور پھر ایک ایسی المناک صورت اختیار کر گیا جس نے عصام کے دل و دماغ کو جکڑ کر رکھ دیا کسی منزل کو پانے کے بجائے اسے اس تلخ حقیقت نے توڑ کے رکھ دیا کہ یہاں آسامیوں پر پہلا حق ان لوگوں کا ہے جن کے ساتھ کوئی اونچی سفارش ہو۔ اس کے دل میں جوں جوں یہ احساس بڑھتا رہا اس کا حوصلہ ٹوٹتا رہا آس اور امید کی جگہ مایوسی نے لے لی۔ دو سال بعد ایک شکستہ پتھر کی طرح بھرنے لگا اس کی زندگی سے خوشی اور امید کا تصور ہی ختم ہو گیا۔

ایک روز عصام ایک پٹرول پمپ پر کھڑا اپنے دوست سے باتیں کر رہا تھا اس کا دوست اسی پٹرول پمپ پر کام کرتا تھا اس نے عصام کی گری ہوئی صحت دیکھی تو اس سے اس کی وجہ دریافت کرنے لگا ان دونوں کے بالکل قریب ہی ایک بااثر آدمی اپنی گاڑی میں پٹرول ڈلوا رہا تھا۔

کچھ دیر بعد عصام وہاں سے چلا گیا وہ اپنی سائیکل پر تھا کافی دور جانے کے بعد اسے یوں محسوس ہوا کہ جیسے کوئی گاڑی اس کے پیچھے ہارن دے رہی ہے۔ اس نے پیچھے پلٹ کر دیکھا تو ایک گاڑی بہت آہستہ رفتار میں

اس کے پیچھے آرہی تھی جیسے کہ وہ اسی کا تعاقب کررہی تھی۔

گاڑی میں بیٹھے ہوئے شخص نے ہاتھ ہلا کر عصام کو رکنے کا اشارہ کیا عصام نے اپنی سائیکل روک لی۔ گاڑی عصام کے قریب آکر رک گئی۔ ایک لحیم شحیم شخص گاڑی سے اترا اور اعصام کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ عصام نے ہاتھ ملاتے ہوئے تعجب سے اس شخص کی طرف دیکھا۔

''سوری! میں نے آپ کو پہچانا نہیں۔''

میرا نام شہباز ہے! میرا بیٹریوں کا کاروبار ہے۔ جس پٹرول پمپ پر تم اپنے دوست سے باتیں کررہے تھے۔ میں وہیں موجود تھا۔ میں نے تمہاری ساری گفتگو سنی ہے۔ میں تمہیں تمہاری تعلیم کے مطابق نوکری تو نہیں دلوا سکتا لیکن بقول تمہارے کہ تم اپنے خاندان کی کفالت کے لئے ہر مزدوری کرنے کے لئے بھی تیار ہو۔ تو ایک نوکری میں تمہیں دے سکتا ہوں جو مزدوری سے بہتر ہے، مجھے ایک ڈرائیور کی ضرورت ہے جب تک کوئی بہتر ملازمت نہیں ملتی۔ تم یہ نوکری کرلو، میں تمہیں تین ہزار روپے ماہانہ دے دیا کروں گا۔'' عصام کے لئے یہ بہت بڑی آفر تھی کہ فارغ رہنے سے بہتر وہ اپنے گھر والوں کے لئے کچھ کما لے۔ اس نے اس نوکری کی حامی بھر لی۔

شہباز نے عصام کو اپنا کارڈ دیا اور وہاں سے چلتا بنا۔

دو تین روز بعد عصام نے شہباز کے ہاں نوکری شروع کردی۔ اس نے ایسی نچلے درجے کی نوکری میں کوئی عار محسوس نہیں کیا۔ بلکہ اس کے ذہنی تناؤ میں کچھ کمی آگئی اور وہ خود کو فریش محسوس کرنے لگا۔ ایک بار پھر امیدوں نے اس کی سعی کا راستہ ہموار کردیا اور وہ ڈرائیونگ کے ساتھ ساتھ اچھی ملازمت بھی ڈھونڈنے لگا۔ شہباز عصام کو رات کے نو بجے تک فارغ کردیتا تھا۔

عصام رات کو گھر لوٹتا تو اپنی ماں اور بہنوں کو دیکھ کر اس کی ساری تھکاوٹ ہوا ہو جاتی۔ اس کی بہنیں مسکراتے چہروں کے ساتھ اس کے چاروں طرف بیٹھ جاتیں۔

عصام کے پاس کچھ نہیں تھا لیکن محبت کی اس فضا میں وہ اور اس کے گھر والے اپنی ساری محرومیاں بھول جاتے۔ ان لوگوں میں عاجزی اور انکساری کا یہ عالم تھا کہ ان کے حلق سے کبھی آہ نہیں نکلی۔ بس وہ خدا سے یہ دعا مانگتے تھے کہ ''اے ہمارے رب ہماری آزمائش کی مدت ہماری عمر سے لمبی نہ کرنا، ہمیں ہماری زندگی میں اچھے

دن ضرور دکھانا۔ ہم جس آس کی روشنی میں سانس لے رہے ہیں اس آس کو پورا ضرور کرنا۔"

ایک رات عصام کو دیر ہوگئی وہ گیارہ بجے کے قریب گھر پہنچا تو اس کے سب گھر والے اس کے لئے نہایت پریشان تھے۔ عصام کو دیکھا تو ان کی جان میں جان آئی۔

سبین نے اس کے لئے کھانا گرم کیا۔

شہباز کے گھر کچھ مہمان آگئے تھے۔ جن کی وجہ سے وہ لیٹ ہوگیا تھا۔

عصام کھانا کھا رہا تھا کہ اس کی نظر چارپائی پر پڑی سلائی مشین پر پڑ گئی۔ جس کے اندر سلائی کے لئے کپڑا لگا ہوا تھا اور پاس سلائی کا سارا سامان بھی پڑا ہوا تھا۔ عصام نے کھانا کھاتے ہوئے اپنا ہاتھ روک لیا اور سبین کی طرف دیکھا۔

"امی اس وقت سلائی کر رہی تھیں۔"

"و.....و.....وہ تھوڑا کام رہتا تھا سبین کی زبان سے الفاظ مشکل سے ادا ہوئے۔

غصے میں عصام کے چہرے کا نقشہ بگڑ گیا۔ وہ طیش میں آکر بولا۔

"تم نے امی کو اس وقت کام کرنے سے روکا کیوں نہیں دن بھر سلائی کا کام کرتی ہیں۔ اب اس وقت کیا اپنے جوان بیٹے کا کفن سی رہی تھیں۔ جو کسی قابل نہیں۔"

عصام کھانا چھوڑ کر اپنی جگہ سے اٹھ گیا۔

☆.....☆.....☆

جمعہ کی شام تھی، موسم بہت خوشگوار تھا یہ دن عصام کی چھٹی کا دن تھا وہ اور اس کی بہنیں مل کر لڈو کھیل رہے تھے۔ ان سب نے بچوں کی طرح شور مچا رکھا تھا بنش نے گیم میں کوئی فاؤل کیا تھا۔ وہ سب بہن بھائی سر جھکائے آپس میں جھگڑ رہے تھے کہ اچانک ان کے شور وغل میں ماہ لقاء کی آواز گونجی۔

"بھئی کیا جھگڑا ہو رہا ہے۔"

عصام نے چونک کر اوپر کی طرف دیکھا تو ماہ لقاء دیدہ زیب لباس میں اس کے سامنے کھڑی تھی۔ کچھ دیر تک عصام کی آنکھیں ماہ لقاء کے چہرے پر ہی ٹکی رہیں خوشی کا ایک انجانا سا احساس اس کے دل کے دریچوں کو

چھو کے گزر گیا۔

سبین مسکراتے ہوئے اپنی جگہ سے کھڑی ہوگئی،

''واہ بھئی آج تو ہمارے گھر ماہ لقاء آئی ہے۔آج کیسے راستہ بھول گئی۔''

ماہ لقاء نے اپنے ہاتھ میں تھاما ہوا برتن سبین کی طرف بڑھا دیا۔

''میں نے گاجر کا حلوہ بنایا تھا سوچا کہ تم لوگوں کے لئے بھی لے جاؤں۔''

''چلو اس بہانے تم ہمارے گھر تو آئی۔'' یہ کہہ کر سبین دوسرے کمرے سے کرسی لینے چلی گئی۔سبین واپس آئی تو ماہ لقاء، بنش اور رومہ کے ساتھ زمین پے بچھی چٹائی پے بیٹھی ہوئی تھی۔سبین نے اسے اس طرح بیٹھے ہوئے دیکھا تو تعجب سے بولی۔

''یہ کیا ماہ لقاء تم نیچے کیوں بیٹھ گئیں۔''

''کیوں کیا تم لوگ مجھے اپنے ساتھ نہیں بیٹھا سکتے۔'' ماہ لقاء نے خفگی بھرے انداز میں کہا۔

''اوہ سوری ماہ لقاء..... میں تو یونہی کہہ رہی تھی۔''

''مانا کہ مصروفیت کے باعث بہت کم آتی ہوں لیکن میں ہوں تو وہیں ماہ لقاء جو تم لوگوں کے ساتھ بچپن میں کھیلی ہے۔'' ماہ لقاء نے حسین سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

ماہ لقاء کی بات پر عائشہ جھٹ سے بولی۔

''تو پھر آپ گاجر کا حلوہ ہمارے ساتھ مل کر کھائیں۔'' یہ کہہ کر عائشہ نے گوٹیاں سمیٹی اور اٹھ کر کچن کی طرف بڑھی۔وہ کچن سے چمچ اور پیالیاں لے آئی۔

اتنے میں رفیقہ بھی غسل خانے سے باہر آگئی وہ ماہ لقاء کو دیکھ کر بہت خوش ہوئی۔

''آج ہماری بیٹی کو ہماری یاد کیسے آگئی۔؟''

ماہ لقاء نے سر جھکا کے رفیقہ سے پیار لیا۔

''آنٹی آپ کی طبیعت کیسی رہتی ہے۔''

''طبیعت کا کیا ہے بیٹی بس زندگی کی گاڑی چلتی رہے،تم اپنی امی کی سناؤ وہ کیسی ہیں۔'' رفیقہ نے کہا۔

''امی تو ٹھیک ہیں، آپ سب کو سلام کہہ رہی تھیں۔'' ماہ لقاء ابھی رفیقہ سے بات کر رہی تھی کہ عائشہ بولی۔

''یہ لیں ماہ لقاء باجی ہمارے ساتھ حلوہ کھائیں۔''

ماہ لقاء نے مسکراتے ہوئے پیالی میں تھوڑا سا حلوہ ڈالا، عصام کے گھر والے بھی مزے لے لے کر حلوہ کھانے لگے۔ لیکن عصام مسلسل خاموشی سے بیٹھا ہوا تھا۔ ماہ لقاء نے انتہائی معصومیت سے عصام کی طرف دیکھا۔

''حلوہ آپ کیوں نہیں لے رہے کیا آپ کو گاجر کا حلوہ پسند نہیں ہے؟''

عصام نے پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ ماہ لقاء کی طرف دیکھا۔

''اس معاشرے میں کیا میری اتنی حیثیت ہے کہ میں اپنی پسند اور ناپسند کا خیال رکھ سکوں۔''

عصام کی اس بات سے ماہ لقاء کا موڈ خراب ہو گیا۔

''ایک تو مجھے اس بات کی سمجھ نہیں آتی کہ تم اپنی شخصیت کو حیثیت کے ترازو میں کیوں تولتے رہتے ہو۔ انسان کی شخصیت اس کی قابلیت ہوتی ہے۔ پیسہ ملنا یا نہ ملنا تو حالات کا اتار چڑھاؤ ہے اور یہ حالات تو کبھی بھی بدل سکتے ہیں۔''

عصام کو ماہ لقاء کی باتیں اچھی تو بہت لگ رہی تھیں لیکن وہ اپنی ذات کے خلا میں اس طرح گم ہو گیا کہ وہ ماہ لقاء کے سامنے نہیں بیٹھ سکتا تھا۔ وہ کچھ دیر خاموش رہا اور پھر اٹھ کر اندر کمرے میں چلا گیا۔

ماہ لقاء نے گھڑی دیکھی تو وہ چونک پڑی۔

''اوہ میرے خدایا! امی تو گھر میں بالکل اکیلی ہیں۔ مجھے اندازہ ہی نہیں ہوا کہ مجھے یہاں آئے اتنا وقت گزر گیا ہے۔'' ماہ لقاء کی بات سن کر رفیقہ نے اسے تسلی دی۔

''بیٹی گھر میں ملازم تو ہے۔''

''نہیں آنٹی۔ مجھے اب آپ اجازت دیں۔ آپ سبین وغیرہ کو ہمارے گھر بھیج دیا کریں۔''

''کیوں نہیں آئی گی بیٹی۔ اس محلے میں ایک تم ہی تو ان کی سہیلی ہو۔'' رفیقہ نے ماہ لقاء کے سر پر ہاتھ پھیرا۔

ماہ لقاء سبین اور اس کی باقی بہنوں سے ملی اور ان سے جانے کی اجازت چاہی۔

عصام نے ماہ لقاء کے خدا حافظ کہنے کی آواز سنی تو اس کے قدم بے اختیار اپنی جگہ سے اکھڑ گئے۔ وہ بے ساختہ کمرے سے باہر آ گیا اور تذبذب سی کیفیت میں بولا۔

''آپ جا رہی ہو ماہ لقاء۔''

''ہاں امی گھر میں اکیلی ہیں۔'' ماہ لقاء نے معصوم سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

عصام ماہ لقاء کا دل رکھنے کے لئے ہنستے ہوئے سبین سے مخاطب ہوا۔

''بھئی حلوے میں میرا حصہ رکھ لینا۔ سارا اکیلے ہی نہ چٹ کر لینا۔''

سبین نے جواباً عصام کی طرف اپنے ہاتھ کا انگوٹھا ہلایا۔ ''آپ چھٹی کرو۔ اب نہیں ملے گا۔''

ماہ لقاء ہنسنے لگی اور پھر آہستگی سے چلتی ہوئی عصام کے قریب آئی اور پختہ لہجے میں بولی۔

''عصام آپ خوش رہا کریں۔ زندگی کو تلخیوں پر حاوی کریں گے تو ٹوٹ کر رہ جائیں گے۔ اچھی نیت اور امید خاردار رستوں پر مسیحائی کرتی ہے۔''

عصام نے تعجب خیز انداز سے ماہ لقاء کی طرف دیکھا۔

''ایسی دانشمندانہ باتیں کہاں سے سیکھتی ہیں۔''

ماہ لقاء نے خفیف سے انداز میں اپنے سر کو جھٹکا دیا۔

''عصام آسائشوں سے بھرپور زندگی گزار کر چند اچھی باتیں کرنے والے لوگ بڑے نہیں ہوتے۔ عظیم تو آپ جیسے لوگ ہوتے ہیں۔''

عصام ماہ لقاء کی باتوں میں کھو سا گیا۔

''خدا کرے کہ آپ ہمیشہ خوش رہیں۔ خدا آپ کو غم کی پرچھائی سے بھی بچائے۔''

''اچھا بابا جی۔'' ماہ لقاء نے ہنستے ہوئے کہا اور پھر وہ سبین سے مخاطب ہوئی۔ ''تم سب ہمارے گھر ضرور آنا۔'' یہ کہہ کر ماہ لقاء دروازے کی طرف بڑھی۔

ماہ لقاء چلی گئی لیکن اس کی باتوں کا سحر عصام کو اس کی موجودگی کا احساس دلاتا رہا۔

ایک روز حسب معمول شہباز صاحب کے گھر عصام اپنی ڈیوٹی پر تھا کہ ایک انتہائی قیمتی گاڑی شہباز کی کوٹھی

کے قریب آ کر رکی۔ ایک دراز قد آدمی گاڑی سے اترا تو ملازم نے اس شخص کو ڈرائنگ روم میں لا بیٹھایا۔ کچھ دیر کے بعد شہباز ڈرائنگ روم میں داخل ہوا تو اس شخص سے بہت گرم جوشی سے ملا۔ شہباز نے اس کی خاطر تواضع کی اور پھر کافی دیر تک دونوں کچھ ڈسکس کرتے رہے۔

عصام باہر لان میں گھاس پر بیٹھا ہوا تھا کہ ملازم اس کے قریب آیا۔

''تمہیں اندر سیٹھ صاحب بلا رہے ہیں۔''

عصام جلدی سے اٹھا اور اس ملازم کے ساتھ ڈرائنگ روم میں داخل ہوا تو شہباز نے مؤدبانہ لہجے میں اسے بیٹھنے کے لئے کہا۔ عصام اس شخص کے سامنے صوفے پر بیٹھ گیا۔ وہ بااثر شخص جو عصام کے سامنے بیٹھا ہوا تھا۔ غالباً شہباز کا دوست تھا۔

''یہ عصام ہے اس نے ایم اے تک تعلیم حاصل کی ہے۔'' شہباز نے عصام کا تعارف غیر معمولی انداز میں کروایا۔ جس سے عصام کو تعجب ہوا اور پھر تھوڑی ہی دیر میں شہباز نے عصام سے جانے کے لئے بھی کہہ دیا۔ عصام کو یہ سب بہت عجیب سا لگا۔ وہ سیٹھ صاحب سے اس تعارف کی وجہ بھی دریافت نہیں کر سکتا تھا۔

وہ اسی تذبذب میں مبتلا تھا کہ شہباز اور اس کا دوست ڈرائنگ روم سے باہر نکلے۔ شہباز نے اپنے دوست کو الوداع کیا اور واپس اپنے کمرے میں چلا گیا۔ شہباز کے گھر کا ماحول بہت عجیب تھا۔ وسیع و عریض گھر میں وہ اور اس کی بیوی اکیلے رہتے تھے۔ اس کی بیوی میں گھریلوں عورتوں والی بات نہیں تھی۔ وہ گھر میں کم ہی موجود ہوتی تھی۔ شہباز کا بیٹا اور بیٹی کسی دوسرے ملک میں اعلیٰ تعلیم حاصل کر رہے تھے۔ ایک طرح سے وہ آدم بے زار لوگ تھے۔ ان کے ساتھ عصام کا وقت بہت مشکل سے گزرتا تھا۔ عصام کی نوکری کو پورا مہینہ ہونے والا تھا۔ اب اسے پہلی تاریخ کا بے چینی سے انتظار تھا۔ اس نے ذہن میں اپنے گھر والوں کی ضروریات کی ایک لسٹ تیار تھی۔ وہ دل ہی دل میں بہت خوش تھا کہ اپنی محنت کی کمائی سے اپنے گھر والوں کی ضروریات پوری کر سکے گا۔ یہ ملازمت اس کے لئے بہت معمولی تھی۔ لیکن تنگ دستی کے حالات میں اسے کچھ سہارا ابھی مل گیا تھا اور اس کا ذہن بھی بٹ گیا تھا۔ وہ سمجھوتوں کے ان مراحل میں خوش رہنے کی بہت کوشش کرتا۔ لیکن کبھی کبھار اس کا ذہن تعلیم کے اس دور میں پہنچ جاتا۔ جہاں وہ اپنی ذہانت سے اپنی تقدیر بدلنے کی باتیں کیا کرتا تھا اور اب اس کے نزدیک

اس کی ڈگریوں کی حیثیت محض کاغذ کے چند ٹکڑوں کی سی تھی۔ عصام گہری سوچ میں گم تھا کہ ایک دم شہباز کی آواز نے اسے چونکا دیا۔

''عصام کل تم ڈرائیور کے یونیفارم میں مت آنا۔ اپنی کوئی اچھی سی پینٹ شرٹ پہن آنا۔ میں نے تمہیں کسی کام سے بھیجنا ہے۔''

''ٹھیک ہے سر۔'' عصام نے اثبات میں سر ہلایا۔ اگلے روز عصام پینٹ شرٹ میں ملبوس تھا۔ شہباز نے اپنی کلائی پر بندھی گھڑی کی طرف دیکھا اور عصام سے مخاطب ہوا۔

''ڈکی میں فروٹس کی ایک پیٹی پڑی ہے۔ مجھے آفس چھوڑنے کے بعد وہ پیٹی تم گورنمنٹ ڈگری گرلز کالج کے کینٹین مین کو دے آنا۔ میں اس کی مدد کرنا چاہتا ہوں۔'' یہ کہہ کر شہباز نے اسے مزید ہدایات دیں۔

''ٹھیک ہے سر یہ تو بہت چھوٹا سا کام ہے۔ میں تو سمجھ رہا تھا کہ شاید.....'' عصام نے اپنی بات ادھوری ختم کر دی۔

شہباز کو آفس ڈراپ کرنے کے بعد عصام گرلز کالج پہنچا اور گاڑی سے اتر کر ڈکی سے پھلوں کی پیٹی نکالی۔ اس کے اوپر سیاہ مارکر سے ایک نمبر درج تھا 6145 عصام نے پیٹی اٹھائی اور گرلز کالج کے گیٹ کی طرف بڑھا۔ کہ یکا یک اسے شہباز کی بات یاد آ گئی۔ ''تمہیں کسی سے کچھ کہنے کی ضرورت نہیں۔ چوکیدار تمہیں پہچان لے گا اور خود تمہیں کینٹین تک لے جائے گا۔'' عصام نے شہباز کی یہ بات سوچتے ہوئے گرلز کالج کے گیٹ کی بیل دی۔ چوکیدار نے گیٹ کھولا اور اس نے عصام کے ہاتھوں میں پھلوں کی پیٹی دیکھنے کے بعد سر ہلا کے اندر آنے کا اشارہ کیا۔ چوکیدار نے گیٹ بند کیا اور عصام کے ساتھ کینٹین کی طرف چل دیا۔ کینٹین کی کھڑکی کے باہر لڑکیوں کا ایک ہجوم تھا۔ کینٹین کا مالک اس قدر مصروف تھا کہ اسے کسی کے آنے کی کوئی خبر نہیں تھی۔ عصام کینٹین میں داخل ہونے لگا تو چوکیدار نے اسے اشارتاً رکنے کے لئے کہا۔ وہ رک گیا۔ چوکیدار نے آگے بڑھتے ہوئے کہا۔

''کینٹین میں داخل ہونے کے بعد بائیں طرف ایک کمرہ ہے تم یہ پیٹی ادھر رکھ آؤ۔ میں کینٹین کے مالک کو بتا دوں گا۔ تمہیں شہباز صاحب نے بھیجا ہے۔''

عصام کے لئے یہ معمول کی بات تھی۔اس نے پیٹی اندر رکھی مگر اسی لمحے غیر محسوس انداز میں پھلوں کی پیٹی کو کرسی کے نیچے رکھتے ہوئے عصام کی کسی نے فوٹو گراف بنائی۔دن کی روشنی کی وجہ سے عصام کو کچھ پتہ نہیں چلا۔ اس نے پیٹی رکھی اور لاپرواہی سے کینٹین سے باہر آ گیا۔

رات کو جب عصام شہباز کو آفس سے گھر لایا تو شہباز کے چہرے پر غیر معمولی پریشانی کے آثار تھے۔وہ گاڑی سے اُتر کر سیدھا اپنے کمرے میں گیا۔عصام نے گاڑی لاک کر دی۔اب اس کے جانے کا وقت ہو گیا تھا کہ شہباز نے اسے ملازم کے ذریعے اپنے کمرے میں بلایا۔عصام اس کے کمرے میں داخل ہوا تو وہ بے چینی سے اپنے کمرے میں ٹہل رہا تھا۔

''کیا بات ہے شہباز صاحب! آپ کچھ پریشان دکھائی دے رہے ہیں۔'' عصام نے شہباز کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔

''آؤ بیٹھو۔'' شہباز نے صوفے پے بیٹھتے ہوئے عصام کو بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

عصام اس کے سامنے والے صوفے پے بیٹھ گیا۔

''عصام ایک بری خبر ہے۔'' شہباز نے پریشان کن لہجے میں کہا۔

''کک..... کک..... کون سی خبر۔'' عصام کے چہرہ کا رنگ فق ہو گیا۔

''ایسی ویسی کوئی بات نہیں ہے۔بس ہم لوگوں کے ساتھ ایک عجیب واقعہ پیش آ گیا ہے۔نیکی کرنے چلے تھے مگر آگے سے ایک گھناؤنی الجھن میں پھنس گئے ہیں۔''

''سر آپ کہنا کیا چاہتے ہیں۔آخر بات کیا ہے۔''

''جس ڈگری کالج میں، میں نے تمہارے ہاتھ پھلوں کی پیٹی بھیجی تھی۔وہاں سے آج دوپہر بارہ بجے ٹائم بم برآمد ہوا ہے۔کسی نے بروقت اطلاع کر دی تھی جس سے سینکڑوں جانیں بچ گئیں۔''

''لیکن اس واقعہ کا ہمارے ساتھ کیا تعلق۔''

''وہ ٹائم بم پھلوں کی پیٹی سے ملا ہے۔'' شہباز کی یہ بات سنتے ہی عصام کا حلق خشک ہونے لگا۔

''میں نے فوراً اس کالج کے چوکیدار سے رابطہ کیا تو علم ہوا وہ کینٹین کے مالک سے تمہارا ذکر کرنا ہی بھول

گیا تھا۔ اس لئے تمہارے اس کالج میں جانے کے متعلق صرف وہ چوکیدار ہی جانتا ہے۔ وہ چوکیدار تو ہمارے خاص آدمی ہے۔ میں نے اسے کہہ دیا ہے کہ وہ اس بات کو کسی کے علم میں آنے نہ دے۔ کہ پھلوں کی پیٹی تم لائے تھے۔'' شہباز نے سگریٹ ایش ٹرے میں مسلتے ہوئے کہا۔

عصام سراسیمہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ کہ یہ ایک دن میں کیا کچھ ہو گیا ہے۔ اس کے قدم اسی جگہ جامد ہو گئے۔ جہاں وہ کھڑا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ تقدیر نے اس کے ساتھ یہ کیسا گھناؤنا مذاق کیا ہے۔ خدا نخواستہ اگر کسی کو اس پر شک ہو گیا تو کیا ہو گا۔ اس کا دل بری طرح سے دھڑکنے لگا اور وہ خوف سے پسینہ میں شرابور ہو گیا۔

''شہباز صاحب پلیز آپ میرا خیال رکھیں۔ اس کیس میں میرا نام نہ آ جائے۔ میری فیملی کا میرے علاوہ اور کوئی سہارا نہیں ہے۔''

''تم خواہ مخواہ گھبرا رہے ہو۔ میں نے تمہیں بتایا تو ہے کہ اس معاملے کا علم صرف چوکیدار کو ہے اور چوکیدار ہمارا خاص آدمی ہے۔ میں اس خبر سے پریشان ضرور ہو گیا تھا لیکن اس کا یہ مطلب قطعاً نہیں ہے کہ میں گھبرا گیا ہوں۔ میرے وسائل اتنے زیادہ ہیں کہ میرے ہوتے ہوئے کوئی تم پر ہاتھ نہیں ڈال سکتا۔''

''لیکن کوئی مجھ پر ہاتھ ڈالے کیوں میں تو بے گناہ ہوں۔'' عصام کی اس بات پر شہباز نے تمسخر آمیز نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

''ینگ مین! یہ دنیا تو ایک شکارگاہ ہے یہاں تو جگہ جگہ شکنجے بچھے ہیں۔ کب کہاں کون شکار ہو جائے۔ یہ کوئی نہیں جانتا۔'' عصام کا چہرہ اتر گیا۔ وہ کچھ دیر سر جھکائے کچھ سوچتا رہا۔

''شہباز صاحب! بہت دیر ہو گئی ہے۔ میں اب گھر چلتا ہوں۔''

''ہاں تم گھر جاؤ۔ اینڈ بی ریلیکس کچھ نہیں ہو گا۔'' شہباز نے پراعتماد انداز میں کہا۔

عصام نے بے یقینی کی کیفیت میں اپنا سر ہلایا اور ڈھیلے ڈھیلے قدموں سے دروازے کی طرف بڑھا۔

عصام پریشانی کی کیفیت میں گھر آیا تو پورے گھر پر سناٹا چھایا ہوا تھا۔ ایسی خاموشی تھی جیسے گھر میں کوئی ہے ہی نہیں۔ صحن کی لائٹ جل رہی تھی باقی سارے کمرے اندھیرے میں ڈوبے ہوئے تھے۔ عصام کو ایک دھچکا سا

لگا۔ وہ گھبرائی ہوئی آواز میں چلانے لگا۔

''امی! سبین! کہاں ہوں تم لوگ۔''

لیکن اسے کوئی جواب نہ ملا۔ اس کا دل ڈوبنے لگا۔ وہ تیز تیز قدموں سے چلتا ہوا کمرے میں داخل ہوا کہ اس اندھیرے میں ڈوبے ہوئے کمرے کے وسط میں رفتہ رفتہ موم بتیاں روشن ہونے لگیں۔ جن کی دھیمی دھیمی روشنی میں عصام کے گھر والوں کے چہرے جگمگانے لگے۔ جنہیں دیکھتے ہی عصام کے چہرے پر مسکراہٹ بکھر گئی اور پھر اس کے گھر والوں نے ہیپی برتھ ڈے کی آواز کے ساتھ لائٹ آن کر دی۔

آج عصام کی سالگرہ تھی۔ رفیقہ نے آگے بڑھ کر عصام کی پیشانی پر بوسہ دیا۔ عصام مسکراتا ہوا کیک کے قریب آ کر بیٹھ گیا۔ گھر والوں کے خلوص میں وہ اپنی ساری پریشانی بھول گیا۔

اگلے روز عصام کو پہلی تنخواہ ملی تو اس نے اپنے گھر والوں کے لئے ڈھیر سارا سامان خریدا۔ یہ خریداری کرتے ہوئے اس کے دل کو ایک عجیب سا سکون مل رہا تھا۔ اس نے ایک ماہ کا راشن لیا اور بہنوں کے لئے چوڑیاں لیں۔ وہ گھر گیا تو رفیقہ نے اسے ڈھیروں دعائیں دیں۔ اس کی بہنیں چوڑیاں لے کر بہت خوش ہوئیں۔ ان سب نے ایک ایک سیٹ لے لیا۔ تمام سیٹ تقسیم ہونے کے بعد چوڑیوں کا ایک سیٹ ڈبے میں باقی رہ گیا۔ سبین نے وہ سیٹ اٹھاتے ہوئے عصام کی طرف دیکھا۔

''عصام! یہ کس کے لئے ہے۔''

عصام نے کھوئے کھوئے سے انداز میں اس سیٹ کی طرف دیکھا۔

''یہ..... یہ.....'' الفاظ جیسے اس کے منہ میں ہی ختم ہو گئے۔ پھر اس نے سر جھکاتے ہوئے جلدی سے کہہ دیا۔

''شاید یہ سیٹ غلطی سے آ گیا ہے۔'' لیکن سبین نے اس کی نظریں پڑھ لی تھیں۔ اس نے مسکراتے ہوئے عصام کی طرف دیکھا۔

''عصام! یہ سیٹ میں ماہ لقاء کو دے دوں۔''

''ہاں دے دو۔'' عصام نے سرسری سے انداز میں اپنے دل کی بات کہہ دی۔

عصام نے کالج میں ہونے والے واقعے کا ذکر گھر میں کسی سے نہیں کیا۔ یہاں تک کہ سبین سے بھی نہیں۔

اگلی صبح عصام ناشتہ کر رہا تھا تو اس کی ماں رفیقہ ہاتھ میں تسبیح لئے اس کے قریب آئی اور منہ میں کچھ پڑھ کر اس پہ پھونکنے لگی۔

''آج کیا بات ہے امی.....'' عصام نے مسکراتے ہوئے رفیقہ کی طرف دیکھا۔

''کچھ نہیں بیٹا، بس ویسے ہی پریشان ہوگئی تھی۔ رات تمہارے بارے میں عجیب سا خواب دیکھا تھا۔'' یہ کہہ کر رفیقہ کچھ دیر کے لئے خاموش ہوگئی اور پھر ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولی۔

''خوابوں کا کیا ہے۔ خدا حفاظت کرنے والا ہے۔ خدا تمہیں اپنے امان میں رکھے۔'' یہ کہہ کر رفیقہ نے بہت ملائمت سے عصام کے سر پر ہاتھ پھیرا۔ عصام نے ممتا کی اس جاذبیت کو محسوس کرتے ہوئے اپنی آنکھیں بند کرلیں اور دل ہی دل میں دعا کرنے لگا کہ خدا کبھی بھی اسے ماں کی شفقت سے محروم نہ کرے۔

عصام حسب معمول شہباز کے گھر بروقت پہنچ گیا۔ دوپہر کے وقت شہباز گھر میں موجود تھا۔ تین بجے کے قریب وہی شخص جو شہباز سے پہلے بھی ملنے آیا تھا ایک اور شخص کے ہمراہ شہباز کی کوٹھی میں آیا۔ عصام نے انہیں بہت عزت کے ساتھ ڈرائنگ روم میں بٹھایا۔

شہباز کو ان کے آنے کی اطلاع ملی تو ان سے ملنے ڈرائنگ روم میں چلا گیا۔ کچھ دیر کے بعد وہ تینوں ڈرائنگ روم سے نکل کر لان میں پڑی کرسیوں پر بیٹھ گئے۔ ملازم نے انہیں وہیں چائے پیش کی۔ شہباز نے عصام کو اشارے سے بلایا کیونکہ عصام ان سے کافی فاصلہ پر بیٹھا تھا۔ عصام فوراً اس کے پاس آگیا اور گھاس پر بیٹھ گیا۔ شہباز کے قریب بیٹھے ہوئے شخص نے عصام سے پوچھا۔

''کیوں بھئی نوجوان تمہیں نوکری ملی کہ نہیں۔''

''نہیں۔'' عصام نے مایوسی سے کہا۔

شہباز کے پاس بیٹھا ہوا دوسرا شخص عجیب سے انداز میں ہنسا جیسے اس نے عصام کی سنجیدگی کا مذاق اڑایا ہو۔

''اوئے! روپے کمانے کے لئے پریشان ہوتے ہو، روپے کمانے کے تو بے شمار طریقے ہیں۔''

عصام کو اس کی بات بے مقصد ہی لگی۔ اس نے اس کی بات کی طرف توجہ نہ دی۔ شہباز آج بہت خوشگوار موڈ میں تھا۔ اس نے چائے کا خالی کپ پرچ پر رکھتے ہوئے کہا۔

''آج ہم نشانہ بازی کریں گے۔''

''چلو آج عصام کو بھی نشانہ بازی سکھاتے ہیں۔'' شہباز کے قریب بیٹھے ہوئے شخص نے کہا۔

''مجھے اس چکر میں مت ڈالیں۔ میں نے یہ کام کبھی کیا ہی نہیں۔'' عصام نے اپنے ہاتھ کو نفی کے اشارے میں ہلاتے ہوئے کہا۔

''یار کیا تم لڑکیوں جیسی باتیں کر رہے ہو۔ بیٹھ کر پہلے ہماری نشانہ بازی دیکھو پھر ہم تمہیں تھوڑی سی پریکٹس دیں گے Be enjoy۔'' شہباز نے عصام کی طرف مسکراتے ہوئے دیکھا۔ شہباز کی کوٹھی میں دو ملازم تھے۔ ایک نوجوان تھا اور دوسرا ایک بوڑھا فضلو بابا تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد فضلو بابا نے ایک مناسب فاصلے پر ٹارگٹ سیٹ کر دیئے۔

جب شہباز اور اس کے دوستوں نے نشانہ بازی کا مقابلہ شروع کیا تو عصام ان کی مہارت سے مرعوب ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ وہ تحیر خیز نگاہوں سے ان کی طرف دیکھ رہا تھا لیکن شہباز اور اس کے دوستوں کی یہ حرکت بہت مشتبہ تھی۔ یہ بارود سے بھری گولیوں کی بوچھاڑ ان کے لئے ایک معمولی کھیل تھا۔ کچھ دیر کے لئے عصام کو یوں محسوس ہوا جیسے شہباز اور اس کے دوست شرافت کے لبادے سے باہر آ گئے ہیں۔ وہ ابھی سوچ کی ان بھول بھلیوں میں بھٹک رہا تھا کہ شہباز ہاتھ میں پسٹل لئے اس کے قریب آیا۔

''چلو عصام پریکٹس کرو۔ ٹارگٹ کو سامنے رکھ کے اپنے ذہن سے تین نشانے لگاؤ۔ پھر میں تمہیں بتاؤں گا کہ نشانہ کیسے لگتا ہے۔''

''مجھے تو آپ دور ہی رکھیں۔ مجھے تو سرے سے ہی کچھ پتہ نہیں۔'' عصام نے جھجکتے ہوئے کہا۔

''یار ہم کون سا تم سے کوئی مقابلہ کروا رہے ہیں..... جسٹ انجوائمنٹ۔'' یہ کہہ کر شہباز عصام کو پسٹل چلانے کا طریقہ کار بتانے لگا۔

عصام نے مسکراتے ہوئے ایک لمبا سانس کھینچا اور شہباز کے ہاتھ سے پسٹل لے کر کھڑا ہو گیا۔

شہباز نے عصام کو ایک مخصوص ٹارگٹ کے سامنے کھڑا کر دیا۔ گھاس پر نصب کئے گئے چار ٹارگٹ میں یہ آخری ٹارگٹ تھا جس کے بالکل ساتھ سرسوں کا ایک گھنا پودا تھا۔

عصام نے ٹارگٹ کا نشانہ لیتے ہوئے پسٹل کو اس طرح پکڑا کہ شہباز کے دوستوں کی ہنسی چھوٹ گئی۔ عصام نے خفگی سے ان کی طرف دیکھا۔ پھر اس نے اپنی ایک آنکھ بند کرتے ہوئے اندازے سے نشانہ لے کر ٹریگر دبا دیا۔ گولی نے ٹارگٹ کو چھوا تک نہیں۔

شہباز نے عصام کے قریب آتے ہوئے کہا۔

''نشانہ ٹارگٹ کے نیچے لگاؤ گے تو گولی ٹارگٹ کے سنٹر میں جا کے لگی گی۔''

عصام نے شہباز کی بات کو ذہن میں رکھتے ہوئے دوسرا نشانہ لیا تو وہ ٹارگٹ کے سنٹر میں تو نہیں لگا لیکن اس نے ٹارگٹ مس نہیں کیا۔ دو نشانوں کے بعد عصام کا اشتیاق بڑھ گیا کہ اس کا تیسرا فائر اب کہاں لگتا ہے۔ اس کے چہرے پر بشاشت دوڑ گئی۔ اس نے پوری یکسوئی کے ساتھ نشانہ لیا لیکن جونہی گولی اس کی پسٹل سے نکلی اس کے اوسان خطا ہو گئے۔ اس کے پیروں تلے سے زمین نکل گئی۔ ایک مہیب منظر نے اس کے دل کو اپنی مٹھی میں بھینچ کر رکھ دیا۔ فضل بابا نا جانے کہاں سے نکل کر اس کے نشانے کے بالکل سامنے آ گئے اور گولی اس بوڑھے آدمی کا سینہ پار کرتی ہوئی گزر گئی۔

عصام کے ہاتھ سے پسٹل چھوٹ گئی۔ وہ اپنے حواس میں نہیں تھا۔ شہباز اور اس کے دوستوں کی آوازیں فضا میں بلند ہوئیں۔

''عصام یہ تم نے کیا کر دیا۔'' وہ تینوں اس بوڑھے آدمی کی طرف لپکے جو خون میں لت پت زمین پر پڑا تڑپ رہا تھا۔

عصام پر خفقانی سی کیفیت طاری ہو گئی۔ اس حادثے نے اس کی قوت گویائی سلب کر دی کہ وہ آگے بڑھ کر شہباز سے اس بوڑھے شخص کو ہسپتال لے جانے کے لئے کہے۔

شہباز اور اس کے دوستوں نے فضل بابا کی زندگی کے چند منٹ اپنے شور و غل میں ہی گزار دیئے اور اس بوڑھے شخص نے تڑپ تڑپ کر اپنی جان دے دی۔

شہباز کے دوست کی آواز عصام کے کانوں میں پڑی۔

''یہ تو مر گیا ہے۔'' کپکپاہٹ کی ایک لہر عصام کے پورے وجود میں دوڑ گئی۔ وہ دوڑتا ہوا نعش کے قریب آیا

اور بے یقینی کی کیفیت میں اسے چیک کرنے لگا اور پھر اس خوفناک حقیقت کے آگے وہ سن ہو کر بیٹھ گیا۔

شہباز نے عصام کی خراب طبیعت دیکھی تو اس نے اپنے دوست سے اشارتاً بات کی۔

''عصام کی طبیعت ٹھیک نہیں لگ رہی، تم اسے کمرے میں لے جاؤ۔ ہم لاش کو ٹھکانے لگا دیتے ہیں۔ یہ بات ہم تینوں کے علاوہ کسی اور کو معلوم نہیں ہونی چاہئے۔''

''تم بے فکر رہو۔ یہ بات ہم تینوں سے باہر نہیں جا سکتی۔'' شہباز کے دوست نے اسے تسلی دی۔

وہ عصام کو کمرے میں لے گیا مگر اس کیفیت میں آرام کہاں مل سکتا تھا۔ پریشانی سے اس کا چہرہ زرد پڑ گیا تھا۔ اس کو لگ رہا تھا کہ اس سے کوئی بہت بڑا گناہ سرزد ہو گیا ہے۔ اس نے پریشان کن انداز سے شہباز کے دوست کی طرف دیکھا۔

''آپ ہی مجھے کچھ بتائیں کہ اب کیا ہوگا۔ آپ لوگ میرے جرم پر جتنا مرضی پردہ ڈالیں لیکن جرم تو مجھ سے سرزد ہوا ہے۔ اس کی سزا مجھے ضرور ملے گی۔''

''میں اس معاملے میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ شہباز صاحب خود تمہیں آ کر سمجھائیں گے۔ انہوں نے مجھ سے صرف اتنا کہا ہے کہ عصام اس قدر ذہنی الجھاؤ کا شکار ہے کہ وہ کوئی فیصلہ بھی درست نہیں کر سکتا۔ ان کا خیال ہے کہ تم اپنی کنفیوژن سے ہم لوگوں کو بھی ڈسٹرب کر رہے ہو۔ انہوں نے مجھ سے تمہیں کچھ ٹریٹمنٹ دینے کے لئے کہا ہے۔'' یہ کہہ کر وہ شخص ایک چھوٹے سے میز کی طرف بڑھا۔ اس پر ایک بریف کیس رکھا۔ اس بریف کیس سے ایک سرنج اور ایک انجکشن نکالا اور عصام کی طرف بڑھا۔ عصام گھبرا کر بیڈ کے ایک کونے سے جا لگا۔

''یہ..... یہ..... تم کیا کر رہے ہو۔''

''یہ تو ایک معمولی سا انجکشن ہے۔ تمہیں ذہنی سکون دینے کے لئے تاکہ تم ہمیں کوئی بہتر رائے دے سکو۔ صرف دس پندرہ منٹ کے لئے آرام کر لو۔ اس میں تمہارا ہی فائدہ ہے۔'' شہباز کے دوست نے عصام کو سمجھانے کی کوشش کی لیکن عصام کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا۔ اس کے ذہن میں وہی المناک منظر نقش تھا۔ اس نے تذبذب کی کیفیت میں پوچھا۔

''شہباز اس بوڑھے شخص کی لاش کو کہاں چھپائے گا۔؟''

شہباز کے دوست کا چہرہ تن گیا۔ وہ طیش میں آ کر بولا۔

''ایک تو ہم لوگ پریشان ہیں دوسرے تم سوالوں پر سوال کئے جا رہے ہو۔ اسی وجہ سے تو کہہ رہا ہوں کہ تم ہم لوگوں کو ڈسٹرب نہ کرو، کچھ دیر آرام کر لو۔ ہم سب کچھ سنبھال لیں گے۔ لاش کو ٹھکانے لگانے میں اگر ہم سے کوئی گڑبڑ ہو گئی تو تم پولیس کے ہاتھوں سے نہیں بچ سکو گے۔'' یہ کہہ کے شہباز کے دوست نے انجکشن لگانے کے لئے عصام کے بازو پہ ہاتھ رکھا تو اس نے بھی اپنا جسم ڈھیلا چھوڑ دیا۔ کچھ دیر بعد ہی عصام گہری نیند سو گیا۔

شہباز اور اس کے دوستوں نے بہت صفائی کے ساتھ لاش کو ٹھکانے لگا دیا۔

عصام کو ہوش آیا تو اس نے اپنے آپ کو ایک خوبصورت کمرے کے دیدہ زیب بیڈ پر لیٹا ہوا پایا۔ وہ اپنے نڈھال سے جسم کو گھسیٹتا ہوا بیڈ کی پشت کا سہارا لے کر بیٹھ گیا۔ اس نے بے یقینی کی کیفیت میں ایک بار پھر کمرے کا جائزہ لیا۔ یہ شہباز کا گھر نہیں تھا۔

''کوئی ہے.....؟'' خالی کمرے میں عصام کی آواز گونجی تو ایک لڑکا کمرے میں داخل ہوا۔

''کیا چاہئے تمہیں۔''

عصام کے لئے وہ اجنبی تھا۔ اس نے لڑکے سے پوچھا۔

''شہباز صاحب کہاں ہیں اور مجھے یہاں کون لایا ہے؟''

''تمہیں شہباز صاحب کے دوست یہاں چھوڑ گئے ہیں۔ یہ گھر بھی شہباز صاحب کا ہی ہے۔ وہ آدھے گھنٹے تک آ جائیں گے۔ تمہیں کھانے کے لئے کچھ چاہئے۔''

''نہیں.....'' عصام کے لہجے میں ایک عجیب سا خوف تھا۔

وہ لڑکا باہر چلا گیا۔

عصام تنہائی میں بیٹھا کچھ دیر کچھ سوچتا رہا۔ اس کے بدن کی شکستگی اور نقاہت قدرے کم ہو رہی تھی لیکن اس کے سر میں درد اس قدر شدید تھا کہ یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے اس کے دماغ کی رگ دھماکے سے پھٹ جائے گی۔ سر درد کی وجہ سے اس کی آنکھیں بھی بوجھل تھیں۔

اس نے سوچا کہ وہ ایک کپ چائے کے ساتھ درد کی گولی لے لیتا ہے۔ اس خیال کے ساتھ وہ کمرے سے

باہر نکلا تو اس کی نظر کچن پر پڑی۔ وہ کچن کے دروازے پر پہنچا تو پینٹ شرٹ میں ملبوس ایک لڑکا چائے کے لئے پانی ابال رہا تھا۔ عصام اس کے قریب گیا اور اسے مخاطب کیا۔

اس نے پلٹ کر عصام کی طرف دیکھا تو وہ ایک خوبصورت لڑکی تھی۔ تیکھے نقوش اور مغربی طرز کے بالوں نے اسے انتہائی ماڈرن بنا رکھا تھا۔ اس نے اپنی آنکھوں تک گرے ہوئے لٹ کو اپنے ہاتھ سے پیچھے کرتے ہوئے عصام کی طرف دیکھا اور انتہائی پُر اعتماد لہجے میں بولی۔

''جی فرمایئے۔''

''جی مجھے سر درد کی گولی چاہئے.....'' عصام نے ہچکچاتے ہوئے کہا۔

''اور ساتھ میں ایک کپ چائے چاہئے ہوگا.....''

''یہ چائے میں آپ کی لئے ہی بنا رہی تھی۔ مجھے معلوم تھا کہ ہوش میں آنے کے بعد آپ شدید سر درد کا شکار ہوں گے۔'' عصام نے تعجب سے اس کی طرف دیکھا۔

''مجھے تو آپ لوگوں کی کچھ سمجھ نہیں آ رہی۔''

''آہستہ آہستہ سب کچھ سمجھ جاؤ گے۔'' یہ کہہ کر لڑکی نے قہوہ ایک کپ میں ڈالا اور اس میں حسب ضرورت دودھ اور شکر شامل کر دی اور پھر خاموشی سے دوسرے کمرے سے سر درد کی گولی لے آئی۔ اس نے گولی اور چائے کا کپ عصام کے ہاتھ میں تھمایا اور چپ چاپ دوسرے کمرے میں چلی گئی۔

عصام کچھ دیر خاموشی سے اسے دور تک جاتے ہوئے دیکھتا رہا۔ اسے یوں محسوس ہو رہا تھا کہ جیسے وہ انسانوں میں نہیں روبوٹس میں آ گیا ہے۔

عصام چائے اور سر درد کی گولی لے کے کمرے میں چلا گیا اور بیڈ پر بیٹھ کے چائے پینے لگا۔ عصام شدید ذہنی تناؤ کا شکار تھا۔ فضل بابا کا چہرہ اس کی نظروں کے سامنے آ رہا تھا اور وہ سٹپٹا کے رہ گیا۔ جرم کے احساس نے اس پر دورے کی سی کیفیت طاری کر دی۔ حالات اور واقعات کی ستم ظریفی نے اس کی نظروں میں سب کے چہرے دھندلے کر دیئے تھے۔ یہاں تک کہ اس کی شخصیت اس کے آگے معدوم ہو کر رہ گئی کہ اس نے یہ شیطانی کھیل کھیلا کیوں؟ وہ شہباز اور اس کے دوستوں کی باتوں میں کیوں آ گیا۔ وہ اپنے آپ سے سوال کر رہا تھا کہ

شہباز کمرے میں داخل ہوا۔

شہباز کو دیکھتے ہی عصام اس کی طرف اس طرح لپکا کہ جیسے وہ اسے اس بھنور سے نکالنے والا مسیحا ہو۔

''سر میں کب سے آپ کا انتظار کر رہا تھا۔'' عصام کے لہجے میں شدید بے چینی تھی۔

''ریلیکس ینگ بوائے..... ریلیکس۔'' یہ کہتے ہوئے شہباز صوفے پر بیٹھ گیا۔ اس کے چہرے پر پریشانی کے کوئی اثرات نہیں تھے۔ عصام صوفے پر اس کے قریب ہی بیٹھ گیا۔

''شہباز صاحب! میں اپنے کنبے کا واحد سہارا ہوں۔ آپ میرے لئے کچھ کریں۔، خدانخواستہ اگر میں اس کیس میں پھنس گیا تو میری ماں میری جوان بہنوں کو کیسے سنبھالے گی۔ میری سمجھ میں تو کچھ نہیں آ رہا۔ میرے خون میں رنگے ہوئے میرے ہاتھ تو ابھی تک کانپ رہے ہیں۔'' عصام کے لہجے میں بے بسی اور بے چارگی تھی۔ لیکن شہباز نے کوئی جواب تو درکنار اس کی طرف ہمدردی سے دیکھا تک نہیں۔ اس کا سپاٹ چہرہ ہر قسم کے جذبات سے عاری تھا۔ اس نے عصام کی بات کو نظر انداز کرتے ہوئے سگار سلگایا۔

غصے کی ایک شدید لہر عصام کے پورے وجود میں دوڑ گئی لیکن پھر بھی اس نے تحمل سے کہا۔

''آپ نے میری بات کا جواب کیوں نہیں دیا۔''

''میرے پاس یہ فضولیات سننے کا ٹائم نہیں ہے تھوڑا فریش ہو جاؤں پھر تمہاری بات سنوں گا۔''

شہباز کی اس بات پر عصام جل بھن کر رہ گیا۔ وہ اشتعال میں آ کر بولا۔

''شہباز صاحب! میرا تو ایک ایک پل عذاب میں گزر رہا ہے۔ آپ کو اندازہ نہیں ہے کہ میں کس ذہنی کرب میں مبتلا ہوں۔ آپ کو اپنا ہمدرد سمجھتا ہوں تو آپ سے بات کر رہا ہوں۔''

عصام کو شہباز کے تیور عجیب نظر آ رہے تھے۔ اسے یوں محسوس ہو رہا تھا کہ جیسے وہ شہباز سے نہیں کسی اور سے بات کر رہا ہے۔ شہباز نے عجیب سی خونی نظروں سے عصام کی طرف دیکھا۔

''تمہیں میری بات سننے کی اگر بہت جلدی ہے تو ابھی تم سے بات کر لیتے ہیں۔'' یہ کہہ کر شہباز نے کسی لڑکی کا نام پکارا۔

''ساشا۔''

اس آواز پر وہی لڑکی کمرے میں داخل ہوئی جس نے عصام کو چائے دی تھی۔

''ساشا! گارڈز کو بھیجو۔'' شہباز لڑکی سے مخاطب ہوا۔

ساشا نے عصام کی طرف ہمدردانہ نظروں سے دیکھا کہ عصام خوفزدہ سا ہو گیا۔

ساشا شہباز کا حکم سن کر چلی گئی۔

چند منٹوں کے بعد اسلحہ سے لیس آدمی کمرے میں داخل ہوئے۔ ان باڈی گارڈز میں سے ایک نے کمرے کا دروازہ لاک کر دیا۔ شہباز کے چہرے کے تاثرات یکسر بدل گئے تھے۔

شہباز عصام کے قریب آ کر بیٹھ گیا اور ٹھہرے ٹھہرے لہجے میں کہنے لگا۔

''عصام تھوڑی دیر کے لئے فضل بابا کے قتل کی ٹینشن کو اپنے ذہن سے نکال کر ٹھنڈے دماغ سے میری بات سنو۔ تم نوکری کے لئے مارے مارے پھر رہے ہو۔ اگر تمہیں نوکری مل بھی گئی تو تم تب بھی اپنی بہنوں کی ذمہ داریوں سے صحیح طریقے سے سبکدوش نہیں ہو سکتے۔ ایسی شادیوں کا کیا فائدہ کہ تمہاری بہنوں کو اگلے گھروں میں جہیز کے طعنے پڑتے رہیں۔''

''آپ کہنا کیا چاہتے ہیں۔'' عصام نے شہباز کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

''ہم تمہیں ایک بہت بڑی آفر دے رہے ہیں۔ تم ہمارے ساتھ شامل ہو جاؤ۔ دنوں میں لکھ پتی بن جاؤ گے۔''

''آپ تو بیٹریوں کا کاروبار کرتے ہیں نا.....'' عصام نے انتہائی معصومیت سے پوچھا۔

''وہ تو میرا سائیڈ بزنس ہے۔ میرے دوسری ذرائع سے آنے والی کمائی کو سیکرٹ رکھنے کا ایک ذریعہ بھی ہے۔'' شہباز کا سفاک چہرہ اس کے مشکوک کردار کی ترجمانی کرنے لگا۔

''آپ لوگ کیا کرتے ہیں؟'' عصام کی نگاہوں میں ایک عجیب سا شک جھانکنے لگا۔

''ہم.....''

شہباز کی یہ بات سن کر عصام سٹپٹا کے رہ گیا۔

غصے کی ایک شدید لہر اس کے پورے وجود میں دوڑ گئی۔ وہ اشتعال میں کھڑا ہو گیا۔

''شہباز صاحب! میں نے آپ کو کیا سمجھا تھا اور آپ کیا نکلے۔ ہم لوگ غریب ضرور ہیں لیکن ضمیر فروش

نہیں۔ آپ کیا چاہتے ہیں کہ میں اپنی بہنوں کے ہاتھ پیلے کرنے کے لئے اپنے ہاتھ لوگوں کے لہو میں رنگ لوں۔ معصوم لوگوں کی زندگیوں کے بدلے میں ملنے والی دولت آپ کو کبھی سکھ نہیں دے گی۔ آپ محل بنا بنا کے خوش ہوتے رہیں لیکن آپ جیسے گرے ہوئے شخص کا مقام جیل کی کوٹھری ہے۔''

عصام کے اس فقرے پر شہباز کے باڈی گارڈز نے اسے اپنی مضبوط بازوؤں میں جکڑ لیا۔

شہباز کے چہرے پر شیطانی مسکراہٹ بکھر گئی۔

''میں تو صرف تمہارے رائے معلوم کرنا چاہتا تھا۔ درحقیقت تم ہم میں شامل ہو چکے ہو۔''

یہ کہہ کر شہباز نے اپنے ایک باڈی گارڈ کو ہاتھ سے اشارہ کیا۔ اس کے اشارے پر اس شخص نے اپنی جیب سے دو فوٹو گراف نکالیں اور شہباز کے ہاتھ میں تھما دیں۔ شہباز نے برانگیختہ نگاہوں سے عصام کی طرف دیکھا اور تصاویر اس کے ہاتھ میں تھما دیں۔

''پہلے اپنے کام دیکھ لو پھر اپنی شرافت کا ڈھول پیٹو۔''

عصام نے وہ تصویریں دیکھیں تو وہ سرتاپا کانپ کے رہ گیا۔ اس کی رگوں میں خون جیسے منجمد ہو گیا۔ اس کا حلق خشک ہونے لگا۔ وہ تھوک نگلتے ہوئے بولا۔

''آپ مجھے بلیک میل کر رہے ہیں۔''

''بلیک میل تو بہت چھوٹا سا لفظ ہے تم ہمارے لئے کوئی اور لفظ ڈھونڈو۔'' شہباز کے اس فقرے پہ اس کے باڈی گارڈز ہنسنے لگے۔

ان کے قہقہوں نے عصام کے اندر کی آگ کو مزید بڑھا دیا۔ اس کا چہرہ تپنے لگا۔ آنکھیں دہکتے انگاروں کی طرح سلگنے لگیں۔ عصام کی سانسیں تیز تیز چلنے لگیں۔ بالآخر اس کا خود پر قابو نہیں رہا اور وہ ان تینوں آدمیوں میں سے ایک پر جھپٹ پڑا اور ان تینوں آدمیوں نے اس کے نحیف سے جسم کو ایک ہی بار زمین پر پٹخ دیا اور وہ بے بسی میں کراہتا ہوا صوفے کا سہارا لے کر کھڑے ہونے کی کوشش کرنے لگا لیکن اپنے شکستہ بدن کی وجہ سے صوفے پر ڈھیر ہو گیا۔

شہباز صوفے پر اس کے قریب بیٹھ گیا۔ عصام نے حقارت بھری نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔ شہباز

نے اس کی دہکتی ہوئی آنکھوں میں اپنی آنکھیں گاڑ دیں۔

''اس وقت غصے میں آنا تمہیں نقصان کے علاوہ اور کچھ نہیں دے سکتا۔ تمہاری دیانتداری تمہارے اہل خانہ کوئی خوشی نہیں دے سکتی۔ ٹھنڈے دماغ سے میری بات سنو اور سوچو کہ اگر تمہیں پھانسی ہوگئی تو تمہاری بہنوں اور تمہاری ماں کو کون سنبھالے گا۔ اگر ہمارا ساتھ نہیں دو گے تو پھانسی چڑھ جاؤ گے۔ تمہاری ماں اور بہنیں بے سہارا ہو جائیں گے۔ اگر ہمارے ساتھ دو گے تو تمہاری ماں اور بہنیں عیش کریں گی۔ پیسہ ہر غم کا مداوا ہے۔ اگر تمہیں اپنی ماں اور بہنوں سے محبت ہے تو اپنی زندگی ہمیں بیچ دو۔''

عصام اپنی پیشانی پر ہاتھ رکھے شہباز کی بات سن رہا تھا۔ خوف اور گھبراہٹ سے اس کا دل تیزی سے دھڑک رہا تھا۔ اسے کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ اس کے ساتھ کیا ہو رہا ہے۔ اس کا دماغ جیسے سن ہو کر رہ گیا تھا۔ اس کے ذہن میں سیٹی کی سی آواز گونج رہی تھی جو اس کی ہر سوچ کو بے ترتیب کر رہی تھی۔

اس کی قوت گویائی سلب ہو کر رہ گئی۔

شہباز نے عصام کی یہ کیفیت دیکھی تو وہ اپنے باڈی گارڈز سے مخاطب ہوا۔

''اسے کچھ دیر کے لئے اکیلا چھوڑ دو۔'' یہ کہہ کر شہباز اپنے بندوں کو لے کر کمرے سے باہر چلا گیا اور دروازہ باہر سے لاک کر دیا۔

عصام نے اپنا سر صوفے کی پشت پر جھٹک دیا۔ وہ خود کو انتہائی کمزور محسوس کر رہا تھا۔ اسے اس بات کا شدت سے احساس ہو رہا تھا کہ اس کی سب سے بڑی کمزوری اس کی غربت ہے۔

پھر اس کا الجھا ہوا ذہن اس کی ماں کا جملہ دہرانے لگا۔

''میں بہت خوش نصیب ہوں کہ نیک اولاد کی ماں ہوں۔''

اس جملے کے یاد آنے سے عصام کی آنکھیں بھر آئیں لیکن پھر ان بھیگی ہوئی نگاہوں میں ایسے کئی مناظر تازہ ہو گئے جب اس کی ماں اور بہنیں زندگی کی چھوٹی چھوٹی ضرورتوں کے لئے صبر کا دامن تھام کر خاموش ہو گئیں۔

عصام نے دونوں ہاتھوں سے اپنا چہرہ ڈھانپ لیا۔ اس کا پورا چہرہ آنسوؤں سے بھرا ہوا تھا۔ اس کا ذہن ایک وقت میں کئی باتیں سوچ رہا تھا۔ حالات کی ستم ظریفی نے اسے بکھیر کے رکھ دیا تھا۔ ایک طرف وہ اس بات کو بھی

بخوبی جانتا تھا کہ شہباز کے وسائل بہت ہیں۔ وہ اگر پولیس کے چنگل میں پھنس بھی گیا تو وہ بآسانی بری الذمہ ہو جائے گا لیکن اگر وہ خود پولیس کے چنگل میں پھنس گیا تو اسے پھانسی کے پھندے سے بچانے والا کوئی نہ ہوگا اور اس کی ماں اور بہنیں اس دنیا میں تن تنہا رہ جائیں گی۔ دوسری طرف اس ذہن کے کسی گوشے میں یہ سوچ بھی بیدار ہو رہی تھی کہ شہباز کی قید سے رہائی میں اس کی موت ہے اور شہباز کا ساتھ دینے میں اس کے ضمیر کی موت۔ شہباز کا ساتھ دے کر وہ جیتے جی تو مر جائے گا لیکن اپنی بہنوں کے فرائض سے سبکدوش ہو جائے گا اور انہیں آسائشوں سے بھرپور زندگی دے سکے گا لیکن پھر جب اسے یہ خیال آتا کہ وہ کیا تھا اور کیا بننے جا رہا ہے تو اس کی روح کانپ کے رہ جاتی۔ سوچ کے اس اتار چڑھاؤ میں عصام ایسے گم تھا کہ اسے اس بات کا احساس تک نہ ہوا کہ اسے ایک بند کمرے میں چار گھنٹے گزر گئے ہیں۔

سورج غروب ہوئے کافی وقت گزر چکا تھا۔ رات کی سیاہ چادر نے ساری آبادی کو اپنے لبادے میں چھپا لیا تھا۔ شہباز کی یہ کوٹھی جس علاقے میں تھی وہاں پر کوئی کوٹھی یا مکان شاذ ہی نظر آتا تھا۔ جو الگ دو مکان تھے وہ بھی اتنے فاصلے پر تھے کہ انہیں کچھ خبر نہ تھی کہ اس کوٹھی میں کیا ہو رہا ہے۔

شہباز کا ملازم عصام کے لئے کھانا لے کر آیا لیکن عصام نے اس کھانے کا لقمہ تک نہ لیا۔ اس کے لئے اس کے وجود کی اہمیت ختم ہو چکی تھی۔ وہ خود کو شہباز کے ہاتھوں بیچنے کا فیصلہ کر چکا تھا۔ اس کی ہمت ایک تلخ حقیقت کے آگے دم توڑ چکی تھی۔

تقریباً ایک گھنٹے کے بعد شہباز کا ملازم دوبارہ عصام کے پاس آیا۔ اس نے کھانا یونہی پڑے دیکھا تو نہایت عاجزی سے بولا۔

''صاحب آپ کھانا کیوں نہیں کھا رہے۔''

''کھانے کو چھوڑو۔ تم شہباز صاحب سے کہو کہ میں ان سے بات کرنا چاہتا ہوں۔'' عصام نے کہا۔

نوکر نے عصام کی بات سنی اور شہباز کو بلانے چلا گیا۔ تھوڑی دیر بعد شہباز دو آدمیوں کے ساتھ کمرے میں داخل ہوا۔

''کہو پھر! تم نے کیا فیصلہ کیا۔''

''مجھے آپ کا فیصلہ منظور ہے۔'' یہ کہہ کر عصام نے اپنا سر جھکا لیا۔

عصام نے ایک لمبا سانس کھینچا اور دھیمی سی آواز میں بولا۔

''میں آپ کے ساتھ کام کرنے کے لئے تو تیار ہوں مگر میری ایک شرط ہے میرے گھر والوں کو اس بات کا قطعاً علم نہیں ہونا چاہئے کہ میں کیا کام کرتا ہوں۔'' یہ کہتے ہوئے عصام کی آنکھیں بھر آئیں۔

''اس بات کی تم فکر نہ کرو۔ ہمارے کام کے باقاعدہ اصول ہوتے ہیں۔ چند شرائط ہوتی ہیں جن کا ہمارے بندے کو پابند رہنا پڑتا ہے۔ تم ہمارے ساتھ اب شامل ہوئے ہو لیکن تمہارے متعلق سب کچھ پہلے سے پلان ہو چکا ہے۔ سنو عصام۔'' شہباز سگار سلگا کر بولا۔ ''ہماری تنظیمیں ہر شہر میں کام کر رہی ہیں لیکن جس گروہ کے ساتھ تم کام کرو گے وہ کراچی میں رہائش پذیر ہیں۔ ساشا بھی اس گروہ کی ایک ممبر ہے۔ وہ تمہیں ہر طرح کی معلومات فراہم کرے گی۔ باقی باتیں میں تمہیں صبح سمجھاؤں گا۔ فی الحال تم خود کو سنبھالو۔ یہ لڑکیوں کی طرح رونا بند کرو۔ جس ماضی کو تم اپنے ساتھ لے کر نہیں چل سکتے، جس حال کے ساتھ تم زندگی نہیں گزار سکتے، اسے سوچ کر خود کو ہلکان مت کرو۔ اپنے اندر حوصلہ پیدا کر کے ذہنی طور پر خود کو تیار کرو۔''

شہباز اپنے ملازم کی طرف متوجہ ہوا۔ ''یہ کھانا لے جاؤ اور اسے گرم کر کے لاؤ۔''

''اس کی ضرورت نہیں ہے۔ آپ یہ کھانا لے جائیں۔ میں نہیں کھا سکوں گا۔''

''تم نے صبح سے کچھ نہیں کھایا۔'' شہباز کے لہجے میں خاصی نرمی آ گئی۔

عصام نے طنزیہ نظروں سے شہباز کی طرف دیکھا اور دل ہی دل میں بڑبڑایا۔

''لاشوں کا کاروبار کرنے والے بھیڑیئے! تجھے کسی کا کیا احساس۔'' پھر اس نے سر جھکا کے سرد مہری سے کہا۔ ''میں نے کہا ناں کہ مجھے بھوک نہیں ہے۔''

شہباز اپنے ساتھیوں سمیت خاموشی سے وہاں سے چلا گیا۔

رات نو بجے تک عصام کے گھر والے یہی سمجھتے رہے کہ وہ ابھی تک اپنی ڈیوٹی پر ہو گا لیکن جب گیارہ بج گئے تو گھر والوں کا پریشانی سے برا حال ہو گیا۔ بارہ بجے رفیقہ نے ماہ لقاء کے گھر سے شہباز کے گھر فون کیا۔ فون رسیو کرنے والے نے بتایا یہاں سے تو عصام نو بجے ہی نکل گیا تھا۔ یہ سن کر رفیقہ مزید پریشان ہو گئی۔ ماہ لقاء اور

اس کی والدہ پروین بھی رفیقہ کے ساتھ بہت پریشان تھیں۔ جوں جوں وقت گزر رہا تھا عجیب عجیب وسوسے رفیقہ کا سینہ چیر رہے تھے۔ عصام کی بہنیں بھی پریشانی میں گم سم بیٹھی تھیں۔ وقت گزرتے لمحوں کے ساتھ گھڑی کی سوئیوں کو گھما رہا تھا اور رفیقہ کے دل کی دھڑکنیں ڈوبتی جا رہی تھیں۔ وہ عصام کے جن دوستوں کو جانتی تھی کسی نہ کسی طریقے سے ان سے رابطہ کیا لیکن ہر طرف سے اسے مایوسی کا سامنا کرنا پڑا۔ اس پریشانی میں رات کے دو بج گئے۔ آخر کار رفیقہ نڈھال ہو کر رونے لگی۔

ادھر عصام کو بھی یہ احساس سخت بے چین کئے ہوئے تھا کہ اس کے گھر والے کس اذیت سے گزر رہے ہوں گے۔ گھبراہٹ اور پریشانی میں وہ شہباز سے بات کرنا ہی بھول گیا تھا کہ اس کے گھر والوں کو اس کی خیریت کی اطلاع دے دیں۔ رات کے ڈھائی بج رہے تھے۔ اس وقت کوٹھی کے سب لوگ گہری نیند سو چکے تھے۔ اسے کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کرے۔ دروازہ باہر سے لاک تھا۔ اس کے پورے وجود میں غصے کی ایک لہر دوڑ گئی۔ اس نے دانت پیستے ہوئے دروازے پر ایک مکا مارا اور پھر صوفے پر ڈھیر ہو گیا۔

اس نے رات انگاروں پر کاٹی۔ صبح ہوئی تو اس نے بے چینی سے دروازہ پیٹنا شروع کر دیا۔ دروازے کے قریب قدموں کی آواز سنائی دی تو اس کے دل کو کچھ ڈھارس ملی۔ یہ آواز ہیل شوز کی تھی۔ کچھ دیر بعد باہر سے یہ آواز دروازے کے قریب آ کر ختم ہو گئی اور پھر کمرے کا لاک کھل گیا۔ عصام کے ہاتھ دروازے کے ہینڈل پر ہی جم گئے۔ اس نے ہینڈل کو ایک جھٹکا دیا تو دروازہ کھل گیا ساشا اس کے ساتھ کھڑی تھی۔

''کیا بات ہے، خیریت ہے!'' ساشا نے عصام کے چہرے کو دیکھتے ہوئے پوچھا اور پھر وہ کمرے میں داخل ہو گئی۔

''ایک تو مجھے شہباز صاحب کی سمجھ نہیں آتی۔ جب میں ان سے ایگریمنٹ کر چکا ہوں کہ میں ان کے ساتھ ہوں تو پھر انہوں نے دروازہ لاک کیوں کیا۔ مجھے ایک ضروری فون کرنا تھا۔'' عصام نے طیش میں آتے ہوئے کہا۔

ساشا نے خاموشی سے عصام کی بات سنی اور پھر دھیمے لہجے میں کہنے لگی۔

''میری ساتھ آؤ۔ میں تمہیں شہباز صاحب کے کمرے میں لے جاتی ہوں۔ تم خود ان سے بات کر لو۔'' یہ

کہہ کر ساشا وہاں سے چل دی اور اعصام اس کے پیچھے پیچھے چل دیا۔

عصام کا خیال تھا کہ شہباز ابھی سو رہا ہوگا لیکن جب ساشا اور عصام شہباز کے کمرے میں پہنچے تو وہ باہر جانے کے لئے تیار تھا۔ ساشا اور عصام کو دیکھ کر وہ بولا۔

''آؤ عصام! مجھے تمہارا ہی انتظار تھا۔''

عصام آگے بڑھنے لگا تو ساشا نے سرگوشی کے انداز میں کہا۔

''شہباز صاحب سے تلخ لہجے میں بات مت کرنا۔'' یہ کہہ کر وہ باہر نکل گئی۔

''شہباز صاحب! جب میں آپ سے ایگریمنٹ کر چکا ہوں کہ میں آپ کے ساتھ ہوں تو پھر آپ نے مجھے رات بھر کیوں بند رکھا۔ میں نے اپنے گھر والوں کو اپنی خیریت کی اطلاع دینی تھی۔ ان کا پریشانی میں نہ جانے کیا حال ہوگا۔ آپ کے اندر کچھ تو جذبات ہوں گے۔ رات میں نے کس عذاب میں کاٹی ہے۔ آپ کو اس کا اندازہ نہیں ہے۔'' ساشا کے منع کرنے کے باوجود عصام تلخ ہو گیا تھا۔

عصام کو اس طرح شکستہ حال دیکھ کر شہباز ٹس سے مس نہ ہوا۔ وہ انتہائی تحمل سے بولا۔

''میں اس طرح کی چھوٹی موٹی باتوں پر اپنا ذہن خرچ نہیں کرتا۔ فون نہیں کر سکے تو کیا ہوا خود جا کر اپنے گھر والوں کو مطمئن کر آؤ۔'' شہباز کی یہ بات سن کے اطمینان کی ایک لہر عصام کے جسم میں دوڑ گئی۔

''لیکن اس سے پہلے مجھے تم سے چند ضروری باتیں کہنی ہیں۔ ہم تمہیں دو ماہ کی ٹریننگ کے لئے بیرون ملک بھیجیں گے۔ پھر واپس آنے پر تم ہمارے کام میں شامل ہو جاؤ گے لیکن اب تم اپنے گھر والوں کو یہی بتاؤ گے کہ تم کام کے سلسلے میں بیرون ملک جا رہے ہو۔ بیرون ملک سے واپس آنے کے بعد بھی تمہارے گھر والوں کے علم میں یہی ہونا چاہئے کہ تم بیرون ملک ہو۔ انہیں ہر ماہ جو رقم دی جائے گی وہ بھی انہیں اسی حوالے سے دی جائے گی کہ یہ پیسہ تم باہر سے بھیج رہے ہو۔ تمہارا ان سے ہر رابطہ اسی حوالے سے ہوگا۔ آج پیر ہے۔ ہفتہ کی تمہاری فلائٹ ہے۔ آج اپنے گھر والوں سے مل آؤ، انہیں مطمئن کر آؤ۔ پھر جمعہ کو مل آنا۔'' شہباز نے بڑی آسانی سے عصام کی ساری زندگی کو چند لفظوں میں محصور کر دیا اور عصام جہاں کھڑا تھا وہیں منجمد ہو گیا۔ اسے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے کسی نے اس کے گرد نہ دکھائی دینے والی سلاخیں کھڑی کر دی ہیں۔ اسے اس بات کا

احساس اب ہو رہا تھا کہ وہ واقعی کسی کے ہاتھوں بک چکا ہے۔ آج اس کا وہ سارا مان ٹوٹ کر ریزہ ریزہ ہو چکا تھا جو اسے اس کی تعلیم نے دیا تھا۔ ان سارے خوابوں نے ایک بھیانک تعبیر کا روپ دھار لیا جو اس کی ماں نے اتنے سالوں اپنی آنکھوں میں بسا رکھے تھے۔

عصام نے شہباز کی کسی بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔ اس کی ذات کا آئینہ اس کی آنکھوں کے سامنے اس طرح دھندلا گیا تھا کہ اس کی زبان گنگ ہو کر رہ گئی۔

اس نے خفیف سے انداز میں اثبات میں سر ہلایا۔

''ٹھیک ہے۔'' اور پھر ڈھیلے ڈھیلے قدموں سے وہاں سے چل دیا۔ اس کمرے میں جا کے بیٹھ گیا جہاں اسے رکھا ہوا تھا۔ اس نے سر کو صوفے کی پشت پر رکھتے ہوئے اپنی آنکھیں بند کر لیں۔ اس کی آنکھیں بھیگی ہوئی تھیں۔ اس کا جی چاہ رہا تھا کہ وہ قدرت کے اس فیصلے پر آج جی بھر کے رو لے۔ اسے خاموش کروانے والا کوئی نہ ہو۔ اس کا دل کہہ رہا تھا کہ وہ آج اس عصام کی موت کا ماتم کر لے جسے اپنے کردار پر بہت مان تھا۔ جس راستے پر اسے شہباز چلنے کے لئے کہہ رہا تھا اس راستے کے علاوہ اس کے پاس اور کوئی راستہ نہیں تھا۔ اس لئے وہ اپنے دل و دماغ کو اس تلخ حقیقت کے لئے تیار کر رہا تھا۔ اسی دوران ساشا کمرے میں داخل ہوئی۔ عصام کی آنکھیں بند تھیں اور آنسو بہہ کر اس کا چہرہ بھگو رہے تھے۔ ساشا نے ہاتھ میں ٹرے تھامی ہوئی تھی جس میں عصام کے لئے ناشتے کا سامان تھا۔ اس نے ٹرے ٹرالی میں رکھتے ہوئے ٹرالی عصام کی طرف سرکائی تو اس کی آواز سے عصام نے آنکھیں کھولیں۔ اس کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔ ساشا نے اس کی یہ کیفیت دیکھی تو وہ اس کے قریب بیٹھ گئی۔

''تو تم نے بھی ہار مان لی۔'' ساشا نے ہمدردانہ نگاہوں سے عصام کی طرف دیکھا۔

''مجھ پر اپنے اور اپنی فیملی کے تحفظ کے تمام راستے بند ہو گئے ہیں۔ بس ایک ہی راستہ بچا ہے۔'' عصام نے بیٹھی بیٹھی آواز میں کہا۔

''ہمارے معاشرے کی سب سے بڑی یہی تو خصوصیت ہے کہ یہاں مجبوریاں بھی بہت ہیں اور مجبوریوں کے خریدار بھی بہت ہیں۔'' ساشا نے اپنی خمار بھنوؤں کو جنبش دیتے ہوئے تیکھے لہجے میں کہا۔

عصام نے ساشا کے چہرے پر گہری نظریں ڈالی۔

''عورت تو ایثار اور محبت کا دوسرا نام ہے۔تم کیسی عورت ہو جو درندوں کے ساتھ کام کر رہی ہو۔''

''تم ایسا کرو۔ ناشتہ کر کے اپنے گھر والوں سے ملنے چلے جاؤ۔'' ساشا نے عصام کے سوال کو نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔ وہ شاید اس کے سوال کا جواب دینا نہیں چاہتی تھی۔

عصام سے بات کرنے کے فوراً بعد ہی وہ کمرے سے چلی گئی۔

عصام نے چائے کا ایک کپ لیا اور پھر شہباز کے پاس گیا۔اس سے گھر جانے کی اجازت لی۔

''میرا آدمی تمہیں تمہارے گھر چھوڑ آئے گا۔کل صبح نو بجے وہی آدمی تمہیں پک بھی کر لے گا۔''

شہباز کی بات سن کے عصام دروازے سے باہر نکلنے لگا تو شہباز نے اسے پیچھے سے آواز دی۔عصام نے پلٹ کر شہباز کی طرف دیکھا۔

''ذرا احتیاط سے۔'' شہباز اس چھوٹی سی بات میں بہت کچھ کہہ گیا۔

عصام نے طنزیہ نظروں سے شہباز کی طرف دیکھا۔

''میں جانتا ہوں کہ آپ کوئی معمولی شکاری نہیں ہیں۔'' یہ کہہ کر عصام کمرے سے باہر نکل گیا۔

شہباز کا آدمی عصام کو اس کے گھر چھوڑ آیا۔

☆.....☆.....☆

عصام اپنے گھر داخل ہوا تو اس کی ماں پاگلوں کی طرح اس سے لپٹ گئی۔اس کی بہنیں خوشی سے اس کی طرف بڑھیں۔

''بھائی تم کہاں چلے گئے تھے۔شکر ہے تم خیریت سے گھر آ گئے۔وہ سب اندر کمرے میں بیٹھ گئے۔سردی بہت شدید تھی۔سبین نے جلدی سے عصام کو کمبل دے دیا۔

''عصام تجھے کیا پتہ کہ میرا کیا حال تھا۔کیسے کیسے وہم میرا سینہ چیر رہے تھے۔تو نے ہم سے کوئی رابطہ کیوں نہیں کیا۔'' پریشانی کی شدت سے رفیقہ کی آواز ابھی تک کانپ رہی تھی۔

''امی بھائی سے پوچھ تو لو کیا معلوم یہ کس پریشانی میں تھے۔'' سبین نے رفیقہ سے کہا۔

''سبین! امی کو نہ روکو۔ کس کیفیت میں امی رہی ہوں گی۔ وہ تو انداز بیان میں آ ہی نہیں سکتی۔ میری غلطی ہے کہ میں تم لوگوں سے رابطہ نہیں کر سکا۔ ایک ایمرجنسی ہوگئی تھی۔ میں اپنے دوست کی طرف تھا۔ وہ اس کا بہنوئی اور میں ہم اکٹھے بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک دم اس کے بہنوئی کو دل کا اٹیک ہوگیا۔ ہم دونوں فوراً اسے ہسپتال لے گئے۔ بس وہ اس کے چکر میں ایسا پڑا کہ مجھے ہوش نہیں رہا کہ آپ کو فون کرلوں۔ امی آپ مجھے معاف کردیں۔'' عصام نے رفیقہ کی گود میں سر رکھ لیا۔

رفیقہ انتہائی ملائمت سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرنے لگی۔

''بس تو خیریت سے گھر آ گیا ہے یہ میرے رب کا بہت بڑا کرم ہے۔ اس کا سناؤ۔ وہ تمہارے دوست کا بہنوئی، اب وہ ٹھیک ہے۔''

''ہاں اب وہ ٹھیک ہے۔ تم سب اپنی سناؤ۔ ٹھیک ٹھاک ہو۔''

''ہم تو ٹھیک ہیں بھائی! لیکن اب آئندہ نہ ایسا کرنا۔ ہم سب بہت پریشان ہوگئے تھے۔ باجی ماہ لقاء اور آنٹی پروین نے نہ جانے کہاں کہاں فون کر کے آپ کا پتہ کیا۔'' عائشہ نے عصام کا ہاتھ تھامتے ہوئے کہا۔

'' اوہو! تم نے خواہ مخواہ ان لوگوں کو پریشان کیا۔ نہ جانے وہ بھی کیا سمجھتے ہوں گے۔ بہرحال انہیں بتا دینا کہ میں خیریت سے اپنے گھر پہنچ گیا ہوں۔'' عصام نے عائشہ سے کہا تو اسی دوران پروین ان کے گھر میں داخل ہوئی۔ عصام کو دیکھا تو اس نے اطمینان کا سانس لیا۔

''شکر ہے بیٹا! تم اپنے گھر کو پہنچ گئے۔ خدا تمہیں اپنے امان میں رکھے۔'' یہ کہہ کر پروین عصام کے قریب آ کر بیٹھ گئی اور اس کے سر پر پھیرتے ہوئے کہنے لگی۔ ''بیٹا تو ٹھیک تو ہو نا۔''

''جی آنٹی میں بالکل ٹھیک ہوں۔ وہ تو میں ایک دوست کے مسئلے میں الجھ گیا تھا۔ کچھ ایسی پریشانی بن گئی تھی کہ میں فون ہی نہیں کر سکا۔ میں بہت شرمندہ ہوں کہ آپ سب لوگوں کو میری طرف سے اس قدر پریشانی کا سامنا کرنا پڑا۔'' عصام نے ندامت بھرے انداز میں کہا۔

''بیٹا کیسی بات کرتے ہو، اولاد تو والدین کی سب سے بڑی دولت ہوتی ہے۔ وہ تو معمولی سی تاخیر سے بھی پریشان ہو جاتے ہیں۔ بس تم آئندہ اس قسم کی لاپرواہی نہ کرنا۔'' پروین نے اسے سمجھایا۔

وہ سب کافی دیر تک آپس میں باتیں کرتے رہے۔عصام اپنے گھر والوں کو اپنی پریشانی کا ذرا سا بھی تاثر نہیں دینا چاہتا تھا لیکن انتہائی کوشش کے باوجود بعض جگہ اس کا چہرہ اس کا ساتھ نہیں دیتا تھا۔پروین جانے لگی تو عصام کو خیال آیا کہ وہ اسے چھوڑ آئے لیکن پھر کسی سوچ نے اسے ساتھ جانے سے منع کر دیا۔

عصام نے سارا دن اپنی ماں اور بہنوں کے ساتھ گزارا۔بہنوں کی پیار بھری مسکراہٹوں اور ماں کے خلوص میں وہ اپنے سارے غم بھول کے مسکراتا رہا۔رات ہوئی تو سارے بہن بھائی کھانے سے فارغ ہو کے ایک جگہ اکٹھے ہو کر بیٹھ گئے۔اس وقت عصام انتہائی سنجیدہ ہو گیا۔

''امی آپ جلدی فارغ ہو کر آجائیں۔''عصام نے اپنی والدہ کو بھی بلایا۔

کچھ دیر کے بعد رفیقہ عصام کے قریب آکر بیٹھ گئی۔

''کیا بات ہے بھئی! تم لوگ کوئی خاص بات کر رہے ہو۔''رفیقہ نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

عصام کی ماں اور بہنیں مسکرا رہی تھیں لیکن ان لمحوں میں عصام کا ہر وہ زخم رس رہا تھا جسے وہ اپنوں کی قربت میں مسلسل فراموش کر رہا تھا۔وہ رفیقہ سے کوئی بات کرنا چاہتا تھا جس سے ساری صورتحال اس کی نگاہوں میں ایک بار پھر تازہ ہو گئی تھی۔

''و.....و.....وہ میں نے آپ سے ایک بات کرنی ہے۔''عصام بمشکل بولا۔وہ اپنی ماں کو اپنے بیرون ملک جانے کے پروگرام کے متعلق بتانا چاہتا تھا لیکن اس میں حوصلہ پیدا نہیں ہو رہا تھا کہ وہ اپنی ماں سے بات کرے۔جن تلخ حقیقتوں کے ادراک نے اسے مضبوط بننے پر مجبور کیا تھا اب انہیں حتمی شکل دیتے ہوئے وہ خود کو شکستہ محسوس کر رہا تھا۔وہ جانتا تھا کہ جو فیصلہ وہ اپنی ماں کو سنانے والا ہے اس کے بعد وہ جرم کی گھناؤنی دنیا میں قدم رکھ لے گا۔اس کی زندگی کسی کی تابع ہو جائے گی۔وہ اپنے ملک میں ہو کر بھی پردیس کی زندگی گزارے گا۔سال بھر اپنے گھر والوں سے مل نہیں سکے گا۔ابھی اس نے اپنی والدہ سے بات شروع نہیں کی تھی کہ اس کی آنکھوں میں نمی تیرنے لگی۔رفیقہ نے اس کی آنکھوں میں نمی دیکھی تو اس کا دل جیسے اکٹھا ہو گیا۔

''ایسی کیا بات ہے عصام جو تمہاری آنکھیں بھر آئی ہیں۔''عصام تھوڑی دیر سر جھکائے کچھ سوچتا رہا اور پھر اس نے خود میں بات کرنے کی ہمت پیدا کی۔

''امی جان! میں نے یہاں ملازمت ڈھونڈنے کی ہر طرح کوشش کی ہے لیکن مجھے کہیں بھی کوئی امید نظر نہیں آئی۔ میں نے آپ سے اجازت لئے بغیر بہت بڑا فیصلہ کرلیا ہے۔''

''کیسا فیصلہ۔'' رفیقہ چونک سی گئی۔

''میرا ایک دوست کویت میں سیٹل ہے۔ آج کل وہ پاکستان آیا ہوا ہے۔ جس آفس میں وہ کام کرتا ہے میرے لئے بھی اس نے وہیں ملازمت ڈھونڈلی ہے۔ وہ آفس کی طرف سے ہی اس ملازمت کا ویزہ لے کر آیا ہوا ہے۔ میں نے آپ سے پوچھے بغیر اپنا پاسپورٹ بنوالیا ہے۔ اس ہفتے میری فلائٹ ہے۔''

رفیقہ عصام کے چہرے کی طرف دیکھتی ہی رہ گئی۔ وہ جہاں بیٹھی تھی وہیں سن ہوگئی۔ عصام کی بہنیں بھی مبہوت ہوکر رہ گئیں۔ رفیقہ کی آنکھیں بھیگ گئیں۔

''تم نے مجھ سے پوچھے بغیر بہت بڑا فیصلہ کرلیا عصام۔ پل بھر کے لئے بھی نہ سوچا کہ تمہاری بوڑھی ماں پہ کیا گزرے گی۔''

''امی پلیز آپ مجھے غلط مت سمجھیں۔ اس لڑکے کو واپس جانا تھا۔ مجھے جلد از جلد اسے اپنا فیصلہ سنانا تھا ورنہ وہ کسی اور لڑکے کو لے جاتا۔ مجھے معلوم تھا کہ آپ نہیں مانیں گی اس لئے میں نے سارا بندوبست کرکے آپ کو بتایا ہے۔ میں نے یہ فیصلہ اپنی بہنوں کے لئے کیا ہے۔ یہاں میں بغیر نوکری کے ان کے لئے کیا کرسکتا ہوں۔ آپ غصہ بھول کے تھوڑی دیر کے لئے ٹھنڈے دماغ سے سوچیں کہ اگر کچھ عرصہ مزید مجھے ملازمت نہ ملتی تو اس گھر کیا کیا ہوتا۔ اب مجھے چانس ملا ہے تو میں اسے مس نہیں کرنا چاہتا۔'' عصام نے من گھڑت کہانی سنائی۔ نہ ہی وہ کویت جارہا تھا اور نہ ہی اسے کوئی ملازمت مل رہی تھی۔

رفیقہ کا دل جیسے کسی نے اپنی مٹھی میں لے لیا تھا۔ وہ ٹھٹھک کے رہ گئی۔ عصام کو اپنی نظروں سے دور کرنا اس کے لئے بہت مشکل تھا۔ اس نے عصام کے چہرے کو ہاتھ سے چھو کے پیار کیا۔

''اب میں تم سے کیا ناراض ہوں۔ تم نے تو مجھے اتنی مہلت بھی نہ دی کہ میں تم سے خفا ہوسکوں۔ اب اتنا بڑا فیصلہ کرہی چکے ہو تو تمہیں اپنی دعاؤں کے سائے تلے رخصت کروں گی۔''

رفیقہ کی بات سن کے وہ اس سے لپٹ گیا۔ وہ جذبوں کی رو میں بہہ کر نہ جانے کہاں پہنچ گیا۔ ماں کے

شانے سے لگ کر وہ اپنی ہر بد قسمتی پر سسک رہا تھا۔

رفیقہ انتہائی ملائمت سے اس کے بالوں میں ہاتھ پھیر رہی تھی۔ سبین کچھ کہنے لگی تو رفیقہ نے اسے آنکھوں ہی آنکھوں میں اشارہ کر دیا کہ کوئی ایسی بات نہ کہنا جس سے عصام پریشان ہو۔ آہستہ آہستہ عصام کے سارے گھر والوں نے اس تلخ حقیقت کے لئے خود کو ذہنی طور پر تیار کر لیا۔

اگلے روز صبح نو بجے شہباز کا آدمی عصام کو لینے کے لئے اس کے گھر پہنچ گیا۔ عصام اپنے گھر والوں کو اس بات کے لئے کنونس کر چکا تھا کہ ہفتہ تک اپنے دوست کے گھر ہی رہے گا۔ اس دوست کے گھر جو اسے باہر لے جا رہا ہے۔ عصام اپنے گھر والوں سے مل کر اس آدمی کے ساتھ چلا گیا۔

عصام شہباز کی اس کوٹھی میں پہنچ گیا جہاں سے وہ گیا تھا۔ اب عصام کے لب ولہجہ میں کچھ تبدیلی رونما ہوئی تھی۔ اس نے زندگی کے ایک نئے رخ کو اپنانے کے لئے اپنی سہمی ہوئی شخصیت کو ختم کر لیا تھا۔

شہباز کی کوٹھی میں مختلف قسم کے پورشن تھے۔ عمارت ادارہ نما تھی۔ ڈیکوریٹڈ کمروں سے نکلنے کے بعد اس کوٹھی کی عمارت کسی کالج یا یونیورسٹی سے مشابہہ تھی۔ عصام چہل قدمی کرتا ہوا کافی دور تک نکل گیا۔

ایک خوبصورت لان کے قریب چار کمروں پر مشتمل ایک پورشن بالکل الگ تھلگ تھا۔ عصام تھوڑا ہچکچاتے ہوئے اس پورشن میں داخل ہو گیا۔ اس کے کمرے بہت کھلے کھلے تھے۔ ان کمروں میں اس قسم کے آلات اور فرنیچر پڑا تھا کہ یہ دیکھنے میں بالکل لیبارٹریز معلوم ہوتی تھی۔ ان کمروں میں بے شمار الماریاں تھیں جن میں نہ جانے کیا کچھ چھپا ہوا تھا۔ عصام ابھی ان چیزوں پہ غور کر رہا تھا جیسے کوئی لوہے پر خفیف سی ضرب لگا رہا ہو۔ وہ اس آواز کا تعاقب کرتا ہوا ساتھ والے کمرے کی طرف بڑھا۔ یہ آواز اسی کمرے سے آ رہی تھی۔ عصام اس کمرے میں داخل ہو گیا۔ ایک بار تو عصام مبہوت ہو کے رہ گیا۔ ساشا کے ہاتھوں میں مشین گن تھی اور وہ اس ہتھیار کو ایک لمبے سے میز پر رکھے اس کے لوزنگ پارٹ کو الگ کر کے اس کی صفائی کر رہی تھی۔ وہ اس کے میز پر پڑے پارٹس کو ان کی جگہوں پر ایڈجسٹ کر رہی تھی۔ یہ کام وہ انتہائی مہارت سے کر رہی تھی۔

ساشا نے سر اوپر اٹھایا تو عصام کو اپنے قریب پایا۔ اس نے مسکراتے ہوئے عصام کی طرف دیکھا۔

''تم یہاں کیا کر رہے ہو۔؟''

''آپ کو مسکرانا بھی آتا ہے۔'' عصام نے ساشا کی طرف طنزیہ نگاہوں سے دیکھا۔

''کیوں میں انسان نہیں ہوں۔'' ساشا کے چہرے پر ایک بار پھر سنجیدگی چھا گئی۔

''انسان کو تو خدا نے اشرف المخلوقات کہا ہے۔ ہم لوگ تو انسانیت کے نام پر ایک داغ ہیں۔''

''تم ٹھیک کہتے ہو، ہم واقعی انسان کہلانے کے قابل نہیں لیکن عصام! کچھ لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جو اپنے ہاتھوں سے اپنے اندر کے انسان کو دفن کر دیتے ہیں اور ان کا اپنا ہی وجود ان کے لئے قابل نفرت بن جاتا ہے۔'' ساشا کے لہجے میں ایسی گہرائی اور سوز تھا کہ عصام اس سے پوچھنے پر مجبور ہو گیا۔

''کیا تم بھی.....'' عصام نے ساشا کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

ساشا نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔

''ہاں میں بھی ان کے شکنجے میں پھنسا ایک شکار ہوں لیکن اب اس قدر آگے نکل چکی ہوں کہ اس قابل نہیں رہی کہ کوئی مجھ سے ہمدردی کرے۔''

ساشا عصام سے بات کر رہی تھی کہ ایک خوبرو نوجوان ان دونوں کی طرف بڑھا۔

''کیا ہو رہا ہے ساشا!''

''یہ ویپنز مجھے کچھ ٹائٹ لگ رہا تھا۔ میں نے سوچا کہ اس کی صفائی کر دوں۔'' یہ کہہ کر ساشا نے عصام کی طرف اشارہ کیا۔ ''یہ عصام ہیں جن کا میں نے تم سے ذکر کیا تھا۔''

''اچھا تو یہ ہیں عصام۔'' اس نے عصام کو اپنی تیز نگاہوں سے سر سے پاؤں تک دیکھا۔

''عصام! یہ کینفر ہے۔ ہر طرح کی اکاؤنٹنگ اور دور کے معاملات میں باہمی رابطے کے لئے اس کا کردار نمایاں ہے۔ تم اپنے گھر والوں سے بھی اس کے تھرو رابطہ کر سکو گے۔'' ساشا نے کینفر کا تفصیلی تعارف کرایا۔

کینفر نے ایک ہی نظر میں عصام کا چہرہ پڑھ لیا۔

''اب ہمارے گروہ میں آ گئے ہو نا..... تو ہر طرح کی ٹینشن کو اپنے ذہن سے نکال دو۔ یہ دنیا ہے۔ یہاں جنگل کا قانون چلتا ہے۔ بڑا جانور چھوٹے جانور کا شکار کر لیتا ہے۔ شکار بننے کے بجائے اپنا شمار شکاریوں میں کر لو اور ٹھاٹھ سے مزے کرو۔'' کینفر کی گفتگو میں انتہائی سفاکی اور بے اعتنائی تھی۔ پھر کینفر ساشا کی طرف متوجہ

ہوا۔ساشا! شہباز صاحب نے کہا ہے کہ کام کے متعلق عصام کو تمام انسٹرکشن تم نے دینی ہیں۔فی الحال تمہارا کام یہ ہے کہ تم بیرون ملک عصام کے ساتھ جاؤ گی۔اس کی تربیت میں اس کی مدد کرو گی۔''

''ٹھیک ہے! ساشا نے اثبات میں سر ہلایا۔کچھ دیر کے بعد کینفر وہاں سے چلا گیا۔

''اس میں تو ضمیر نام کی کوئی چیز ہی نہیں ہے۔'' عصام نے متاسفانہ انداز میں کہا۔

''یہاں تمہیں ایسے ہی لوگ ملیں گے جن کے پاس ضمیر نام کی کوئی چیز نہیں ہوگی۔کینفر بہت خطرناک چیز ہے۔اس پر کبھی بھی اعتبار نہ کرنا۔زندگی کے کسی بھی موڑ پر اس کے جھانسے میں نہ آنا۔اس کی رگ رگ میں بارود بھرا ہے۔ایم بی اے کرنے کے بعد بھی تعلیم اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکی۔''

''اس کی بات چھوڑو۔وہ تو مجھے اسے دیکھ کر ہی اندازہ ہو گیا تھا۔میں تو تمہارے بارے میں جاننا چاہتا ہوں۔'' عصام نے کہا۔

''میرے بارے میں جان کر کیا کرو گے۔پہلے خود کو تو سمیٹ لو۔تم زندگی کے ایک نئے رخ کو اپنا رہے ہو۔ایک بہت بڑے امتحان سے گزر رہے ہو۔تمہارے دکھ کر سمجھ سکتی ہوں۔بس عصام! اگر حالات کے آگے ہتھیار پھینک ہی چکے ہو تو خود کو بکھرنے مت دو۔اس لائن میں آنے کے بعد ہمارا وجود لوگوں کے لئے ناقابل نفرت بن جاتا ہے۔تمہاری ٹریننگ کا پہلا سبق ہی یہی ہوگا کہ تم اپنا دل پتھر کر لو۔تم لوگوں کو اپنے ہاتھوں سے موت دو گے۔اپنی آنکھوں سے ان کے وجود کو جھلستا دیکھو گے۔'' ابھی ساشا نے اپنی بات پوری نہیں کی تھی کہ عصام نے اپنے دائیں ہاتھ کو اکڑاتے ہوئے کہا۔

''بس کرو ساشا! میرے زخموں کو نہ کریدو۔میں نے خود کو حالات کے سپرد کر دیا ہے۔میری ذات پاش پاش ہو کے اب کوئی بھی صورت اختیار کر لے۔میں نے اپنی موت تسلیم کر لی ہے۔''

ساشا انتہائی سنجیدگی سے عصام کی ساری بات سنتی رہی۔اس کی آنکھوں میں عصام کے لئے ایک عجیب سا اپنا پن تھا۔اس نے گہری نظر سے عصام کی طرف دیکھا۔

''اپنے دل کا بوجھ مجھ سے شیئر کر لیا کرو۔مجھے اپنی دوستی کے قابل سمجھتے ہو۔'' عصام نے اپنائیت سے بھرپور نگاہوں سے ساشا کی طرف دیکھا۔

''تم نے حالانکہ مجھے اپنے بارے میں کچھ نہیں بتایا لیکن پھر بھی تم سے ملکر مجھے اتنا اندازہ ہو گیا تھا کہ تم ان جیسی نہیں ہو۔'' یہ کہہ کر عصام نے ساشا کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھا دیا۔ ساشا نے تبسم انداز سے عصام کی طرف دیکھا اور اس سے ہاتھ ملا کے کہنے لگی۔

''انشاء اللہ دوستی کی ہر آزمائش پر پوری اتروں گی۔''

☆.....☆.....☆

چند روز بعد ہی عصام کی بیرون ملک روانگی کا وقت آ گیا۔ شہباز نے تمام انتظامات کر لئے۔ جمعہ کا دن تھا۔ آج عصام نے اپنے گھر والوں سے ملنے جانا تھا۔ اس روز اس کا دل بہت پریشان تھا۔ اس کے اندر کی بے چینی نے اسے ایک کمرے میں بند کر کے رکھ دیا تھا۔ اس کا ذہن وہ تمام خوبصورت لمحے دہرا رہا تھا جو اس نے اپنوں کے ساتھ گزارے۔ ان لمحوں کی زنجیریں اسے جکڑے جا رہی تھی۔

خیالوں کی دھندلکوں میں اپنوں کے چہروں کے ساتھ ساتھ اسے ایک اور چہرہ دکھائی دینے لگا۔ یہ چہرہ ماہ لقاء کا تھا جو عصام کے جذبوں سے لاعلم تھی۔ اس کی معصومیت اور بھولے پن نے عصام کے اندر کیسی توڑ پھوڑ کی۔ عصام کس طرح ایک یکطرفہ جذبے کو دل میں پالتا رہا۔ اسے کچھ خبر نہیں تھی۔ ماہ لقاء کے تصور نے عصام کے غمگین چہرے پر ایک عجیب سی مسکراہٹ بکھیر دی لیکن اس مسکراہٹ میں دکھ کا ایسا تاثر تھا کہ اس کی نگاہوں میں نمی چمک رہی تھی۔

عصام نے اپنے سر کو جھٹکتے ہوئے خود کلامی کی۔ ''کوئی خوشی میرے لئے بنی ہی نہیں۔ اب تو مجھے ہر قدم پر ایک نئے غم کا سامنا کرنا ہے۔'' یہ کہہ کر عصام نے آہ کا ایک لمبا سانس کھینچا اور صوفے سے اٹھ گیا۔

وہ شہباز کے پاس گیا اور اسے کہا کہ وہ اس کے گھر لے جانے کا بندوبست کر دے۔ شہباز نے اپنے آدمی سے کہہ دیا۔ شہباز کا آدمی اسے گھر تک چھوڑ آیا۔

دوپہر کا وقت تھا آسمان پر بادل تہہ در تہہ چھائے ہوئے تھے۔ سردی کی خوشگوار دھوپ ہوا کے ٹھٹھرتے جھونکوں میں بدل گئی تھی۔ سورج گھنے بادلوں میں کہیں چھپ گیا تھا۔ دوپہر کا یہ چلچلاتا وقت شام کے منظر میں بدل گیا تھا۔

عصام اپنے گھر داخل ہوا تو اسے عجیب سے سکون کا احساس ہوا۔ ماں کی شفقت اور بہنوں کے خلوص میں وہ شام تک خوشیوں کے لمحے سمیٹتا رہا۔ اسے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے یہ خوشیاں اس کی زندگی کی آخری خوشیاں ہیں۔ اس بار وہ اپنے گھر رات نہیں رہ سکتا تھا۔ جوں جوں اس کے جانے کا وقت قریب آ رہا تھا اس کا دل ڈوبتا جا رہا تھا۔ اس کی کیفیت بہت عجیب تھی۔ جس کا احساس اس کے گھر والوں میں سے کسی کو بھی نہیں تھا۔ اس کے قدم زمین سے اکھڑ رہے تھے۔ وہ بے بسی کے الاؤ میں سلگ رہا تھا۔ اپنوں کا یہ مروت بھرا ساتھ چھوڑنے کی اذیت اس کے لئے ناقابل برداشت تھی۔ وہ اندر ہی اندر گھلتا جا رہا تھا۔

رات کے سات بجے تو عصام نے رفیقہ کو اپنے پروگرام سے آگاہ کیا کہ وہ یہاں رات نہیں رہ سکتا۔ عصام کی اس بات سے رفیقہ مزید رنجیدہ ہو گئی۔ اس نے خود کو بمشکل سنبھال رکھا تھا تاکہ عصام کا حوصلہ نہ ٹوٹے۔ وہ اور اس کی بیٹیاں عصام کو باحوصلہ ہو کے بھیج رہی تھیں۔ لیکن جھوٹ کے لبادے میں جو حقائق چھپے تھے وہ عصام کو اندر ہی اندر توڑے جا رہے تھے۔

رفیقہ نے عصام کے لئے مزے مزے کی ڈشز تیار کی تھیں۔ اس نے کھانا لگا دیا تو سب گھر والے ملکر کھانا کھانے لگے۔

عصام نے کھانے کا لقمہ لیا تو اسے ایک دم خیال آ گیا کہ نہ جانے کب وہ اس طرح اپنے گھر والوں کے ساتھ دوبارہ کھانا کھائے پتہ نہیں اپنوں کے بیچ اس طرح بیٹھنا دوبارہ نصیب ہو یا نہ ہو۔ اس خیال سے اس کی آنکھیں بھر آئیں۔ لیکن وہ اپنی نم آلود آنکھوں کو جھکاتے ہوئے کھانے میں مصروف ہو گیا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ رفیقہ کا دل بھر آئے کیونکہ وہ جانتا تھا کہ اگر اس کی ماں کی آنکھوں میں آنسو آ گئے تو وہ اپنے گھر کی دہلیز پار نہیں کر سکے گا۔

کچھ دیر کے بعد جب عصام کی آنکھیں خشک ہو گئیں تو اس نے اپنی والدہ کی طرف دیکھا۔

''امی آپ سب اپنا خیال رکھنا۔ میں اپنی بہنوں کو آپ کے سہارے چھوڑے جا رہا ہوں۔ میں پردیس انہی کے لئے جا رہا ہوں۔ سبین کا کوئی مناسب رشتہ ملے تو اس کے ہاتھ پیلے کر دینا۔ مجھے جو نوکری مل رہی ہے اس سے آپ کو اپنی بہنوں کو کسی بھی آسائش کی کمی نہیں آنے دوں گا۔ لیکن اس نوکری میں، میں پاکستان جلدی چکر

نہیں لگا سکوں گا۔'' عصام کی اس بات سے عصام کی ماں اور بہنوں کے چہرے یکدم اتر گئے۔

''بیٹے ایسی بات نہ کہو..... میں تمہاری کسی بھی بہن کی شادی تمہارے بغیر نہیں کروں گی۔'' رفیقہ نے جذباتیت سے عصام کی طرف دیکھا۔ عصام نے پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ رفیقہ کو حوصلہ دیا۔

''آپ پہلے سے پریشان نہ ہوں۔ بس آپ مجھے اپنی دعاؤں کے سائے میں رخصت کریں۔ میں پوری پوری کوشش کروں گا کہ جلدی چکر لگا لیا کروں۔''

کھانے سے فارغ ہو کے ساڑھے آٹھ بجے کے قریب عصام نے اپنا بیگ پیک کر لیا اور رفیقہ کی طرف بڑھا۔ ''امی اب آپ مجھے اجازت دیں۔''

رفیقہ کا دل جیسے کسی نے اپنی مٹھی میں لے لیا۔ اس نے آگے بڑھ کر عصام کو اپنے کندھے سے لگا لیا۔ اس کی آنکھیں اشکبار تھیں لیکن وہ عصام کو مسکرا کر رخصت کر رہی تھی۔ عصام غم سے اس قدر شکستہ تھا کہ اسے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے اس کے اعصاب نے اس کا ساتھ چھوڑ دیا ہے۔ اس کا پورا جسم نڈھال ہو رہا تھا۔ وہ بھی رفیقہ کی طرح اپنے آنسو پی رہا تھا۔ اس کی آواز گلوگیر تھی۔ اپنی آواز کو چھپانے کے لئے وہ کم بول رہا تھا۔ اس نے اپنی ساری بہنوں کو پیار کیا۔ تو دل ہی دل میں خدا سے دعا کی۔

''اے خدا اپنی بہنوں کو تیرے سہارے چھوڑے جا رہا ہوں..... انہیں اپنے امان میں رکھنا۔''

عصام کو یوں محسوس ہو رہا تھا کہ جیسے وہ اپنی روح کو یہیں کہیں چھوڑے جا رہا ہے۔ وہ اپنی ماں اور بہنوں کے چہروں کی طرف مسلسل دیکھے جا رہا تھا کہ کسی طرح وہ ان کے چہرے کو اپنی نگاہوں میں جذب کر لے۔

عصام نے انگاروں پہ چلتے ہوئے اپنے گھر سے باہر قدم نکالے۔ شہباز کا ڈرائیور باہر گاڑی میں اس کا انتظار کر رہا تھا۔ عصام اپنے گھر سے کافی دور چلا گیا لیکن اس کی نگاہوں کا تانتا وہیں بندھا رہا۔ اس کی ماں اور بہنوں نے بھی اپنی بھیگی ہوئی نگاہیں اس کی طرف لگا رکھی تھیں۔

عصام بہ مشکل حوصلہ کر کے گاڑی میں بیٹھ گیا۔ تھوڑا ہی فاصلے طے کرنے کے بعد عصام نے ڈرائیور سے رکنے کے لئے کہا۔ جس کوٹھی کے آگے عصام نے گاڑی رکوائی وہ ماہ لقاء کی کوٹھی تھی۔

عصام نے گاڑی سے اتر کر بیل دی۔ ملازم نے گیٹ کھولا۔ اس نے عصام کو دیکھا تو اسے اندر لے گیا اور

ڈرائنگ روم میں بٹھادیا۔ کچھ دیر کے بعد پروین اور ماہ لقاء ڈرائنگ روم میں داخل ہوئیں۔ ان کے اندر آنے پہ اعصام احتراماً کھڑا ہوگیا۔

''السلام علیکم آنٹی۔''

''بیٹھوں بیٹا شکر ہے کہ تمہیں اپنی آنٹی کا خیال آ گیا۔ ابھی تھوڑی دیر میں، میں تمہاری طرف آنے والی تھی۔ میں نے سوچا کہ میرا بیٹا باہر جارہا ہے اسے دعائیں دے آؤں۔''

''یہ آپ کا خلوص ہے ورنہ میں اس قابل کہاں۔'' عصام کی آنکھیں سرخ تھیں لیکن وہ ان لوگوں کو اپنے دل کی کیفیت چھپا کے ہنس کے ڈیل کررہا تھا۔

''لیکن بیٹا اتنا بڑا فیصلہ تم نے یکدم کیسے کرلیا۔''

''بس آنٹی کچھ حالات کا تقاضا تھا ورنہ کس کا دل چاہتا ہے اپنوں سے دور ہونے کو۔'' عصام نے انتہائی سنجیدگی سے کہا۔

ملازمہ ٹی ٹرالی میں چائے کے ساتھ بہت سا کھانے کا سامان لئے ڈرائنگ روم میں داخل ہوئی۔

ماہ لقاء نے آگے بڑھ کر اس سے ٹی ٹرالی لے لی اور عصام کے لئے چائے بنانے لگی۔

''عصام آپ کتنی شکر لو گے۔''

''ماہ لقاء تم نے خوامخواہ تکلف کیا۔ میں نے کھانا کھا رکھا ہے۔ میں فل ہوں۔ بس ایک پیالی چائے ہی لوں گا۔ میرے کپ میں ایک چمچ ڈال دو۔'' عصام نے پرتکلف انداز میں کہا۔

پروین اور ماہ لقاء محسوس کررہی تھیں کہ عصام بظاہر تو مسکرا رہا ہے لیکن اس کی آنکھیں انتہائی سرخ ہیں اور آواز بھی گلوگیر ہے۔

ماہ لقاء نے گہری نظر سے عصام کی طرف دیکھا۔ ''عصام! آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے نا۔''

''طبیعت ٹھیک ہونے یا نہ ہونے سے کیا فرق پڑتا ہے۔'' عصام نے سر جھکاتے ہوئے کہا۔

''بیٹے! سفر پہ جارہے ہو اچھی امیدیں اور حوصلے سے جاؤ، ایسی مایوسی کی باتیں مت کرو اور اپنی صحت پر خصوصی توجہ دو، تم نے بیرون ملک اکیلے رہنا ہے۔'' پروین نے عصام کو سمجھایا۔

''آنٹی آپ کو تو اندازہ ہے کہ میں اپنے گھر والوں کو کس قدر چاہتا ہوں انہیں اس طرح چھوڑ کر پردیس جانا میرے لئے کتنا مشکل ہے۔'' دل کی بات عصام کی زبان پہ آ ہی گئی۔

ماہ لقاء نے انتہائی سنجیدگی سے عصام کی طرف دیکھا۔

''عصام آپ دل چھوٹا مت کرو۔ محبت کی تو کئی شکلیں ہوتی ہیں کچھ محبتیں ایسی ہوتی ہیں جو قریب رہ کے جتائی جاتی ہیں اور کچھ ایسی ہوتی ہیں جن میں انسان اپنوں کی خوشیوں کے لئے ہی ان میں بچھڑ جاتا ہے اور جس جذبے میں قربانی ہو وہ جذبہ زیادہ عظیم ہوتا ہے۔''

ماہ لقاء بول رہی تھی اور عصام کی نظریں اس کے چہرے پہ ٹھہری ہوئی تھیں۔ وہ سوچ رہا تھا کہ ماہ لقاء کو کیا معلوم کہ اپنوں کے غم کی اس اذیت میں اس کی جدائی کا غم بھی شامل ہے۔ وہ سوچ رہا تھا کہ ماہ لقاء اس کے محسوسات سے غافل ہو کر کس قدر مطمئن ہے۔

پھر اس نے اپنے سر کو خفیف سا جھٹکا دیتے ہوئے دل میں کہا۔

''شکر ہے تم میرے جذبے سے غافل ہو! خدا تمہیں ہر غم سے بچائے۔ تمہیں خدا ایسا گھر نصیب کرے کہ تمہاری زندگی خوشیوں سے بھر جائے۔''

عصام اس سوچ میں گم تھا کہ پروین نے اس کے خیالات کو توڑا۔

''عصام بیٹا! چائے ٹھنڈی ہو رہی ہے چائے پیو میں ابھی آتی ہوں۔ یہ کہہ کر پروین وہاں سے اٹھ گئی۔ ماہ لقاء بھی اس کے پیچھے پیچھے چل دی۔

عصام چائے پینے میں مشغول ہو گیا وہ چائے پی رہا تھا کہ اچانک اس کی نظر سامنے کارنر ٹیبل پر رکھی البم پر پڑی۔ اس نے چوروں کی طرح ادھر ادھر دیکھتے ہوئے وہ البم اٹھالی۔ اس نے البم کھولی تو وہ ماہ لقاء کی فیملی البم تھی۔ وہ تیزی سے صفحے الٹنے لگا۔ اسے جس تصویر کی تلاش تھی وہ اسے دکھائی نہیں دی تھی۔

پھر اس کا ہاتھ ایک جگہ رک گیا۔ اس نے ڈر بھری نظروں سے ڈرائنگ روم کے دروازے کی طرف دیکھا اور پھر تیزی سے ایک تصویر اس البم سے نکال کر اپنی جیکٹ کی جیب میں ڈال لی۔ یہ تصویر ماہ لقاء کی تھی۔

کچھ دیر بعد پروین اور ماہ لقاء ڈرائنگ روم میں داخل ہوئیں پروین کے ہاتھ میں ایک خوبصورت مردانہ

سوٹ تھا۔ پروین نے سوٹ عصام کی طرف بڑھایا۔

''بیٹے یہ سوٹ میں نے تمہارے لئے خریدا ہے۔ یہ اپنے ساتھ لے جاؤ۔''

''اس کی کیا ضرورت تھی۔'' عصام نے پرتکلف لہجے میں کہا۔

''ہمیں آپ کے پروگرام کا علم ایک دم سے ہوا ورنہ ہم آپ کے لئے کوئی زبردست سا تحفہ لیتے۔'' ماہ لقاء نے انتہائی معصومیت سے کہا۔

''تحفے کی اہمیت اس کے مہنگے یا سستے ہونے سے نہیں ہوتی تحفے کی اصل قیمت تو وہ خلوص ہوتا ہے جس کے عوض ہمیں تحفہ دیا جاتا ہے۔ مجھے بہت خوشی ہے کہ آپ کے دل میں میرے لئے اتنا خلوص ہے.....'' عصام نے ماہ لقاء کی بات کا جواب دیا۔ پھر اس نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

''اب آپ مجھے اجازت دیں۔''

''بیٹا ایسی بھی کیا جلدی ہے تمہیں یہاں بیٹھے دیر ہی کتنی ہوئی ہے۔'' پروین نے عصام سے رکنے کے لئے کہا لیکن عصام کھڑا ہو گیا۔

''آنٹی میرے پاس یہاں آنے کا بھی وقت نہیں تھا لیکن میں آپ لوگوں سے ملے بغیر جا نہیں سکتا تھا۔'' عصام نے کن اکھیوں سے ماہ لقاء کی طرف دیکھا۔

''خدا آپ کو اپنے مقصد میں کامیاب کرے۔'' ماہ لقاء نے پرخلوص نگاہوں سے عصام کی طرف دیکھا۔

''یہ بھی دعا کریں کہ خدا مجھے آپ لوگوں سے دوبارہ ملائے۔'' عصام کی نگاہوں میں ایک بار پھر نمی جھانکنے لگی۔

''کیسی باتیں کر رہے ہو بیٹا! خدا تمہیں کامیاب کرے، تمہیں اتنا دے کہ تم پاکستان چکر کئی بار لگا سکو۔'' پروین نے عصام کے سر پر ہاتھ پھیرا۔

عصام کمرے سے باہر نکلنے لگا تو اس نے ایک بار پھر پلٹ کر ماہ لقاء کی طرف دیکھا اس کے دل میں ایک عجیب سی توڑ پھوڑ ہو رہی تھی جیسے وہ لاکھ کوشش کے باوجود چھپا نہیں پا رہا تھا۔ وہ دل پہ بوجھ لئے گاڑی میں بیٹھ گیا۔ گاڑی چلتی جا رہی تھی اسے کچھ علم نہیں تھا کہ گاڑی کہاں جا رہی ہے۔ وہ غم کی شدت میں نڈھال کسی گہری سوچ میں گم تھا اس کی کیفیت بہت عجیب تھی۔ اسے یوں محسوس ہو رہا تھا کہ جیسے اس دھرتی سے اس کا ناطہ ٹوٹ گیا

ہے۔آج وہ اپنوں سے ہمیشہ کے لئے دور ہو گیا ہے۔اسے اپنے ہاتھوں میں اپنا لہو دکھائی دے رہا تھا کہ جیسے اس نے اپنے آپ کو قتل کر کے کہیں دفن کر دیا ہے۔

پھر وہ اپنی پرنم آنکھوں سے گاڑی سے باہر تیزی سے گزرتے ہوئے مناظر کو دیکھنے لگا۔وہ تڑپ رہا تھا لیکن اس کے غم کا کوئی مداوا نہیں تھا۔اسے یوں محسوس ہو رہا تھا کہ جیسے اس کے وجود میں ایک نئی روح سمو گئی ہے۔ اس کی اپنی روح اس دھرتی میں ہی رہ گئی ہے۔جو اپنے وجود کے لئے اس دھرتی میں اس کے اپنوں میں بھٹکتی رہے گی۔

عصام نے اپنے ہونٹوں کو بھینچتے ہوئے اپنی آنکھیں بند کر لیں۔اس نے اپنے نئے روپ کو تسلیم کر لیا تھا لیکن اس مرحلے میں وہ جس اذیت سے گزرا وہ موت سے کم نہیں تھی۔

اگلے روز عصام کی فلائٹ تھی۔جمعہ کی رات ساشا نے عصام کو اس کا پاسپورٹ اور ضروری کاغذات دے دیئے تھے تقریباً صبح کے چار بجے ساشا اور عصام ائیر پورٹ پہنچ گئے۔چند ہی گھنٹوں میں وہ دونوں اپنی منزل کو پہنچ گئے۔

عصام کی بیرون ملک پانچ ماہ کی تربیت کے دوران شہباز کو اپنے خاص کارندوں کے ذریعے عصام اور ساشا کے ہر عمل کی اطلاع ملتی رہی شہباز نے عصام کی کراٹے اور نجا کی مشقوں کی مووی دیکھی تو وہ حیران ہو کر رہ گیا۔ عصام اپنے بدن کی چستی اور لچک میں کئی جوانوں کو مات دے گیا۔ان مشقوں نے اتنے تھوڑے سے وقت میں ہی عصام کی نہ صرف جسمانی ساخت کو بدل کے رکھ دیا بلکہ اسے ذہنی اعتبار سے بھی انتہائی باحوصلہ بنا دیا۔

ان مہینوں میں ساشا اور عصام کی دوستی کافی بڑھ گئی۔ساشا عصام کے لئے ایک ایسی ساتھی ثابت ہوئی جس سے وہ اپنے ہر دکھ کو بانٹ لیتا تھا۔

پانچ ماہ کے بعد عصام اور ساشا پاکستان واپس آئے تو شہباز کا ڈرائیور ائیر پورٹ پر کار لئے ان کا منتظر تھا۔ عصام اور ساشا شہباز کی کوٹھی میں پہنچے تو شہباز خصوصی طور پر ان کا منتظر تھا۔شہباز عصام سے ملا تو اس کے پورے وجود میں بشاشت کی ایک لہر دوڑ گئی اسے عصام کے لب ولہجہ عادات واطوار میں وہی رنگ دکھائی دے رہا تھا جو وہ عصام میں دیکھنا چاہتا تھا۔

عصام ماضی کی ان تلخ یادوں میں گم تھا کہ اس کے موبائل کی رنگ نے اسے چونکا دیا تھا۔ اس نے ذہنی طور پر واپس آتے ہوئے جھرجھری لی اور اپنا موبائل ریسیو کیا۔ یہ کال ساشا کی تھی۔

ساشا کے کسی سوال کے جواب میں عصام نے کہا۔

''ہاں کام بالکل صفائی سے ہوا ہے سب کچھ ختم ہو گیا ہے۔'' عصام نے افسوس ناک آواز میں کہا۔

عصام کا جواب سن کر ساشا نے اس سے کچھ اور نہیں پوچھا۔ عصام کا کنیفر کی مدد سے اپنے گھر والوں سے مکمل رابطہ رہا تھا۔ اس کے گھر والوں سے کنیفر نے قریبی دوست کی حیثیت سے رابطہ کیا ہوا تھا۔ عصام کو اس کے گھر والوں کی طرف سے لکھا جانے والا ہر لیٹر اس کے ایڈریس پر آتا تھا۔ جسے وہ عصام تک پہنچا دیتا تھا۔

عصام کراچی میں مقیم تھا۔ اس نے اپنے گھر والوں سے کہہ رکھا تھا کہ وہ کسی مجبوری کے تحت ان کو اپنا ایڈریس نہیں دے سکتا اور اس بات کا تذکرہ وہ کسی سے نہ کرے۔

کراچی کے فائیو سٹار ہوٹل میں ہونے والی تباہی نے پورے شہر میں ایک بھونچال سا مچا دیا تھا۔ شہریوں میں خوف و ہراس پھیل گیا۔ غم اور غصے کی ایک لہر نے تمام شہریوں کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ پولیس کے اہلکاروں اور ڈاکٹرز کے لئے اس صورتحال کو سنبھالنا مشکل ہو گیا۔

ایک خیال خیز منظر تھا لوگ اپنے جلے ہوئے بچوں کی لاشوں پر بین ڈال رہے تھے۔ شدید زخمی والدین جنہیں سٹریچر پر لے جایا جا رہا تھا اپنی تکلیف بھول کے اپنے بچوں کو پکار رہے تھے۔ اگلی صبح کے اخبارات میں لوگوں نے انسانی لاشوں کی تصاویر دیکھیں تو ان کے دل و دماغ منتشر ہو کر رہ گئے۔ عدم تحفظ کے احساس نے انہیں گورنمنٹ اور پولیس کے محکموں کو کوسنے پر مجبور کر دیا۔

عصام کے اس کارنامے کے عوض ایک بھاری رقم کا چیک اس کے گھر والوں کو بھیج دیا گیا۔

ان تین برسوں میں عصام کے گھر والوں کے دن پھر گئے۔ ان کے رہن سہن میں وہ شان و شوکت آ گئی کہ جس کا وہ کبھی تصور بھی نہ کر سکتے تھے۔ ان تین سالوں میں رفیقہ دو بڑی ذمہ داریوں سے فارغ ہو چکی تھی اسے سبین اور عائشہ کے لئے مناسب رشتے ملے تو اس نے ان کی شادی کرنے میں دیر نہیں کی۔

اب اس کے ذہن میں یہی جنون سوار تھا کہ کب عصام آئے اور وہ اس کی شادی کرے۔ رفیقہ عصام کی

صورت دیکھنے کے لئے ترس رہی تھی۔ لیکن عصام ان تین سالوں میں ایک بار بھی اپنے گھر نہیں گیا۔ اس نے اپنے سینے پر پتھر رکھ لیا تھا۔ شہباز کی طرف سے ایک سال کے بعد اسے گھر جانے کی اجازت تھی لیکن اس نے اپنی ذات کے گرد ایک خول بنالیا تھا اس کے اندر اتنا حوصلہ نہیں تھا کہ وہ اپنے گھر والوں کا سامنا کرے۔ اس نے تسلیم کرلیا تھا کہ جس عصام کا رفیقہ دم بھرتی ہے وہ عصام مرگیا ہے۔ وہ ایک نیک عورت کا بیٹا عصام نہیں بلکہ ایک کارند 024 ہے۔ وہ اپنوں کی دسترس سے بہت دور نکل گیا ہے۔ اس کی منزلیں مسافتوں کی دھول میں چھپ گئی تھیں۔ وہ منزل سے بہت دور چلا گیا تھا نہ جانے اب کب وہ واپس پلٹے۔ وہ اپنے گھر والوں کی ہر طرح سے خبر گیری کرتا تھا اس کا دل مطمئن تھا کہ اس کے گھر والے ہر لحاظ سے بخیریت ہیں۔ لیکن اس کے ذہن میں ان لمحوں کا خوف تھا کہ جب اس کی ماں اور بہنوں کو اس کے اصل روپ کا پتہ چل جائے گا تو وہ اسے حقارت کی نظر سے دیکھیں گے۔

شام کا وقت ہوا تو عصام نے اپنی گاڑی نکالی اور ساحل کی طرف چل پڑا۔ ساحل کے قریب پہنچا تو دن کی تیز روشنیاں اب شام کی سرخی میں بدل چکی تھیں۔ عصام نے اپنی جوتی اتار دی اور ساحل کے نرم گداز ریت پر ننگے پاؤں چل کر ایک عجیب سی تسکین محسوس کرنے لگا۔

سورج غروب ہونے کا یہ منظر کئی شکستہ دل لوگوں کو اپنی طرف مائل کرتا ہے۔ سورج غروب ہونے کا یہ منظر ایک احساس پیدا کرتا ہے جس میں دن کی چمکتی دمکتی روشنی یکلخت اپنی تمام آب وتاب کھو دیتی ہے۔ جس میں کوئی حرارت، کوئی تمازت نہیں ہوتی کہ جیسے فضا کی نگاہوں کی سرخی نے ہر چیز کو افسردہ کردیا ہو۔

عصام اس ڈوبتے سورج کو دیکھ کر کہیں کھو سا گیا۔ کہ یکلخت کسی نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

اس نے پلٹ کر پیچھے دیکھا تو وہ ساشا تھی۔اس نے متعجب نگاہوں سے ساشا کی طرف دیکھا۔

''تم یہاں کیسے؟''

''مجھے علم تھا کہ تم یہاں ملو گے۔تمہارے فلیٹ گئی تھی تمہیں وہاں نہ پا کر سمجھ گئی تھی کہ تم کہاں ہوں گے۔'' ساشا نے کہا۔

''ساشا! انسان جب اس منظر کو دیکھتا ہے تو خود کو بھی اس کا حصہ سمجھنے لگتا ہے۔'' عصام نے کھوئے کھوئے سے انداز میں کہا۔

''صاف کیوں نہیں کہتے کہ اپنی بات کر رہے ہو۔تم زندگی سے منہ موڑ چکے ہو۔اس لئے تمہیں ڈوب جانے کا احساس اچھا لگتا ہے۔جو لوگ زندگی سے پیار کرتے ہیں انہیں اس طرح کے مناظر اچھے نہیں لگتے۔'' ساشا نے عصام کی طرف ترچھی نظر سے دیکھا۔

''ہماری زندگی اس قابل نہیں ہے کہ ہم اس سے پیار کریں۔''

''عصام! جس شخص کے بہت سے لوگ چاہنے والے ہوں اس کی زندگی کتنی ہی اذیت ناک کیوں نہ ہو اسے اپنی زندگی سے پیار ہوتا ہے۔'' یہ کہہ کر ساشا ساحل کی ٹھنڈی ریت پر بیٹھ گئی۔

''لیکن میں نے اپنی زندگی پہ محبت کے تمام دروازے بند کر دیئے ہیں۔میرا وجود نفرت کے قابل ہے اور میں نہیں چاہتا کہ کوئی مجھ سے محبت کرے۔'' عصام بھی ساشا کے قریب بیٹھ گیا۔

''عصام! دوسروں کے جذبوں پر ہمارا اختیار نہیں ہوتا۔تم اپنے گرد تو بڑی بڑی دیواریں کھڑی کر سکتے ہو لیکن دوسروں سے ان کے احساسات نہیں چھین سکتے۔'' ساشا نے اپنی نظریں یکسر جھکا لیں۔

''ساشا! ایسی باتیں کر کے تم مجھے اذیت دیتی ہو۔میں نے خود کو ان جذبوں کے حصار سے بمشکل نکالا ہے۔دوسروں کو موت دینے والے ان جذبوں کی باتیں کیسے کر سکتے ہیں۔

زندگی کو جینے اور زندہ رہنے میں فرق ہوتا ہے۔میں زندہ ہوں اور اپنے گھر والوں کے لئے کچھ کر سکوں بس یہی میری زندگی کا مقصد ہے۔

لوگوں سے خوشیاں چھیننے کے عوض اتنی سزا تو ہمارے لئے ضروری ہے کہ ہم خود بھی خوشیوں سے محروم رہیں۔"

"تم میں اور مجھ میں یہ فرق ہے کہ میں نے اپنوں کا پیار دیکھا ہی نہیں اور تم نے سب کچھ پا کر بھی کھو دیا۔"

ساشا بات کرنے کے ساتھ ساتھ گیلی ریت کو اکٹھا کر کے اسے گھروندے کی شکل دینے لگی۔

عصام نے گہری نظر سے ساشا کی طرف دیکھا۔

"ہماری دوستی کو تین سال ہو گئے ہیں میں نے اپنا ہر غم ہمیشہ تمہارے ساتھ شیئر کیا ہے۔ لیکن میں نے جب بھی تم سے تمہارے بارے میں پوچھا کہ تم ان لوگوں میں کیسے شامل ہوئی؟ تو تم نے ہمیشہ بات ٹال دی۔ لیکن آج تمہارے لبوں پہ اپنوں کا نام آیا ہے تو مجھے اپنے بارے میں بتاؤ۔ اگر تم مجھے اپنی ذاتی زندگی کے بارے میں نہیں بتا سکتی تو پھر ہماری دوستی کیسی؟"

"عصام دوستی کو بیچ میں مت لاؤ میری زندگی کی کوئی ایسی کہانی ہے ہی نہیں جو میں تمہیں بتاؤں اپنے بارے میں، میں خود نہیں جانتی تو تمہیں کیا بتاؤں۔ میں کون ہوں کس کی بیٹی ہوں، ان لوگوں میں کیسے آئی؟ کچھ نہیں جانتی۔ میں نے جرم کی دنیا میں آنکھ کھولی لیکن میں نے ایک لڑکی ہونے کا بھرم قائم کر رکھا ہے مگر اپنی عزت پر کبھی آنچ نہیں آنے دی۔ ان لوگوں نے بھی ہمیشہ میرا خیال رکھا اور اب تو میں خود ایسی چٹان ہوں کہ مجھ سے ٹکرانے والا پاش پاش ہو جائے گا۔ کفیر مجھ سے شادی کرنا چاہتا ہے لیکن میں اس پر تھوکتی بھی نہیں۔" ساشا نے اپنی زندگی کی سچائی عصام کے سامنے رکھ دی۔

عصام نے ساشا کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

"ایک بات پوچھوں، مائنڈ تو نہیں کرو گی۔ تمہارا دل کبھی نہیں چاہا کہ تمہارا بھی کوئی گھر ہو، کوئی ایسا ساتھی ہو جس سے تم ہر دکھ سکھ شیئر کرو۔"

عصام کے اس سوال پر ساشا خاموش رہی اور پھر اپنے ناخن سے ریت پر لکیریں کھینچنے لگی۔ عصام نے ساشا کو اس طرح خاموش دیکھا تو ندامت بھرے لہجے میں بولا۔

"سوری! مجھے شاید یہ سوال ہی نہیں کرنا چاہیے تھا۔" عصام سادگی سے بولا۔

ساشا نے خفیف سی مسکراہٹ کے ساتھ عصام کی طرف دیکھا۔

''تم نے کوئی غلط سوال نہیں کیا۔ اپنا گھر تو ایک لڑکی کا سب سے بڑا خواب ہوتا ہے۔ لیکن سوال کرتے ہوئے تم یہ بات بھول گے کہ تمہاری طرح میرے ہاتھ بھی انسانوں کے خون میں رنگے ہیں۔ ہماری زندگی کی کوئی ضمانت نہیں ہے۔ پھر ہم ایسا خواب کیسے دیکھ سکتے ہیں۔

لیکن.....'' ساشا کچھ کہتے کہتے یکلخت خاموش ہوگئی۔

''لیکن کیا؟ تم خاموش کیوں ہوگئی۔'' عصام نے پوچھا ساشا نے جذباتیت سے بھرپور نگاہوں سے عصام کی طرف دیکھا۔

''لیکن جذبات پر انسان کا اختیار نہیں ہوتا۔ کب کون اتنا اچھا لگے کہ دل میں گھر کر جائے۔ لیکن پرخلوص جذبے کسی تعلق کسی رشتے کے محتاج نہیں ہوتے۔ ہم کسی کا احساس کر کے کسی کو خوشی دے کے بھی دل کو تسکین دے سکتے ہیں۔''

ساشا کی بات سن کے عصام کو ماہ لقاء کا خیال آ گیا۔ اس کے لبوں پر مہین سی مسکراہٹ بکھر گئی۔

''میں بھی ایسے سوچتا ہوں۔'' عصام نے کھوئے کھوئے سے لہجے میں کہا۔

ساشا کی نظریں عصام کے چہرے پر ٹھہر سی گئیں۔ وہ جان نہ سکی کہ یہ جملہ عصام نے کس کے لئے کہا ہے۔

☆.....☆.....☆

اتوار کا دن تھا۔ شہباز نے اپنے گھر ایک بہت بڑی پارٹی ارینج کی۔ یہ پارٹی شہباز کے اس گھر میں تھی جہاں اس کی حیثیت عالی مرتب جیسی تھی۔ اس کا اٹھنا بیٹھنا اونچے اونچے معزز لوگوں میں تھا۔ اس پارٹی میں شہر کی مشہور و معروف ہستیاں شامل تھیں۔

شہباز کی بیوی کیتھرین ایک معزز عورت تھی۔ دولت اس کی سب سے بڑی کمزوری تھی۔ وہ شہباز کے کالے دھندے کے متعلق سب کچھ جانتی تھی بلکہ بہت سے معاملات میں اس کی مدد بھی کرتی تھی۔ شہباز کا ساتھ دینے کی وجہ سے دہشت گردی جیسے گھناؤنے جرم میں برابر کی شریک تھی۔ پارٹی میں آئی ہوئی تمام خواتین کی نظریں اس کے گلے میں پہنے ڈائمنڈز کے نیکلس پر تھیں۔ اپنے خود پسند مزاج کی وجہ سے کیتھرین چالیس برس کی عمر میں بھی پچیس تیس برس سے زیادہ کی نہ لگتی تھی۔

پارٹی میں شہباز کے بزنس ڈیلرز موجود تھے جو اس کے ساتھ بیٹریز کے کاروبار میں کام کرتے تھے۔ لیکن اس کے دوسرے دھندے سے سوائے کنیفر کے اس کے اس پارٹی میں کوئی موجود نہ تھا۔

شہباز مختلف لوگوں سے بات چیت میں مصروف تھا کہ کنیفر اس کے قریب آیا۔ شہباز کو اپنے بڑے بھائی کے بارے میں بتا رہا تھا۔ جو شہر کے رئیس ترین لوگوں میں سے ایک تھا۔ اس کا تعلق دہشت گردی سے تو نہیں تھا لیکن وہ بھی اس ملک کے غداروں میں سے ایک تھا۔ بین الاقوامی سمگلنگ میں اس کا بہت نام تھا۔ کنیفر نے اپنے اس بھائی کو اپنی طرف سے اس پارٹی میں مدعو کیا تھا۔ کچھ دیر کے بعد کنیفر شہباز کو لے کر اس گروپ کی طرف بڑھا جہاں اسکا بھائی لوگوں سے گفت وشنید میں مصروف تھا۔

شہباز اس شخص سے پرتپاک انداز میں ملا۔ کچھ دیر تک ان دونوں کی بات ہوئی پھر وہ پرسکون جگہ دیکھ کر کرسیوں پر بیٹھ گئے۔ شہباز اور کنیفر کے بھائی نے پردہ پوشی رکھتے ہوئے بھی ایک دوسرے کو اپنے مفاد کی بات سمجھا دی۔ کنیفر کے بھائی نے شہباز کو اپنا کارڈ دیا اور اپنا موبائل نمبر دیا۔ شہباز نے بھی اسے اپنا کارڈ اور موبائل نمبر دیا۔

رات گئے تک یہ پارٹی قائم رہی۔ اگلے روز شہباز اپنی دوسری کوٹھی گیا۔ اس نے تمام ارکان کے کام کا جائزہ لیا اور کچھ نئے منصوبے تیار کئے۔ اس میٹنگ میں عصام اور ساشا بھی موجود تھے۔ کچھ نئے منصوبوں پر بات کرنے کے بعد شہباز نے عصام کو اشارے سے کہا۔

''تم میرے ساتھ میرے کمرے میں آؤ۔'' ساشا نے ترچھی نظروں سے عصام کی طرف دیکھا۔ وہ اس سے کچھ کہنا چاہتی تھی لیکن عصام نے ساشا کی طرف دیکھا تک نہیں۔ وہ شہباز کے پیچھے پیچھے چل دیا۔

شہباز عصام کے ساتھ اپنے کمرے میں داخل ہوا۔ وہ دونوں صوفوں پر آمنے سامنے بیٹھ گئے۔

''عصام تم نے کل لاہور جانا ہے۔'' شہباز عصام کی طرف متوجہ ہوا۔

''کوئی خاص کام ہے۔'' عصام نے سوال کیا شہباز نے عصام کو کام سمجھا دیا۔ شہباز سے ملنے کے بعد عصام کمرے سے باہر آیا تو باہر لان میں ساشا اس کا انتظار کر رہی تھی۔ عصام مسکراتا ہوا ساشا کے قریب آیا۔

''تم یہاں کس کے لئے کھڑی ہو۔''

''تمہارا انتظار کر رہی تھی۔''

''مجھے کون سا شہباز صاحب ابھی کہیں بھیج رہے تھے۔'' عصام نے اپنی پینٹ کی جیب میں ہاتھ ڈالتے ہوئے کہا۔

''عصام! اگر شہباز صاحب تمہارے ذمے کوئی ایسا کام لگائیں جو بہت خطرناک ہو تو کبھی بھی اس کے لئے اکیلے حامی نہ بھرنا۔ میری بات یاد رکھنا۔ شہباز بہت سفاک آدمی ہے۔ اس کے نزدیک ہماری زندگیوں کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔''

''تم میرا اتنا خیال کیوں کرتی ہو۔'' عصام کی نگاہوں میں ایک عجیب سوال تھا۔

''سچے دوست ایک دوسرے کا خیال کرتے ہیں نا۔'' ساشا نے بہت آسانی سے اپنے دل کی بات چھپالی۔

''میرا احساس نہ کیا کرو۔ میرا وجود اتنا اہم نہیں ہے۔ پھر بھی کوشش کروں گا کہ ہر اس کے کام میں تمہیں ساتھ لے جاؤں۔'' یہ جملہ کہنے کے بعد عصام ہنسنے لگا۔ ''تم جیسے مجھے بچالوگی۔ جب موت آئے تو اس کے پنجوں کی دستبرد سے انسان کو کوئی نہیں بچا سکتا۔ جس طرح میرے رکھے ہوئے بم سے لوگوں کے جسموں کے ٹکڑے ہوا میں بکھر گئے اسی طرح کبھی میرا جسم بھی پاش پاش ہو کے اس ہوا میں بکھر جائے گا۔'' عصام ہنس رہا تھا لیکن ساشا کا چہرہ جذبات کی شدت سے تپنے لگا۔

''جو منہ میں آتا ہے، بولتے جاتے ہو۔ دوسروں کے جذبات تو تمہارے لئے مذاق ہیں۔ ابھی تم زندہ ہو اور موت کی سلاخیں اپنے گرد پہلے ہی کھڑی کر لی ہیں۔ اپنی ذات کے گرد یہ حصار کھینچ کے تم خود فریبی میں تو رہ سکتے ہو لیکن یہ تو جانتے ہو نہ کہ چاہت تو روح میں اترنے والی چیز ہے۔ اس کے آگے یہ رکاوٹیں کوئی حیثیت نہیں رکھتیں۔'' یہ جملہ بولنے کے بعد ساشا کی زبان یکلخت رک گئی۔ اسے محسوس ہوا کہ شاید وہ کچھ زیادہ بول گئی ہے۔ اس کی زبان سے اس کے دل کی بات نکلنے لگی تھی جو وہ عصام سے کہنا چاہتی تھی۔

ساشا کی بات سن کے عصام سوچ میں پڑ گیا۔ تھوڑی دیر کے لئے اس کے چہرے پر اسی عصام کی معصومیت جھانکنے لگی جسے وہ ماضی میں کہیں چھوڑ آیا ہے۔ اس نے پرنم نگاہوں سے ساشا کی طرف دیکھا۔

''میں نہیں جانتا کہ ان ڈھکے چھپے الفاظ میں تم مجھ سے کیا کہنا چاہتا ہوں اور نہ ہی جاننا چاہتا ہوں۔ بس تم

سے صرف اتنا کہوں گا کہ مجھ سے یہ جذبات کی باتیں مت کیا کرو۔ میں دوہری اذیت میں مبتلا ہوں۔ جو عصام چاہے جانے کے قابل تھا وہ مر چکا ہے۔

اس دنیا میں سب سے مقدس اور عظیم جذبہ مامتا ہے۔ میں اپنی ماں کو کتنا چاہتا ہوں کہ ان کی چاہت بیان کرنے کے لئے میرے پاس الفاظ نہیں ہیں۔ لیکن میں اس روپ میں ان کے سامنے کبھی بھی نہیں جاؤں گا۔ بس مجھے ان کی طرف سے اچھی خبر ملتی رہے۔ اگر وہ لوگ ذرا سی بھی تکلیف میں ہوں تو پھر میرے لئے اپنے ارادے پہ قائم رہنا مشکل ہو جائے گا۔

ساشا! میں اپنی ٹوٹی پھوٹی ذات لے کے جس کے سہارے جی رہا ہوں وہ تمہاری دوستی ہے۔ میری اندھیرے میں ڈوبی زندگی میں اگر کہیں کوئی روشنی کی کرن ہے تو وہ تمہاری دوستی کی روشنی ہے۔ خدا مجھے بھی توفیق دے کہ میں تمہاری دوستی کا بھرم رکھ سکوں۔'' عصام کی اس پرخلوص گفتگو سے ساشا کے چہرے پہ ابتسام کی ایک لہر دوڑ گئی۔

''اچھا چلو بتاؤ شہباز نے تمہیں کیا کام کہا ہے۔''

''لاہور جانا ہے۔ کسی شخص تک کچھ رقم پہنچانی ہے۔'' عصام نے کہا۔

''کب جا رہے ہو۔''

''کل جاؤں گا۔''

''احتیاط صرف خطرناک کام میں ہی نہیں کی جاتی۔ ہم لوگوں کو ہر حالت میں محتاط رہنا چاہئے۔ کچھ علم نہیں ہوتا کہ کب ہم کسی کی نظر میں ہوں اور کوئی ہمارا متلاشی ہو۔'' ساشا نے عصام کو سمجھایا۔

''ہاں میں سمجھتا ہوں اس بات کو۔ کہ دہشت گردی کا جرم کتنا سنگین ہوتا ہے۔'' عصام نے ساشا کی بات سے اتفاق کیا۔

اگلے روز عصام صبح سویرے ہی لاہور کے لئے روانہ ہو گیا اور بہت احتیاط سے رقم اس کے متعلقہ شخص تک پہنچا دی۔ دوپہر کے ڈھائی بجے کے قریب وہ لاہور کے ایک پررونق بازار سے کوئی کھانے کی چیز خرید رہا تھا کہ اس کی نظر ایک انتہائی گھٹیا سے ہوٹل پر پڑی۔ جس کے باہر پڑی ہوئی سادہ سی میز کرسیوں پر مختلف لوگ چنے

کلچے کھا رہے تھے۔ عصام نے ان لوگوں کو دیکھا تو تھوڑی دیر کے لئے اس کے ذہن میں وہ منظر گھومنے لگا جب وہ اس طرح کے ہوٹل میں کھانا کھا کے بھرپور خوشی محسوس کرتا تھا اور جو مزہ اس کے کھانے میں تھا وہ اسے فائیو سٹار ہوٹل کی ہائی کلاس ڈشز میں بھی نہیں ملا تھا۔ عصام نے تسکین کا ایک لمبا سانس لیا اور خود کلامی کے انداز میں بولا۔

''اس وقت میرے پاس پیسہ نہیں تھا لیکن سکون تھا اور اب اس وقت میرے پاس پیسہ ہے مگر سکون نہیں۔ وہ وفائیں نہیں۔ امیدیں نہیں۔ آس نہیں۔ میرے دونوں ہاتھ خالی ہیں۔''

عصام اس ہوٹل کی طرف بڑھا اور غریب لوگوں کے ساتھ بیٹھ کر چنے کلچے کھانے لگا۔ وہ اپنے اندر کے موسموں جیسے ماحول میں بیٹھ کر عجیب سی تسکین محسوس کر رہا تھا۔ وہ بے پرواہ کھانے میں مشغول تھا۔ اسے کوئی فکر نہیں تھی کہ وہ ایک دہشت گرد ہے اور اسے لوگوں میں اس طرح بہت دیر تک نہیں بیٹھنا چاہئے۔ وہ خود کو ان عام لوگوں میں شامل کر کے اطمینان کا مزا لے رہا تھا کہ ایک آواز نے اس کے دل کو ہلا کے رکھ دیا۔ کوئی قوالی پڑھ رہا تھا۔ اس نے اپنے دائیں جانب دیکھا اس ہوٹل سے تھوڑے ہی فاصلے پر حضرت داتا گنج بخشؒ کا مزار تھا۔ اس کے باہر لوگوں کا ایک ہجوم تھا۔ قوالی کے الفاظ اور ردھم عصام کی روح میں اتر گئے۔ وہ بے اختیار اس آواز کی طرف بڑھنے لگا۔ سوز و جذب کی کشش اسے دربار کے اندر لے گئی۔ عصام نے اپنی جوتیاں اتار دیں اور دربار میں داخل ہو گیا۔ خدا کے چاہنے والوں کی پرسوز آوازوں نے اسکے دل و دماغ کو جھنجھوڑ کے رکھ دیا۔ ایک عجیب سا درد عصام کی رگ رگ میں سمو گیا تھا۔ قوال کی آواز میں ایسا سوز تھا کہ عصام اس کے سحر میں کھو گیا اور بے بسی سے ستون پر سر رکھے قوالی پڑھنے والوں کے قریب کھڑا رہا۔ وہ جوں جوں قوالی سن رہا تھا اس کے زخم تازہ ہو رہے تھے۔ وہ ایک دہشت گرد کے خول سے باہر نکل کے غم سے لبریز محسوسات کی دنیا میں کھو گیا تھا۔ اس کی آنکھوں سے آنسو زار و قطار بہہ رہے تھے۔ اسے کچھ ہوش نہیں تھا کہ لوگ اسے دیکھ رہے ہیں۔

کچھ دیر تک وہ قوالی سنتا رہا۔ پھر اس نے اپنے آنسو خشک کئے اور مزار کی طرف بڑھا۔ مزار کے قریب بے شمار مرد فاتحہ پڑھ رہے تھے۔ عصام بھی سب سے اگلی قطار میں بیٹھے ہوئے لوگوں کے ساتھ بیٹھ گیا۔ مزار کے دوسری جانب خواتین بیٹھی تھیں۔ ان کے مزار میں داخل ہونے کا رستہ بھی دوسری جانب ہی تھا جہاں بہت سی خواتین کھڑی تھیں۔ عصام نے سورہ فاتحہ پڑھی۔ بزرگان دین پے درود و سلام بھیجا پھر جب وہ دعا مانگنے لگا تو

ایک بار پھر کسی نے اسکا دل اپنی مٹھی میں لے لیا۔اس کی آنکھیں بھر آئیں۔

''اے خدا کے نیک پاک بندے! پہلے تو مجھے معاف کرنا کہ اپنے اس ناپاک وجود کے ساتھ آپ کے دربار میں داخل ہوا۔ میرے اندر تو حوصلہ ہی نہیں کہ میں اپنے پروردگار سے دعا کرتا کہ میری بھٹکی ہوئی زندگی کو کوئی کنارا دے دے۔ جہاں خدا کی عبادت کی روشنی ہوں، اپنوں کی شفقت ہو اور رزق حلال ہو۔'' یہ کہتے کہتے اس نے دونوں ہاتھوں سے اپنا چہرہ ڈھانپ لیا۔آج یوں محسوس ہو رہا تھا کہ اس کے آنسو رکیں گے نہیں۔اس کا پورا چہرہ آنسوؤں سے تر ہو چکا تھا۔اس نے اپنی آنکھیں بند کر لیں اور اپنے ہاتھوں کو پھیلا کے درود شریف پڑھنے لگا کہ ایک لڑکی کالی چادر اوڑھے مزار شریف پر چادر چڑھانے آئی۔عصام نے اپنے ہاتھوں کو اپنے چہرے پر پھیرتے ہوئے آنکھیں کھولیں تو اس لڑکی کو دیکھ کر وہ ساکت ہو گیا۔وہ ماہ لقاء تھی۔

وہ آنکھیں جھکائے مزار پر چادر چڑھا رہی تھی۔عصام کی نظریں اس کے چہرے پر ٹھہر گئیں۔لیکن ماہ لقاء نے اپنی نگاہیں اٹھائیں تو عصام نے دعا کے سے انداز میں اپنا چہرہ چھپا لیا۔ماہ لقاء دعا مانگ کے وہاں سے اٹھ گئی۔عصام مردوں کے راستے سے باہر نکل کے دوسری جانب بڑھا جہاں خواتین تھیں۔اس کی بے چین نظریں ماہ لقاء کو ڈھونڈنے لگیں۔اس کی نظریں ماہ لقا پر پڑی تو اضطراب کی ایک لہر اس کے پورے وجود میں دوڑ گئی۔ اس کے دل کے نہاں خانے میں یہ خواہش ابھری کہ وہ آگے بڑھ کے ماہ لقا سے بات کرے۔اس خواہش کے زیر اثر وہ ماہ لقا کی طرف بڑھنے لگا لیکن پھر اچانک اس کے گرد کھینچے ہوئے مجبوریوں کے ہالے نے اس کے قدم روک دیئے۔لیکن اس کی بے بس نظریں ماہ لقا کی طرف ہی لگی ہوئی تھیں۔وہ جہاں جہاں سے گزر رہی تھی، عصام بے اختیار اس کا تعاقب کر رہا تھا۔یہ لمحے اس کے لئے نایاب تھے۔وہ ان لمحوں کو کھونا نہیں چاہتا تھا لیکن یہ لمحے ریت کی طرح اس کے ہاتھ سے پھسل رہے تھے۔بالآخر ماہ لقا عورتوں کی بھیڑ میں کہیں غائب ہو گئی اور عصام اسے ڈھونڈتا ہی رہ گیا۔

ماہ لقاء اس کی نظروں سے اوجھل ہوئی تو اس نے دربار کے باہر تک اسے تلاش کیا لیکن اسے کچھ علم نہیں ہوا کہ وہ کب دربار سے باہر نکلی اور کب چلی گئی۔عصام دیکھنا چاہتا تھا کہ وہ کس کے ساتھ آئی ہے۔وہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ وہ لاہور کہاں رہ رہی ہے۔لیکن قسمت کی ستم ظریفی نے یہ موقع عصام سے چھین لیا وہ شکست خوردہ

ہو کے وہاں سے چل دیا۔اس نے کراچی کے لئے اپنی سیٹ بک کروائی اور ایک تھکا دینے والے سفر کے بعد وہ کراچی پہنچ گیا۔

☆.....☆.....☆

دوپہر کے تین بج رہے تھے۔ساشا اپنے کچن میں اپنے لئے کوئی ڈش بنا رہی تھی۔یہ فلیٹ بھی شہباز کی اسی کوٹھی کا حصہ تھا جو شہباز کے کارندوں کی جائے پناہ تھی۔ساشا کو شہباز نے لڑکی ہونے کی وجہ سے یہ الگ تھلگ خوبصورت پورشن دے رکھا تھا۔ساشا نے اپنے لئے تھوڑا سا چکن روسٹ کیا اور اسے ٹی وی لاؤنج میں بیٹھ کر کھانے لگی کہ دروازے پر دستک ہوئی۔

''کون ہے آجاؤ۔'' ساشا نے اپنی جگہ پہ بیٹھے بیٹھے کہا۔دروازہ کھلا تو کینفر کمرے میں داخل ہوا۔اسے دیکھ کر ساشا کے چہرے پر غصے کے تاثرات ابھرنے لگے۔ساشا نے سرد مہری سے پوچھا۔

''کیا کام ہے؟''

''کیوں میں تمہارے پاس کسی کام کے بغیر نہیں آسکتا۔'' کینفر نے شیطانی مسکراہٹ بکھیرتے ہوئے کہا۔

''نہیں تم میرے فلیٹ میں بغیر کسی کام کے نہیں آسکتے۔تمہارے ساتھ کام کے حوالے سے تعلق رکھنا میری مجبوری ہے ورنہ میں تو اس کی بھی روادار نہیں۔'' ساشا کی پیشانی پر غصے کی لکیریں کھنچ گئیں۔

''تم اپنے آپ کو سمجھتی کیا ہو۔چیونٹی کی سی حیثیت ہے تمہاری میرے آگے۔کیا تم میری اپروچ کو نہیں جانتی۔جرم کی دنیا میں میرا ایک نام ہے اور اس عصام میں ایسے کون سے سرخاب کے پر لگے ہیں جو تم نے اسے سر چڑھا رکھا ہے۔'' کینفر کا لہجہ انتہائی سخت ہو گیا۔

''بکواس بند کرو۔خبردار میں عصام کے خلاف ایک لفظ بھی نہیں سن سکتی۔مانا کہ تمہارے ریسیورز ہم سے زیادہ ہیں لیکن کمزور میں اور عصام بھی نہیں ہیں۔تم ہمیں مت للکارو ورنہ کسی کو تمہارے وجود کا نام نشان تک نہ ملے گا۔'' ساشا کی بات نے کینفر کے اندر آگ بھڑکا دی۔غصے کی شدت سے اس کا چہرہ تپنے لگا۔

''تم کہتی ہو کہ عصام کے خلاف ایک لفظ نہیں سن سکتی۔اپنے اس طرح کے جملوں سے مجھے غصہ مت دلاؤ۔میں بہت غلط چیز ہوں۔عصام کی لاش تمہیں تحفے میں دے دوں گا۔'' ساشا نے کینفر کے زبان سے یہ لفظ سنے تو

اس نے طیش میں آ کر اس کے چہرے پہ ایک تھپڑ رسید کر دیا۔

کینفر کے پورے بدن میں جیسے ایک کرنٹ سا دوڑ گیا اس نے جھٹ سے پستول نکالی اور ساشا کی کنپٹی پر رکھ دی۔ عین اسی وقت دروازے کے قریب سے شہباز اور عصام کی باتوں کی آواز سنائی دی۔ کینفر نے ان کی آوازیں سنیں تو اس نے فوراً اپنی پستول واپس اپنی پاکٹ میں رکھ لی۔

''اس تھپڑ کا جواب میں تمہیں ضرور دوں گا۔'' اتنی دیر میں شہباز اور عصام کمرے میں داخل ہوئے۔ عصام نے کینفر کو وہاں موجود پایا تو اسے اچھا نہیں لگا۔ اس نے ساشا کے چہرے کی طرف دیکھا تو اس کی پیشانی پر غصے کی لکیریں ابھی تک موجود تھیں۔

شہباز نے کینفر کی طرف دیکھا۔

''چلو اچھا ہوا کہ تم بھی ہمیں یہیں مل گئے۔'' پھر شہباز ساشا اور عصام کی طرف متوجہ ہوا۔

''کینفر نے پارٹی میں مجھے ایک شخص سے متعارف کروایا۔ اس شخص کا نام ہے، پاشا خان۔ وہ سمگلنگ کرتا ہے۔ اس کی مدد سے ہم اپنے بہت سے کام نکال سکتے ہیں اور یہ جاب کینفر کے ذمے ہے کہ کوئی چیز یعنی اسلحہ بیرون ملک سے ہم تک کیسے پہنچ سکتا ہے۔ کینفر کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ یہ ایسے رسکی کام بہت ہوشیاری سے کرتا ہے۔ تم دونوں کو کوئی مناسب وقت نکال کے میں پاشا خان سے ملواؤں گا۔

ساشا! ایک زبردست سودا ہمارے ہاتھ لگا ہے۔ پاشا خان اپنا کچھ مال بیرون ملک بھیجنا چاہتا ہے۔ میں نے اس کے ساتھ پارٹنر شپ کر لی ہے۔ اب اس کا وہ مال ہم بیرون ملک بھیجیں گے اور اس بار یہ مال لے کر کینفر نہیں۔ تم جاؤں گی۔''

''شہباز صاحب میں! مجھے تو اس کام کا کوئی تجربہ نہیں ہے۔'' ساشا نے ہچکچاتے ہوئے کہا۔ عصام نے بھی ساشا کی بات کی تائید کی۔

''شہباز صاحب! کینفر تو اس طرح کے کام آسانی سے کر لیتا ہے لیکن ساشا سے کوئی بھی غلطی ہو سکتی ہے۔''

''ساشا نہ صرف پر اعتماد شخصیت کی مالک ہے بلکہ حالات کی جانچ بھی رکھتی ہے۔ باقی ہم لوگوں کا انتظام ایسا ہے کہ ساشا بالکل بھی ٹریپ نہیں ہو سکتی۔'' شہباز کی بات سن کے عصام خاموش ہو گیا لیکن دل سے وہ اس

بات کے لئے قطعاً تیار نہیں تھا۔

کچھ دیر بعد شہباز اور کینفر وہاں سے چلے گئے۔ ان کے جانے کے بعد عصام ساشا سے مخاطب ہوا۔

''تم شہباز کے سامنے انکار نہیں کر سکتی تھی۔ اگر تم انہیں صاف صاف انکار کر دیتی تو وہ خود ہی کسی دوسری لڑکی کا بندوبست کر لیتے۔ جانتی ہوں جو مال وہ تمہیں لے جانے کے لئے کہہ رہے ہیں، وہ کیا ہے، چرس اور ہیروئن۔ اگر خدانخواستہ پولیس کی نظر میں آ گئی تو تمہیں کوئی نہیں بچا سکے گا۔'' عصام کے لہجے میں انتہائی جذباتیت اور اپنا پن تھا۔

''پکڑ گئی تو کیا ہوگا۔ مجھے سزا ہو جائے گی۔ میرا کون سا کوئی آگے پیچھے ہے۔ میں تو بالکل لاوارث ہوں۔ اسی لئے شہباز کی بات میں نے آرام سے مان لی۔'' ساشا کی آواز میں ایک عجیب سا درد امڈ آیا۔

ساشا کی بات سن کے عصام کا دل اکٹھا سا ہو گیا۔ وہ ساشا کے قریب بیٹھ گیا۔

''یہ تم نے کیسی بات کہہ دی۔ جانتی ہوں تمہیں ذرا سی تکلیف ہو تو اس کا درد میں محسوس کرتا ہوں اگر تمہارا کوئی رشتہ دار نہیں ہے تو کیا ہوا، میں تو ہوں نا۔ دوستی میں اگر جذبے سچے اور مضبوط ہوں تو وہ بھی ایک اٹوٹ رشتہ بن جاتا ہے۔ بات تو جذبوں کی ہے اور میں تمہیں کسی تکلیف میں نہیں دیکھ سکتا۔''

عصام کی بات سن کے ساشا کی آنکھوں میں ایک عجیب سی چمک آ گئی۔ اس نے دل میں کہا۔

''چلو دوستی کے جذبے سے ہی سہی تمہارے دل میں میرے لئے جگہ تو ہے۔''

''اب احساس ہوا ہے کہ ایسی بات سن کر کتنی اذیت پہنچتی ہے تم نے بھی تو اس روز بہت آسانی سے اپنی موت کی بات کہہ دی تھی۔''

''اچھا تو جناب نے مجھ سے بدلہ لیا ہے۔ اب بتاؤ شہباز کو جانے سے انکار کر دو گی ناں۔''

''عصام! میں شہباز کے سامنے ہاں کہہ چکی ہوں۔ مجھے صرف اس بار جانے دو میں محتاط رہوں گی۔ پرومیس آئندہ اس کام کے لئے حامی نہیں بھروں گی۔ اب منع کروں گی تو وہ صاف سمجھ جائے گا کہ یہ ہم دونوں کی ملی بھگت ہے۔'' ساشا نے عصام کو قائل کرنے کی کوشش کی۔

''لیکن ساشا.....'' ابھی الفاظ عصام کے منہ ہی میں تھے کہ وہ بولی۔

''پلیز اس بار جانے دو۔''

ساشا کی ضد کے باوجود عصام اسے روکتا رہا لیکن ساشا نے اس کی بات نہیں مانی اور دو روز کے بعد وہ پاشا کا مال لے کر بیرون ملک روانہ ہوگئی۔ شہباز کا بندوبست ایسا تھا کہ ائیر پورٹ سے اس کا مال بآسانی چیک آؤٹ ہوگیا۔ لیکن جب وہ بیرون ملک ائیر پورٹ پر پہنچی تو اسے ایک عجیب سی گھبراہٹ محسوس ہونے لگی۔ طرح طرح کے خیال اس کا حوصلہ توڑنے لگے لیکن اس کے چہرے پر ایسے کوئی تاثرات نہیں تھے۔ وہ نہایت پراعتماد انداز سے اپنا سامان لے کر کسٹم آفیسرز کی طرف بڑھی لیکن جب اس کا سامان چیک ہونے لگا تو اس کے دل کی دھڑکنیں تیز ہوگئیں۔

خوف کی ایک لہر نے اس کے دل و دماغ میں ایک ہلچل سی مچادی۔ لیکن کچھ دیر بعد اس کا سارا خوف ہوا ہو گیا۔ اسے اپنا سامان لے کر جانے کی اجازت مل گئی۔ وہ خود بھی نہیں جانتی تھی کہ پاشا اور شہباز نے اس مال کو کس انداز سے محفوظ کیا ہے۔

وہ اپنے سامان ٹرالی میں رکھے ائیر پورٹ سے باہر نکل رہی تھی کہ اس کے موبائل کی رنگ ہوئی۔ اس نے موبائل سنا تو وہ عصام کی کال تھی۔

''ساشا! مال چیک ہوگیا ہے۔''

''ہاں سب کچھ ٹھیک ہے۔ میں اس خطرناک مرحلے سے باہر آگئی ہوں۔''

''Thank good'' عصام نے تسکین کی آہ بھری۔ ''اب واپسی کا پروگرام کب تک ہے۔''

''میں یہاں تین چار روز ٹھہروں گی۔'' ساشا نے کہا۔۔

''اپنا خیال رکھنا اور مجھ Contact رکھنا کہ کہاں ٹھہر رہی ہو۔''

''میں تمہیں فون کر کے بتادوں گی اور جب تک میں نہ آجاؤں شہباز کے کسی بھی مشن کے لئے حامی نہ بھرنا۔ کیفر سے بھی محتاط رہنا۔ وہ آج کل تمہارا دشمن بنا ہوا ہے۔'' ساشا نے عصام کو سمجھایا۔

''وہ میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ تم اپنا دھیان رکھنا۔'' یہ کہہ کر عصام نے فون بند کردیا۔

☆.....☆.....☆

ساشا کے بغیر عصام خود کو بہت اکیلا محسوس کر رہا تھا۔ دوپہر کا وقت تھا۔ ہر طرف خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ عصام اپنے کمرے میں بیٹھا ہوا تھا کہ شہباز کا فون آیا اس نے عصام کو ایک ہوٹل میں بلایا۔ شہباز کا فون سنتے ہی عصام اس ہوٹل میں پہنچ گیا۔ شہباز نے اس سے چند نئے پلانز کے متعلق گفتگو کی۔ شہباز سے چند ضروری معاملات پر بات کرنے کے بعد عصام نے اس سے اپنی ذات کے حوالے سے بات کی۔

''سر! آپ نے ہر طرح کے روابط کا کام کینفر کو سونپا ہوا ہے۔ میں اپنے گھر والوں سے نہیں ملتا۔ اگر میں مطمئن رہتا ہوں تو صرف اس رابطے کی وجہ سے جو میرے اور میرے گھر والوں کا کینفر کی وجہ سے ہوتا ہے۔ کینفر کا مجھ سے اور ساشا سے کچھ اختلاف ہے۔''

''کیوں؟'' شہباز نے پوچھا۔

''میں اس کی وجہ نہیں جانتا۔ بس آپ سے یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ آپ کینفر سے مطمئن ہیں کہ وہ اپنی ڈیوٹی ان اختلافات کو نہیں لائے گا۔'' عصام نے شہباز سے کہا۔

''اس کے اختلافات تم سے اور ساشا سے جتنے بھی بڑھ جائیں وہ ان معاملات میں کسی قسم کی گڑبڑ نہیں کر سکتا کیونکہ اپنی اس جاب میں وہ میرا جواب دہ ہے اور عصام ایک بات جو میں کینفر کو بھی سمجھاؤں گا۔ تم بھی سمجھ لو۔ ہم سب ایک ہی زنجیر میں ایک دوسرے کے ساتھ بندھے ہوئے ہیں۔ اگر ہم ایک دوسرے کو نقصان پہنچانے لگے تو ہم سب تباہ ہو جائیں گے۔''

عصام مثبت انداز میں اپنے سر کو ہلاتے ہوئے کھڑا ہو گیا۔

''ٹھیک ہے سر۔ میں تو آپ کی بات کو سمجھ جاؤں گا لیکن آپ کینفر کو سمجھا دیں۔'' یہ کہہ کر عصام وہاں سے چلا گیا۔

شہباز کے کہنے کے مطابق وہ شہباز کی کوٹھی گیا اور اس کی کوٹھی کے تہہ خانے میں پڑے ہوئے اسلحے کو کاؤنٹ کرنے لگا۔ اس کام سے فارغ ہونے کے بعد جب وہ اپنے فلیٹ پہنچا تو رات کے گیارہ بج چکے تھے۔

عصام بہت تھک چکا تھا۔ وہ اپنے بازوؤں کو پیچھے کی طرف اکڑاتے ہوئے صوفے پر دراز ہو گیا۔ کچھ دیر تک وہ آنکھیں بند کئے سر کو صوفے کی پشت سے ٹکائے سکون لیتا رہا پھر کچن میں جا کے اس نے ایک کپ چائے

بنائی اور اپنے کمرے میں بیٹھ کے چائے پینے لگا۔

وہ کچھ سوچتے ہوئے اپنے خالی کمروں کی طرف دیکھ رہا تھا۔ وہ کچھ دیر ایسے کچھ سوچتا رہا اور پھر کہیں کھو گیا شاید وہ سوچ رہا تھا کہ تنہائی کا زہر اس شخص کے لئے کتنا اذیت ناک ہوتا ہے جس کا ماضی غم اور دکھ سے بھرا ہو۔ یا جس کے دل پر کسی کے قدموں کے نشان ہوں۔ اس اذیت ناک تنہائی میں وہ خود سے بھاگ نہیں سکا تھا۔ ماضی کے تلخ واقعات اور یادوں کی پرچھائیوں نے اسے اپنے حصار میں لے لیا۔ گھر والوں کے ساتھ ساتھ وہ پل بھر کے لئے ماہ لقاء کو بھی نہیں بھلا سکا تھا۔ اس نے اپنی الماری سے لیٹر پیڈ نکالا اور اپنی ماں کو خط لکھنے لگا۔ اس نے اپنے دل کی تمام باتیں اس خط میں لکھ دیں۔

ساشا چار روز کے بعد واپس آ رہی تھی۔ عصام اسے رسیو کرنے کے لئے پہلے ہی سے ائیر پورٹ پہ موجود تھا۔ ساشا نے عصام کو ائیر پورٹ پر دیکھا تو اس کے چہرے پر خوشی بکھر گئی۔ عصام گاڑی خود ڈرائیو کر رہا تھا۔

''چار دن کے لئے کیا گئی تھی یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے پورے مہینے کے لئے چلی گئی ہو۔ تمہارا بھی ادھر بہت دل لگ گیا تھا۔ آنے کو جی ہی نہیں چاہ رہا تھا۔'' ساشا کو عصام کا اس طرح شکوے کرنا بہت اچھا لگ رہا تھا۔ وہ عصام کی طرف دیکھ کر مسلسل مسکرا رہی تھی۔

''میں نے سوچا کہ جب آئی ہوں تو تھوڑی سی سیر ہی کر لوں۔ ورنہ میرا وہاں کون ہے جو میرا ادھر دل لگ جائے گا۔ میرا تو سب کچھ یہاں ہے۔'' ساشا نے ترچھی نظر سے عصام کی طرف دیکھا۔ وہ دونوں کافی دیر باتیں کرتے رہے..... ساشا نے محسوس کیا کہ عصام گاڑی شہباز کی کوٹھی کی طرف لے جانے کے بجائے کسی اور رستے لے جا رہا ہے۔

''عصام! یہ تم مجھے کہاں لے جا رہے ہو؟'' ساشا نے تعجب سے پوچھا۔

''میں تمہیں اپنے فلیٹ لے کر جا رہا ہوں۔ آج تم میری مہمان ہو کھانا میرے ساتھ کھاؤ گی۔''

عصام کے چہرے پر عجیب سی خوشی تھی۔ ساشا نے عصام کے چہرے پر اس طرح کی رونق بہت کم دیکھی تھی۔ اس کا دل چاہ رہا تھا کہ یہ لمحے طویل ہو جائیں۔ جب عصام نے اپنے اندر کوئی خوشی محسوس کی ہے۔ یہ شاید قدرتی عمل تھا۔ عصام نے اپنے فلیٹ کے آگے گاڑی روکی وہ دونوں گاڑی سے باہر آ گئے۔ عصام نے

جیب سے چابی نکال کے اپنے فلیٹ کا قفل کھولا۔ وہ دونوں اندر داخل ہوئے تو اس کے فلیٹ کے سارے کمروں کی لائٹس آن تھیں اس کا پورا فلیٹ روشنیوں سے جگمگا رہا تھا۔ ساشا کو محسوس ہو رہا تھا جیسے اس گھر کی ہر چیز اس کا انتظار کر رہی تھی۔

''تم بیٹھو! میں ابھی آیا۔'' یہ کہہ کر عصام کچن کی طرف گیا اور تھوڑی دیر کے بعد وہ کولڈ ڈرنکس لے آیا۔ وہ کولڈ ڈرنکس پینے لگے۔

ساشا نے اس سے بیتے ہوئے چار دنوں کے بارے میں پوچھا۔

''شہباز نے چند منصوبے تیار کئے ہیں لیکن ابھی تک کسی پر عمل درآمد نہیں کیا۔'' عصام نے ساشا سے کہا۔ وہ دونوں کافی دیر تک باتیں کرتے رہے ساشا اس طرح کی گفتگو سے پرہیز کر رہی تھی جس سے عصام سنجیدہ ہو کیونکہ عصام کو اس طرح خوش دیکھ کر وہ اپنے اندر خوشی محسوس کر رہی تھی۔

عصام نے گھڑی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''میرا خیال ہے کہ کھانا کھالیں۔ شہباز ہمارا انتظار کر رہا ہوں گا۔''

''تم نے یہ نہیں بتایا کہ ہم سیدھا اس کے پاس نہیں جائیں گے۔''

''تم اس کی بات چھوڑو..... بس ہم کھانا کھا کے چلیں جائیں گے۔'' یہ کہہ کر عصام ساشا کے پاس سے اٹھ گیا اور کچن کی طرف بڑھا ساشا بھی اس کے پیچھے پیچھے کچن میں چلی گئی۔

عصام نے چولہے میں آگ جلائی اور کھانا گرم کرنے لگا۔ ساشا نے کچن میں تیار کی ہوئی ڈشز دیکھیں تو اس نے تعجب خیز نگاہوں سے عصام کی طرف دیکھا۔

''لیکن یہ سارا کھانا بنایا کس نے۔''

''میں نے اور کس نے۔'' عصام نے دیگچی میں چمچ ہلاتے ہوئے کہا۔

''تمہیں یہ سب کچھ آتا ہے۔'' ساشا کی جیسے ہنسی چھوٹ گئی۔

عصام ساشا کے قریب آیا اور سنجیدہ سے لہجے میں کہنے لگا۔

''پکاتے ہوئے یہ نہیں سوچا کہ آتا ہے یا نہیں۔ بس یہ سوچا کہ تمہارے لئے کھانا اپنے ہاتھ سے تیار کروں۔

اب تو جیسا بھی پکا ہے قبول کرنا ہوگا۔'' عصام کی بات سن کر ساشا ہنستے ہنستے یکلخت سنجیدہ ہوگئی۔ اس کی آنکھوں میں ایک عجیب سی محرومی تھی۔ اس نے پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ عصام کی طرف دیکھا۔

''عصام! میری راہوں میں خلوص کے اتنے دیئے نہ جلاؤ کہ میں ان روشنیوں کو اپنا مقدر سمجھنے لگوں۔ میں جانتی ہوں کہ میری کوئی منزل نہیں ہے۔'' عصام نے گہری نظر سے ساشا کی طرف دیکھا۔

''ساشا! انسان اگر زبان سے کچھ نہ بھی کہے تو بھی یہ ان کہے جذبے کسی نہ کسی انداز میں عیاں ہو جاتے ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ کوئی ان سے جان بوجھ کر بے بہرہ ہو جائے۔'' یہ کہہ کر عصام ساشا کا ہاتھ پکڑے اسے کمرے تک لے آیا اور اسے صوفے پر بٹھا کے خود اس کے قریب بیٹھ گیا اور اپنی ادھوری بات مکمل کرنے لگا۔

''ساشا! جو جذبہ میں نے تمہاری آنکھوں میں دیکھا ہے اس کا شاید میری پاس کوئی جواب نہیں ہے۔ لیکن تمہیں اتنا بتادوں کہ جو جذبہ میرے دل میں تمہارے لئے ہے اس میں خلوص اسی جذبے سے بڑھ کر ہے جو تم میرے دل میں پیدا کرنا چاہتی ہو۔ تم دوستی کے اس جذبے کو آزما کے دیکھ لو۔ جان مانگو گی تو وہ بھی دے دوں گا۔''

''مجھے معلوم ہے تمہارے پاس سب سے سستی چیز یہی ہے۔'' ساشا نے اس کی بات مذاق میں ٹالتے ہوئے اس کے سر پر کشن دے مارا۔

''او، میں نے تو چولہے پر سالن رکھا ہوا ہے۔'' عصام تیزی سے کچن کی طرف بڑھا۔

ان دونوں نے مل کر کھانا لگایا اور اکٹھے بیٹھ کے کھانا کھانے لگے۔ عصام کا پکایا ہوا کھانا مزیدار تو نہیں تھا لیکن کھانے کے قابل تھا۔ ساشا کے لئے یہی بات بہت بڑی تھی کہ عصام نے اس کے لئے یہ کھانا اپنے ہاتھوں سے تیار کیا ہے۔ کھانے سے فارغ ہونے کے بعد ساشا نے اپنی پلیٹ میں تھوڑا سا زردہ لیا اور سٹینڈ میں سے چمچ اٹھاتے ہوئے بولی۔

''واہ بھئی زردے کی شکل تو بہت زبردست ہے۔ ذائقہ بھی لاجواب ہوگا۔'' یہ کہہ کر اس نے زردے کا ایک چمچ لیا۔ لیکن جونہی اس نے یہ چمچ منہ میں ڈالا وہ دم بخود رہ گئی۔ اس کا منہ بند کا بند ہی رہ گیا۔ نوالہ اس کے حلق میں ہی اٹک کے رہ گیا۔ اسے کچھ سمجھ نہیں آرہا تھا کہ وہ یہ نوالہ کیسے زہر مار کرے لیکن پھر اس نے اپنی آنکھیں بند کرتے ہوئے زردے کا نوالہ زہر مار کرلیا۔ عصام نے اس کی یہ کیفیت دیکھی تو پوچھا۔

''کیا ہوا۔''

ساشا نے اپنے بگڑے ہوئے چہرے پر مصنوعی مسکراہٹ لاتے ہوئے کہا۔

''کچھ نہیں وہ گلے میں کچھ پھنس گیا تھا۔''

عصام نے پانی کا گلاس ساشا کے ہاتھ میں تھما دیا۔ ساشا کو بھی پانی پی کر جیسے سکون مل گیا۔ عصام نے بھی بہت اشتیاق سے اپنی پلیٹ میں زردہ ڈالا لیکن جونہی اس نے زردے کا ایک نوالہ لیا اس کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ وہ منہ پر ہاتھ رکھ کر کچن کی طرف دوڑا۔ اور ڈسٹ بن میں نوالہ تھوکتے ہوئے پانی کا بھرا گلاس غٹا غٹ پی گیا اور ساشا کے قریب آ کے اس کی طرف حیران کن نگاہوں سے دیکھتے ہوئے پوچھنے لگا۔

''یہ زردے میں کیا تھا۔'' ساشا نے ہنستے ہوئے عصام کی طرف دیکھا۔

''یہ سوال تو مجھے تم سے پوچھنا چاہئے۔ کہ تم نے زردے میں کیا ڈالا ہے۔'' عصام ساشا کے قریب بیٹھ گیا اور کچھ سوچتے ہوئے بولا۔

''میں نے زردے میں چینی ڈالی ہے گھی ڈالا ہے ہاں البتہ.....'' عصام نے اپنے ہونٹوں پہ انگلی رکھ لی۔

''البتہ کیا.....'' ساشا نے تجسس سے پوچھا۔

''وہ مجھے زردے کا رنگ نہیں ملا تھا تو میں نے رنگ دینے کے لئے زردے کے رنگ کی جگہ پانی میں ہلدی ڈال دی تھی۔'' عصام کی اس بات پر ساشا کی ہنسی چھوٹ گئی۔

''تم نے زردے کے رنگ کی جگہ ہلدی ڈال دی۔ اوہ میرے خدایا، تمہارا یہ آج کا ڈنر مجھے نہیں بھولے گا۔'' ساشا عصام کی حماقت پر ہنس رہی تھی کہ اس کے موبائل کی گھنٹی ہوئی اس نے موبائل سنا تو وہ شہباز کی کال تھی۔ ساشا نے شہباز کی بات سننے کے بعد اسے کہا۔

''سر! میں عصام کے ساتھ اس کے فلیٹ میں ہوں بس ابھی دو تین منٹ تک ہم نکل رہے ہیں۔'' ساشا موبائل بند کر کے عصام سے مخاطب ہوئی۔

''شہباز کہہ رہا ہے کہ اس نے کہیں جانا ہے۔ وہ ہمارا انتظار کر رہا ہے۔'' یہ کہہ کر ساشا نے برتن اٹھانا شروع کئے۔ دو تین منٹ تک وہ دونوں وہاں سے نکل گئے۔ وہ دونوں شہباز کے پاس پہنچے تو شہباز نے ان کے لئے

کھانے کا بہترین انتظام کیا ہوا تھا۔ کینفر بھی وہیں موجود تھا۔ وہ ان دونوں سے بہت اخلاق سے ملا۔ یہ بھی اس کا ایک روپ تھا۔ اس کے کئی روپ تھے۔ ساشا اسے اچھی طرح سے جانتی تھی۔ اس لئے وہ اس کے کسی جھانسے میں نہیں آتی تھی۔ ساشا نے جب شہباز کو بتایا کہ اس نے عصام کے ساتھ کھانا کھالیا ہے تو کینفر دل ہی دل میں جل بھن گیا۔ شہباز نے پورے ملک میں خفیہ اڈوں کا جال پھیلا رکھا تھا۔ یہ کام وہ اکیلے نہیں کر رہا تھا اس کے پیچھے کئی لوگوں کے ہاتھ تھے جنہوں نے دولت بٹورنے کے لئے اپنے ہی ملک میں اموات کا سلسلہ شروع کر دیا تھا۔ شہباز بیک وقت کئی دہشت گرد تنظیموں کی سرپرستی کر رہا تھا اسے اس مقصد کے لئے ملک دشمنوں کا تعاون بھی حاصل تھا۔ شہباز جیسی سپر طاقت کے آگے عصام کی حیثیت چیونٹی کی سی تھی وہ اس کے پھیلائے ہوئے جال سے کسی صورت نہیں نکل سکتا تھا۔

شہباز نے ساشا اور عصام کو بلایا وہ دونوں اس کے بلانے پر اس تک پہنچ گئے۔ شہباز نے عصام سے کہا۔

''عصام تمہیں ساشا کو ساتھ لے کے کھنڈر جانا ہوگا۔''

یہ کھنڈر ایک ویران جنگل میں تھا جہاں دور تک کوئی آبادی نہیں تھی۔ کھنڈر کے نیچے ایک تہہ خانہ تھا جو شہباز کا زبردست خفیہ اڈہ تھا۔ اس اڈے میں خطرناک اسلحہ محفوظ تھا۔ مختلف معاملات کے لئے کمپیوٹرز سیٹ تھے۔ ساشا کمپیوٹر پروگرامز میں ماہر تھی۔ اس اڈے میں مہلک بم جیسے خطرناک ہتھیار بھی موجود تھے۔

عصام شہباز کے کہنے کے مطابق ساشا کو لے کر وہاں سے روانہ ہو گیا۔

کینفر شہباز کے ساتھ تھا عصام اور ساشا کے جانے کے بعد کینفر نے قدرے تلخ انداز میں شہباز سے کہا۔

''آپ ہر کام کے لئے ان دونوں کو اکٹھا کیوں بھیجتے ہیں۔'' شہباز نے کینفر کی اس بات پر اسے غصے بھری نظروں سے سرتاپا دیکھا۔

''مجھے کسی مشورے کی ضرورت نہیں اور میری ایک بات کان کھول کر سن لو۔ عصام اور ساشا کے لئے تمہارے دل میں جو بھی غبار ہے اسے نکال دو۔ ہمیں دوستی اور مفاہمت سے ایک دوسرے کے ساتھ چلنا ہے۔''

''ٹھیک ہے سر! میں کوشش کروں گا لیکن آپ کو اتنا بتا دوں کہ ان دونوں کی وجہ سے آپ کو کبھی نہ کبھی نقصان ضرور پہنچے گا۔'' کینفر نے شہباز سے کہا۔

شہباز کنیفر کی اس بات پہ استہزاہیہ انداز میں مسکرایا۔

''تم اس کی فکر نہ کرو وہ دونوں مجھے کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے۔ وہ جانتے ہیں کہ مجھ سے فرار کا ہر راستہ ان کی موت کی طرف جاتا ہے۔'' یہ کہہ کر شہباز نے ٹیبل سے گاڑی کی چابی اٹھائی اور وہاں سے چل دیا۔

عصام اور ساشا کھنڈر پہنچے یہ جگہ بالکل ویران تھی۔ شام کا وقت تھا سورج غروب ہونے کے بعد دن کی تیز روشنی دھیمی دھیمی روشنی میں بدل گئی تھی عصام نے کھنڈر کی ٹوٹی پھوٹی دیوار پر خفیہ شو بورڈ تلاش کیا اور اس پر چند مخصوص کوڈ نمبر دبائے جس سے کھنڈر کے پتھریلے فرش کے ایکجانب سے اس کے نیچے موجود تہہ خانے کا دروازہ کھل گیا۔ عصام اور ساشا ایک سیڑھی کے ذریعے اس تہہ خانے میں اتر گئے۔ اندر ایک خاص سسٹم کے ذریعے عصام نے تہہ خانے کا دروازہ بند کر دیا اور تہہ خانے کی لائٹ آن کر دی۔

عصام ایک الماری کی طرف بڑھا۔ اس میں کچھ الیکٹرک کا سامان تھا۔ جن میں سے کچھ اشیاء کافی عرصے سے استعمال نہیں ہوئی تھیں۔ عصام نے وہ اشیاء الماری سے نکال کر ٹیبل پر رکھیں اور انہیں چیک کرنے لگا۔

ساشا کمپیوٹر سیٹ کی طرف بڑھی اس کے ہاتھ میں فلاپی تھی۔ اس نے فلاپی کمپیوٹر میں لگائی کچھ ہی دیر میں ایک لسٹ کمپیوٹر کے ڈیسک ٹاپ پر آ گئی اس لسٹ میں ان ہتھیاروں کے نام اور ان کے ماڈل تھے جو شہباز کے ڈیلر نے اسے بھجوائے تھے۔

ساشا نے اس لسٹ کو پرنٹ کیا۔ عصام اپنا کام چھوڑ کر ساشا کے قریب آیا اور اپنے ہاتھ اس کی چیئر پر رکھتے ہوئے اس کے کام کا جائزہ لینے لگا۔

''کتنا کام رہ گیا ہے۔''

''بس تھوڑا سا کام ہے۔''

''وہ تو تم پھر کبھی بھی کر سکتی ہو۔''

''تم اپنا کام کرو اتنی دیر میں، میں یہ کام کر لوں گی۔'' ساشا یہ کہہ کے دوبارہ اپنے کام میں مصروف ہو گئی۔

ساشا اپنے کام میں مگن تھی کہ اس کے موبائل کی رنگ ہوئی۔ اسنے موبائل اٹینڈ کیا تو شہباز لائن پر تھا وہ ساشا کو چند ضروری باتیں سمجھانے لگا۔ پھر اس کے بعد اس نے عصام کے لئے پیغام دیا۔ ساشا نے او کے کہتے

ہوئے موبائل بند کیا اور دوبارہ اپنے کام میں مصروف ہوگئی۔ عصام تیزی سے اس کے قریب آیا۔

''کیا کہہ رہا تھا شہباز؟''

''تمہارے لئے میسج ہے کہ جو کل مال آیا ہے اس کا بغور جائزہ لو کسی ہتھیار میں کوئی خرابی تو نہیں ہے۔'' ساشا عصام سے بات کر رہی تھی لیکن اس کی نظریں ڈیسک ٹاپ پر تھیں۔

''شہباز کو بھی چین نہیں ہے۔ مجھے معلوم ہے کہ مجھے کیا کرنا ہے۔'' عصام نے ترش روئی سے کہا۔ ساشا اپنے کام میں گم تھی۔ اس نے ایک پروگرام اوپن کیا اور شہباز کے ڈیلر شپ کے کھاتوں میں بل چیک کرنے لگی۔ ان دونوں نے تیزی سے اپنا کام ختم کیا اور وہاں سے نکل پڑے۔

☆.....☆.....☆

عصام، شہباز کی کوٹھی کے ایک کمرے میں اکیلا بیٹھا ہوا تھا کہ کینفر اس کمرے میں داخل ہوا۔ اور عصام کی طرف بڑھا اس کے ہاتھ میں ایک لفافہ تھا۔''

''یہ تمہاری والدہ کا لیٹر ہے۔'' عصام کے اندر خوشی کی ایک لہر دوڑ گئی۔ اس نے تیزی سے کینفر کے ہاتھ سے وہ لیٹر لے لیا۔ کینفر واپس چلا گیا۔

عصام نے خط سینے سے لگا لیا۔ اسے خط سے اپنی ماں کے لمس کی خوشبو آ رہی تھی۔ پھر اس نے خط کو بوسہ دے کر اس کے تقدس کو محسوس کیا اس نے خط کھولا اور پڑھنا شروع کیا۔ وہ جوں جوں لیٹر پڑھتا جا رہا تھا، اپنوں کی طرف اتنا ہی کھینچا چلا جا رہا تھا۔ رفتہ رفتہ وہ اپنوں کی قربت اس طرح محسوس کر رہا تھا گویا کہ وہ ان کے بیچ موجود ہو۔ اس کے چہرے سے ایک عجیب سی خوشی چھلک رہی تھی۔ وہ خلوص جو اس خط میں موجود تھا ایک ایسا سچ تھا جو عصام کو اس کی زندگی کا احساس دلا رہا تھا۔ رات کے نو بجے ہوئے تھے۔ عصام اپنے فلیٹ میں اس وقت جاتا تھا جب وہ فارغ ہوتا تھا۔ ورنہ عصام کا اور اس کے گروہ میں جتنے بھی لوگ شامل تھے کا زیادہ وقت شہباز کے اسی اڈے میں گزرتا تھا۔

خط کے پہلے صفحہ پر رفیقہ نے اپنی بیٹیوں کی باتیں لکھی ہوئی تھی اور عصام سے خلوص بھری ڈھیروں باتیں کر رکھی تھیں۔ لیکن جب عصام نے صفحہ پلٹا تو اذیت کی ایک دھار نے اس کا دل چیر کے رکھ دیا۔ اس میں رفیقہ نے

لکھا تھا کہ ماہ لقاء کی شادی کو تو چار سال ہو گئے ہیں اور اسکی والدہ پروین تو ماہ لقاء کی شادی کے ایک سال بعد ہی انتقال کر گئی۔ رفیقہ نے لکھا کہ کوئی غم جو پروین کو اندر ہی اندر کھائے جا رہا تھا جس کا ذکر وہ کسی سے نہیں کرتی تھی آخر حرکت قلب بند ہونے سے اس کا انتقال ہو گیا۔ رفیقہ نے خط میں لکھا کہ ماہ لقاء شادی کے بعد صرف ایک بار ہی اپنی ماں سے ملنے کے لئے آئی پروین کے انتقال کے بعد ماہ لقاء سے دوبارہ ملاقات نہیں ہوئی لیکن اتنا علم ہے کہ اس کی شادی لاہور ہوئی ہے یہ خبر پڑھ کے عصام کرچی کرچی ہو کے رہ گیا۔ غم کے کسی شدت آمیز احساس سے اس کی آنکھیں بھر آئیں۔ اسے یوں محسوس ہوا کہ جیسے زندگی نے ایک بار پھر اس کا مذاق اڑایا ہے۔ کاغذ کے اس بے جان ٹکڑے نے اس پر غم کے پہاڑ توڑ دیئے ہیں۔

عصام کے دل کو ایک عجیب سی گھبراہٹ ہو رہی تھی۔ وہ کمرے سے نکل کے باہر لان میں بیٹھ گیا۔ لان میں لگی ہوئی دھیمی سی لائٹ کی وجہ سے پورے لان میں ہلکے سرخ رنگ کی روشنی بکھری ہوئی تھی۔

عصام ایک درخت کے ساتھ ٹیک لگائے بیٹھا ہوا تھا خط اس کے ہاتھ ہی میں تھا اس کی آنکھوں میں نمی تیر رہی تھی۔ لیکن وہ اپنے آپ سے سوال کرنے لگا کہ اس کا دل اس انسان کے کھو جانے پہ کیوں رو رہا ہے جس کو پانا اس کے بس ہی میں نہیں تھا جس کی جدائی کو وہ بہت پہلے ہی قبول کر چکا تھا۔ لیکن اس کے پاس اپنے سوالوں کا بس ایک ہی جواب تھا کہ جذبے کسی سے اپنا حق چھین تو نہیں سکتے لیکن آنکھوں سے آنسو بن کے تو چھلک سکتے ہیں۔ عصام احساسات کے اس کرب میں اس طرح گم تھا کہ اسے ساشا کے آنے کی بھی خبر نہ ہوئی۔ گو کہ گہری خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ رات کی تاریکی میں آسمان دمکتے ستاروں سے بھرا ہوا تھا۔ دمکتے ستاروں سے بھرے ہوئے آسمان کو دیکھ کے اس زندگی کا خیال آتا ہے جو خوشیوں سے بھری ہو۔

عصام اس جگمگاتے ہوئے آسمان کی طرف دیکھ رہا تھا اس کے دل میں ایک ہوک سی اٹھی اس نے ایک آہ بھری۔ ''مجھ سے تو میری مجبوریوں نے میرا سب کچھ چھین لیا۔''

ساشا نے عصام کی یہ بات سنی تو وہ اس کے قریب بیٹھ گئی۔ ''کیا ہوا ہے عصام! ایسی باتیں کیوں کر رہے ہو۔'' عصام ساشا کو ایک دم اپنے قریب پا کے چونک سا گیا۔

''تم کب آئی؟''

''ابھی آئی ہوں۔ جب تم اپنے آپ سے باتیں کر رہے تھے۔ خیریت تو ہے۔'' ساشا نے کہا۔ عصام نے اپنی مٹھی کو مضبوطی سے بند کرتے ہوئے خط کو چھپالیا۔

''خیریت ہی ہے بس ویسے ہی میری طبیعت آج اداس ہوگئی ہے۔'' عصام نے اپنی سرخ نگاہوں سے ساشا کی طرف دیکھا۔

''تم مجھ سے کچھ چھپا رہے ہو۔'' ساشا نے کہا۔

''نہیں ایسی کوئی بات نہیں۔'' ساشا نے عصام کی بند مٹھی کی طرف دیکھا۔

''یہ تم نے ہاتھ میں کیا چھپا رکھا ہے۔''

''یہ میری امی کا خط ہے۔'' یہ کہہ کے عصام نے خط اپنی جیکٹ کی جیب میں ڈال لیا۔

''میں تمہاری امی کا خط پڑھ سکتی ہوں۔''

''پڑھ کر کیا کروگی۔'' عصام نے ساشا کے چہرے سے نظریں پھیرتے ہوئے کہا۔ جیسے وہ قطعاً نہ چاہتا ہو کہ ساشا یہ خط پڑھے۔

''میں جانتی ہوں کہ کسی کا خط نہیں پڑھنا چاہئے اگر تم مجھے اپنی اچھی دوست سمجھتے ہو تو پھر یہ خط مجھے پڑھنے دو میں دیکھنا چاہتی ہوں کہ اس خط میں ایسی کون سی خاص بات ہے جس نے تمہیں اس قدر رنجیدہ کر دیا ہے۔''

ساشا کی بات سن کے عصام کچھ دیر کے لئے سوچ میں پڑ گیا پھر اس نے ساشا کی طرف دیکھا۔

''چلو اندر کمرے میں چلتے ہیں۔'' وہ دونوں اندر کمرے میں چلے گئے۔ عصام صوفے سے پشت لگا کے قالین پر بیٹھ گیا اور جیب سے خط نکال کر ساشا کو دے دیا۔

ساشا نے خط پڑھنا شروع کیا تو اسے شروع میں ایسی کوئی بات نظر نہیں آئی لیکن جب اس نے صفحہ پلٹا تو ماہ لقاء کے متعلق پڑھ کے اسے کچھ شک سا ہوا۔ کیونکہ خط میں اس کے علاوہ کوئی بھی ایسا موضوع نہیں تھا جس کے متعلق سوچا جا سکے۔

اس نے سوالیہ نظروں سے عصام کی طرف دیکھا۔

''یہ ماہ لقاء کون ہے۔'' ساشا کے سوال پر عصام نے نظریں جھکا دیں۔

''میں اسی لئے تمہیں یہ خط پڑھوانا نہیں چاہتا تھا۔ مجھے معلوم تھا کہ تم یہ خط پڑھنے کے بعد مجھ سے یہی سوال کروگی۔ یہ سوال بہت مشکل ہے۔ تم مجھ سے کچھ نہ پوچھو۔''

''عصام! میں نے تم سے یہ خط اس مان سے پڑھنے کے لئے مانگا تھا کہ تم مجھے اپنے دکھ سکھ کی ساتھی سمجھتے ہو۔ لیکن شاید میں نے غلط سمجھا تھا۔ لیکن عصام یہ احساس تم نے مجھے دلایا ہے کہ ہماری دوستی میں وفا ان جذبوں سے بھی زیادہ ہے جو دلوں کے درمیان ہوتے ہیں تو پھر آج تم کس سوچ میں پڑ گئے ہو۔'' ساشا نے انتہائی جذباتیت سے کہا تو عصام عجیب سے کھوئے کھوئے سے انداز میں ساشا کی بات سنتا رہا اور پھر آہستہ سے بولا۔

''ساشا! سوچ اور ذات تو انسان کے اختیار میں نہیں ہوتے۔ کبھی ہمیں یہ غلط فہمی ہو جاتی ہے کہ ہمیں حالات اور واقعات پر حکمت حاصل ہے اور کبھی یہ گماں ہوتا ہے کہ ہماری ڈور ان حالات کے ہاتھوں میں ہے اور ہم ان کے اشاروں میں کٹھ پتلی کی طرح ناچ رہے ہیں۔''

پھر عصام اپنا ہاتھ سیدھا کر کے لکیروں کی طرف دیکھنے لگا۔ ''ہم ان لکیروں پہ یقین نہیں رکھتے لیکن بعض اوقات یوں لگتا ہے کہ جیسے ہمارا اپنا آپ ان میں کہیں کھو گیا ہے۔''

''تمہاری یہ باتیں درست ہیں لیکن میں یہ نہیں سمجھ پا رہی کہ تم یہ سب کچھ کس حوالے سے کہہ رہے ہو۔ تم مجھے کیا بتانا چاہتے ہو۔'' ساشا کے اس سوال پر عصام سر جھکا کے کچھ سوچنے لگا اور پھر اس نے اپنی نم آلود نظروں سے ساشا کی طرف دیکھا۔

''تم ماہ لقاء کے بارے میں جاننا چاہتی ہو نا۔ تو سنو اس کے اور میرے تعلق کی داستان کوئی لمبی نہیں ہے۔ بس کہنے کو ایک چھوٹی سی بات ہے اور سوچنے میں بہت کچھ ہے۔ ماہ لقاء میرے لئے ایک خواب تھی اور میں جانتا تھا کہ اس خواب کی تعبیر مجھے کبھی نہیں مل سکتی۔ یہ خواب تھا سو ٹوٹ گیا۔'' الفاظ عصام کی زبان سے گھٹ گھٹ کے نکل رہے تھے۔ یہ جملہ کہتے ہوئے جیسے وہ اندر سے ٹوٹ کے رہ گیا۔ اس کی نظریں ایک بار پھر بھیگ گئیں۔ اٹھ پڑا ''بس اب کبھی اس کے متعلق مجھ سے نہ پوچھنا۔''

عصام کمرے سے باہر چلا گیا اور ساشا جہاں بیٹھی تھی وہیں بیٹھی رہ گئی۔ وہ عصام کو حوصلہ دینے آئی تھی لیکن خود شکستہ ہو کر رہ گئی۔ وہ اپنے یکطرفہ جذبوں کی رو میں بہہ رہی تھی۔ اس کی آنکھوں میں آنسو تیر رہے تھے۔ شاید

وہ اپنے دل کا یہ غبار عصام کے سامنے نہ نکال پاتی۔

اس نے اپنا سر پیچھے کی طرف ٹیک دیا اور خود سے باتیں کرنے لگی۔

''واہ ماہ لقاء! تم نے بھی کیا نصیب پایا ہے، کوئی تمہارے لئے رو رہا ہے۔ ایک میں ہوں بدنصیب، جس نے کبھی کسی اپنے کا پیار نہیں دیکھا۔ اپنی ہی خواہش عصام سے منسوب کر کے من ہی من میں سپنوں کا ایک گھر بنا لیا تھا، لیکن شاید میرے مقدر میں یہ سب نہیں تھا۔'' یہ کہتے ہوئے اس نے آنکھیں بند کر لیں۔ وہ اپنے اندر اٹھنے والے شور میں الجھی ہوئی تھی۔ اس کے اندر ایک بحث و تکرار جاری تھی کچھ دیر کے بعد اس نے آنکھیں کھول لیں اور دل میں کہا۔

''عصام میری زندگی کے اندھیروں میں روشنی لے کے داخل ہوا ہے۔ مجھے کسی دوسرے جذبے کی محرومی میں مبتلا ہونے کے بجائے دوستی کی اس روشنی میں ہی سکون ڈھونڈنا چاہئے۔''

شام کے چار بجے تھے۔ شہباز، عصام اور ساشا کے علاوہ دوسرے کارکنوں کے ساتھ بیٹھا چائے پی رہا تھا اور ساتھ ساتھ پروجیکٹر کی مدد سے اپنے ساتھیوں کو ملک کی چند ایسی جگہیں دکھا رہا تھا جنہیں ٹارگٹ بنا کے وہ سینکڑوں لوگوں کی جانیں لے سکتے تھے۔ وہ کارکنوں کے ساتھ مختلف پلانز کا تجزیہ کر رہا تھا۔ ایک گھنٹے کی میٹنگ کے بعد سب لوگ پروجیکٹر ہال سے نکل گئے۔ لیکن جب عصام کمرے سے باہر جانے لگا تو شہباز نے اسے آواز دی۔

''رکو عصام۔'' شہباز نے اپنی جیب سے ایک کارڈ نکالا اور اس کارڈ کو عصام کی طرف بڑھاتے ہوئے کہنے لگا۔ ''تین روز بعد تمہیں پاشا کے گھر جانا ہے۔ یہ اس کا کارڈ ہے۔ اس میں اس کے گھر کا پتہ ہے۔ تمہیں اس تک رقم پہنچانی ہے۔ میری اس سے بات ہو چکی ہے۔ میں ایک ہفتے تک تم لوگوں سے مل نہیں سکوں گا۔ مجھے کہیں جانا ہے۔ تین روز بعد تم اس کام کے لئے لاہور روانہ ہو جانا۔''

رفیقہ دو بیٹیوں کی ذمہ داری سے فارغ ہو چکی تھی۔ اب اس کے سر پر بینش اور رومہ کی ذمہ داری تھی۔ مالی حیثیت کے اعتبار سے اسے اب معاشرے میں ایک مقام حاصل تھا۔ لیکن وہ بیٹے کی قربت کی خوشی سے محروم تھی۔ اس غم میں وہ اندر ہی اندر گھلتی جا رہی تھی۔ سبین اور عائشہ دونوں اپنے گھروں میں بہت خوش تھیں۔ رفیقہ

کے اردگرد خوشیاں ہی خوشیاں تھیں۔ وہ سبین اور عائشہ کے بچوں کی نانی بھی بن چکی تھی۔

پانچ سالوں میں وہ ہر سال عصام کا انتظار کرتی تھی۔ لیکن عصام اس سے ایسی مجبوریاں بیان کرتا کہ وہ خاموش ہو کر رہ جاتی۔ وہ اپنے اکلوتی بیٹے کی خوشیاں دیکھنے کے لئے ترس رہی تھی۔ عصام کے بھیجے ہوئے تحائف کو سینے سے لگا کر رو پڑتی۔

بینش اور رومہ اسے بہت سمجھاتیں۔ بھائی کی کمی وہ چاروں بہنیں محسوس کرتیں لیکن رفیقہ عمر کے اس حصے میں تھی جس میں ذہنی تناؤ مختلف بیماریوں کا سبب بنتا ہے۔ اس لئے وہ پوری کوشش کرتیں کہ رفیقہ خوش رہے۔ لیکن عصام کی کمی کوئی بھی پوری نہیں کر سکتا تھا۔ خاص طور پر ایک ماں کے لئے اولاد کو بھلانا ناممکن ہے۔ رفیقہ کے پاس سوائے یادوں کے اور کچھ بھی نہیں تھا۔ وہ ہر وقت عصام کی باتیں یاد کرتی رہتیں۔ جب اسے یہ خیال آتا کہ تنگ دستی میں ایم اے ہونے کے باوجود عصام نے ان کی خاطر ڈرائیور کی نوکری کی تو اس کی آنکھیں بھر آتیں۔ وہ ہر سال کا انتظار اس آس پے کرتی کہ شاید اب عصام آ جائے۔ عصام شہباز کے کہنے کے مطابق تین روز کے بعد لاہور روانہ ہو گیا۔ لاہور پہنچنے کے بعد پاشا کا گھر ڈھونڈنے میں اسے بہت دشواری ہوئی۔ کیونکہ اس کا گھر شہری آبادی سے دور ایک ویران جگہ پر تھا۔ پاشا کی آٹھ کنال پے پھیلی ہوئی اس کوٹھی کا فرنٹ قابل دید تھا۔ جسے دیکھ کر ہی اندازہ ہو گیا تھا کہ کوٹھی اندر سے بھی انتہائی شاندار ہو گی اس نے آگے بڑھ کر بیل دی اور پھر کوٹھی کے اندر داخل ہو گیا۔ اندر ایک ملازم موجود تھا جو عصام کو گیسٹ روم تک لے گیا۔ پاشا کی کوٹھی پے لگا ہوا پیسہ دیکھ کر ہی اندازہ ہو رہا تھا کہ وہ کتنا مالدار آدمی ہے۔ عصام گیسٹ روم میں بیٹھ کے پاشا کا انتظار کرنے لگا۔ کچھ دیر بعد وہی ملازم آیا۔

''سر! آپ کو آدھا گھنٹہ انتظار کرنا ہو گا۔''

''کوئی بات نہیں میں انتظار کر لوں گا۔'' عصام وقت گزاری کے لئے ٹیبل پہ رکھا فیشن میگ دیکھنے لگا۔

شہباز کے گروہ میں شامل ہونے سے پہلے عصام نے کبھی سگریٹ نہیں پی تھی لیکن شہباز کے گروہ میں شامل ہونے کے بعد راتوں کو جاگنے کی وجہ سے اس نے سگریٹ پینا شروع کر دی تھی۔

عصام نے سگریٹ کی ڈبیہ نکالی اور سگریٹ سلگا کر لائٹر میز پر رکھ دیا اور ڈرائنگ روم کی دیواروں پر لگی

تصاویر دیکھنے لگا۔ دیواروں پہ خوبصورت پینٹنگز چسپاں تھیں۔ جن پے عصام کی نظریں ٹھہر سی گئیں۔ کچھ دیر بعد عصام کی نظر ٹیبل پر پڑی تو ٹیبل سے اس کا لائٹر غائب تھا۔ اس نے ایک بار پھر ٹیبل پر نظر دوڑائی لیکن وہاں اس کا لائٹر نہیں تھا۔

''میں نے ٹیبل پر ہی رکھا تھا۔'' عصام نے خود کلامی کی اور اپنی جیبیں ٹٹولنے لگا لیکن لائٹر اس کی جیبوں میں بھی نہیں تھا۔ اس نے سوچا کہ شاید اس سے میز کے نیچے گر گیا ہوگا۔ وہ لائٹر دیکھنے کے لئے میز کے نیچے جھکا تو اس کے چہرے پر مسکراہٹ بکھر گئی۔ ایک انتہائی خوبصورت بچی میز کے نیچے چھپ کر بیٹھی ہوئی تھی۔ اس نے اپنے ہاتھ میں لائٹر لیا ہوا تھا۔

بچی کے چہرے پر شرارت بھی تھی اور خوف بھی تھا۔ عصام نے اس کا ہاتھ پکڑ کے اسے میز کے نیچے سے باہر نکالا۔ بچی نے ایک خوبصورت فراک پہنا ہوا تھا۔ اس نے اپنے خوبصورت بالوں کی دو پونیاں بنا رکھی تھیں جس سے وہ مزید شرارتی دکھ رہی تھی۔

اس کے معصوم سے چہرے سے اس کی غلطی کا احساس چھلک رہا تھا۔ اس نے اپنی زبان باہر نکالتے ہوئے جلدی سے لائٹر میز پر رکھ دیا اور اپنی مہین سی آواز میں بولی۔

''سوری انکل۔'' عصام مسکراتا ہوا مسلسل اس بچی کی طرف دیکھ رہا تھا۔ سوری کہنے پے اسے وہ بچی اور بھی پیاری لگی۔

''آپ کا نام کیا ہے۔'' عصام نے اسے انتہائی پیار سے اپنے پاس بٹھاتے ہوئے پوچھا۔

''میرا نام انعم ہے۔'' بچی نے انتہائی معصومیت سے کہا۔

''آپ پڑھتی ہیں۔'' عصام نے شرارتاً اس کی پونی کو کھینچ دیا۔

''میں ون میں ہوں۔ میرے اپنی کلاس میں سب سے اچھے نمبر آتے ہیں۔ میری ٹیچر کہتی ہیں۔ تمہیں اتنا اچھا کون پڑھاتا ہے۔'' انعم نے اپنے خوبصورت سے چہرے پے مسکراہٹ بکھیرتے ہوئے کہا۔

عصام دلچسپی سے اس بچی کی باتیں سننے لگا۔

''تو پھر آپ نے انہیں کیا بتایا کہ آپ کو کون پڑھاتا ہے۔''

''میں نے انہیں بتادیا کہ مجھے میری امی پڑھاتی ہیں۔''انعم نے اپنے دائیں ہاتھ کی انگلی کو ہوا میں لٹکاتے ہوئے مؤدبانہ انداز میں کہا۔

عصام کو اس کی یہ ادا اتنی اچھی لگی کہ وہ بے اختیار ہنسنے لگا۔

''بی اماں یہ تو بتاؤ کہ آپ کے ابو زیادہ بولتے ہیں یا آپ کی امی۔آپ کس پر گئی ہو۔''

عصام نے بہت خوشگوار موڈ میں یہ سوال پوچھا لیکن انعم کے چہرے پر اچانک اداسی چھا گئی۔ وہ منہ بسورتے ہوئے بولی۔

''پاپا تو بالکل نہیں بولتے اور مما بھی تھوڑا تھوڑا بولتی ہیں۔مجھ سے کوئی بھی نہیں باتیں کرتا۔''معصوم انعم کے اس شکوے نے عصام کے دل میں اس کے لئے ایک نرم گوشہ تلاش کرلیا۔وہ انتہائی پیار سے انعم کی طرف دیکھنے لگا۔وہ نہیں جانتا تھا کہ ایک انجان بچی کے لئے اس کی آنکھوں میں اتنا پیار کیسے آگیا۔

''بچے تو فرشتے ہوتے ہیں۔والدین کتنے ہی مصروف کیوں نہ ہوں انہیں ان فرشتوں کا دل نہیں دُکھانا چاہئے۔''عصام نے خود کلامی کے انداز میں کہا۔

''جی انکل۔''انعم سمجھی کہ عصام نے اس سے کچھ کہا ہے۔

''میں آپ سے یہ پوچھ رہا تھا کہ آپ کے ابو کا کیا نام ہے۔''عصام نے اپنی بات بدل دی۔

''میرے ابو کا نام زاہد ہے۔''انعم،عصام سے باتیں کررہی تھی کہ پاشا کمرے میں داخل ہوا۔

''اچھا تو یہ باتونی یہاں پہنچی ہوئی ہے۔''یہ کہہ کر پاشا،انعم کی طرف متوجہ ہوا۔''چلو بیٹا! آپ کی امی آپ کو بلارہی ہیں۔

ماں کا نام سنتے ہی انعم فوراً وہاں سے چلی گئی۔

پاشا نے عصام کے بالمقابل بیٹھتے ہوئے کہا۔

''ہاں بھئی کیا حال آپ کا۔''

''میں ٹھیک ہوں آپ سنائیں۔''عصام نے رسماً کہا۔

''رقم لے آئے۔''پاشا جلد ہی اصل موضوع کی طرف آگیا۔

''یہ آپ کی رقم ہے۔ گن لیجئے۔'' عصام نے بریف کیس پاشا کی طرف بڑھایا۔

''اس کی ضرورت نہیں ہے۔'' یہ کہہ کر پاشا نے عصام سے بریف کیس لے لیا۔

بریف کیس دینے کے بعد عصام کھڑا ہو گیا۔

''اب آپ مجھے اجازت دیں۔'' پاشا نے تعجب سے عصام کی طرف دیکھا۔

''بھئی یہ تم نے کیسی بات کہہ دی۔ تم ہمارے مہمان ہوں۔ ہم تمہیں اس طرح تو جانے نہیں دیں گے۔'' یہ کہہ کے پاشا نے انٹر کام کے ذریعے ملازم کو بلایا ملازم کمرے میں داخل ہوا تو پاشا نے اس سے کہا۔

''بہترین کھانے کا بندوبست کرو۔''

پاشا عصام سے مختلف موضوعات پے باتیں کرنے لگا۔ باتوں باتوں میں عصام نے پاشا سے پوچھا۔

''یہ بچی کون تھی۔''

''یہ بچی میری پوتی ہے۔'' پاشا نے کہا۔

''بہت پیاری بچی ہے۔'' عصام نے کہا۔

''وہ ہے ہی ایسی۔ ہر ایک کا دل جیت لیتی ہے۔ تم سناؤ شہباز کسی نئے مشن پر کام کر رہا ہے۔'' پاشا نے تجسس آمیز لہجے میں پوچھا۔

''سوری سر! میں اس موضوع پر آپ سے بات نہیں کر سکتا۔ مجھے اس کی نہ تو پرمیشن ہے اور نہ ہی یہ ہمارے کام کا اصول ہے۔'' عصام نے ٹھوس لہجے میں کہا۔

پاشا نے عصام کو سرتاپا گہری نظر سے دیکھا۔

''شہباز نے تمہارے بارے میں ٹھیک ہی کہا تھا۔ وہ کہہ رہا تھا کہ عصام میرا وہ گماشتہ ہے جو جان ہتھیلی پے لئے پھرتا ہے۔ مجھے تمہاری جواں مردی کا کچھ کچھ اندازہ ہوا ہے۔ کبھی تمہاری بہادری کا امتحان لوں گا۔''

''موت کے بڑے سے بڑے کھیل سے صرف اس لئے گزر سکتا ہوں کہ زندگی میری کمزوری نہیں ہے۔ اس کے علاوہ میری ان غیر شعوری حرکات کی کوئی اور وجہ نہیں ہے۔'' عصام نے اپنے جواب میں پاشا کو طنز کی تھی۔

''آؤ باہر چل کر بیٹھتے ہیں۔'' پاشا نے عصام سے کہا تو عصام اور پاشا کمرے سے باہر نکل کر چہل قدمی کرتے ہوئے ایک انتہائی خوبصورت لان میں داخل ہو گئے۔ لان میں پھولدار پودوں کی بہار جوبن پر تھی۔ عصام نے خوشبو بھرے جھونکے کا ایک لمبا سانس کھینچا۔

''ان پھولوں نے آپ کی کوٹھی کو چار چاند لگا دیئے ہیں۔''

''میں تمہیں اپنے پالتوں جانوروں سے ملواتا ہوں۔'' یہ کہہ کر پاشا عصام کو لے کر لان سے باہر نکل کے ایک گلی نما حصے میں داخل ہوا۔ یہ گلی نما حصہ جہاں ختم ہوتا تھا وہاں ایک کھلا میدان تھا۔ عصام اس میدان میں داخل ہوا تو وہ مبہوت ہو کے رہ گیا۔ جو دور سے کھلا میدان دکھائی دے رہا تھا۔ وہ اصل میں خالی میدان نہیں، خوفناک جانوروں کی آماجگاہ تھی۔ اس کھلے میدان کے ایک طرف پنجروں کی ایک لمبی قطار تھی۔ پاشا ان پنجروں کی طرف بڑھا۔

عصام، پاشا کے ساتھ جونہی پہلے پنجرے کی طرف بڑھا۔ تو اس پنجرے میں بند خونخوار کتوں کی غرغراہٹیں فضا میں بلند ہونے لگیں۔ وہ اپنے نوکیلے دانت نکالے پنجرے کی سلاخوں سے اس طرح ٹکرا رہے تھے کہ یوں محسوس ہو رہا تھا کہ اگر انہیں کھول دیا جائے تو یہ عصام کو کچا نگل لیں گے۔

عصام نے مسکراتے ہوئے اپنے کندھوں کو اچکایا۔

''آپ کے کتے تو میرا شاندار استقبال کر رہے ہیں۔'' لیکن جونہی عصام اگلے پنجرے کی طرف بڑھا اس کی مسکراہٹ غائب ہو گئی اور وہ دم بخود ہو کے رہ گیا اس پنجرے میں پاشا نے تین چیتے پال رکھے تھے۔ جو اس بند پنجرے میں بے چینی سے چکر کاٹ رہے تھے۔ ان کی اس بے چینی میں انتہائی دہشت تھی۔ عصام کے وجود میں ایک عجیب سی سنسناہٹ دوڑ گئی۔

پاشا نے اپنی جیب سے چابی نکالی اور پنجرے میں لگے قفل کو کھول دیا۔

عصام کے ہوش اڑ گئے۔ دہشت کی ایک تھرتھراہٹ اس کے پورے وجود میں دوڑ گئی۔ چیتے بے چینی سے پنجرے سے باہر آ گئے۔ ان کا رخ عصام کی طرف تھا۔ دہشت سے عصام کی آنکھیں باہر کو ابل پڑیں۔ اس کے حلق سے ایک خوفناک ہچکی کی آواز نکلی۔ لیکن یہ اس کی بہادری تھی کہ اس کے قدم جہاں تھے۔ وہیں منجمد رہے وہ

اپنی جگہ سے ٹس سے مس نہیں ہوا۔ لیکن چند لمحوں کے لئے اس نے موت کو خود کے بہت قریب محسوس کیا۔ اس سے پہلے کہ وہ خونخوار چیتے عصام کو چیر پھاڑ کے رکھ دیں پاشا نے ان جانوروں کو مخصوص اشارہ کیا۔ پاشا کے اشارے پر وہ چیتے پنجوں کے بل گھسیٹتے ہوئے اس کے قدموں میں آ کے بیٹھ گئے اور پاشا انتہائی ملائمت سے ان کے بالوں کو سہلانے لگا۔

عصام ششدر ہو کر سارا منظر دیکھ رہا تھا۔ پاشا کے اس شوق سے ہی اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ پاشا کتنا خطرناک آدمی ہے۔

پھر پاشا نے انہیں پنجرے میں واپس جانے کا اشارہ کیا۔ اس کے اشارے پر وہ تینوں چیتے باری باری پنجرے میں واپس چلے گئے۔ پاشا نے آگے بڑھ کر پنجرے کو قفل لگا دیا۔

عصام نے تعجب آمیز انداز میں پاشا سے پوچھا۔ ''آپ نے درندہ صفت جانوروں کو کیسے کنٹرول کر رکھا ہے۔''

''بھئی کنٹرول کیسے نہ ہوں۔ میں نے انہیں بچپن سے پالا ہے۔ انہوں نے آنکھیں میرے گھر میں کھولی ہیں۔ میرے حکم کے تو غلام ہیں لیکن کسی انجان آدمی کو دیکھ کر یہ اپنی فطرت پے اتر آتے ہیں۔'' یہ کہنے کے بعد پاشا نے عصام کو اپنی کوٹھی کا بقیہ حصہ دکھایا۔

کافی دیر ٹہلنے کے بعد وہ دونوں مہمان خانے میں واپس آ گئے۔ ملازمین نے میز پے کھانا لگا دیا۔ عصام اور پاشا کھانے میں مشغول ہو گئے۔

عصام نے کھانے کے دوران پاشا سے پوچھا۔ ''آپ کا بیٹا کیا کرتا ہے۔''

''وہ کچھ نہیں کرتا۔ گھر ہی میں ہوتا ہے۔'' پاشا نے تضحیک آمیز انداز میں کہا۔

''آج وہ گھر ہیں۔''

''ہاں! تم کھانا کھا لو۔ تو تمہاری اس سے ملاقات کا شوق پورا کر دیں گے۔'' پاشا اپنے بیٹے کے بارے میں بہت عجیب لہجے میں بات کر رہا تھا۔

کھانے سے فارغ ہونے کے بعد عصام نے اپنی کلائی پے بندھی گھڑی کی طرف دیکھا۔ اسے کافی دیر ہو

چکی تھی۔ موسم پچھلے دو گھنٹے سے کچھ سے کچھ ہو گیا تھا۔ آسمان پے سیاہ گھنے بادل چھائے ہوئے تھے۔ دوپہر کی چلچلاتی دھوپ شام کے سے منظر میں بدل گئی تھی۔ موسم کی نوعیت دیکھ کے عصام نے سوچا کہ اسے اب جلدی نکلنا چاہئے۔ کہیں بارش نہ ہو جائے۔

عصام کو پاشا کی کمپنی میں اکتاہٹ بھی ہونے لگی تھی۔ ملازم تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد مہمان خانے کے چکر لگاتے رہتے۔ پاشا ملازم سے مخاطب ہوا۔

''تم ایسا کرو کہ چائے بھیج دو۔''

''پاشا صاحب! اس کی ضرورت نہیں ہے آپ اتنے تکلفات میں نہ پڑیں۔'' عصام نے کہا۔

''تم خاموشی سے بیٹھے رہو۔ پاشا کے گھر پہلی بار آئے ہو۔ چائے تو پینی پڑے گی۔'' پاشا نے کہا۔

پاشا اپنے خلوص سے خود کو بہت اچھا ظاہر کر رہا تھا لیکن اس کا چہرہ انتہائی بدہیت اور حساسیت سے عاری تھا شاید یہ اس کے چہرے پر اس کے کردار کی چھاپ تھی۔

کچھ دیر بعد ملازم چائے لے کر آیا تو عصام نے پاشا سے کہا۔ ''آپ نے مجھے اپنے بیٹے سے نہیں ملوایا۔''

عصام کی اس بات پر پاشا نے ملازم سے بے دلی سے کہا۔ ''جاؤ زاہد کو لے آؤ۔''

کچھ دیر بعد وہیل چیئر پر ایک نوجوان کمرے میں داخل ہوا۔ اس کی چیئر ملازم چلاتا ہوا کمرے میں لا رہا تھا۔ اس کی گردن ایک طرف کو جھکی ہوئی تھی اور اس کا دایاں بازو اور بائیں ٹانگ جیسے بے جان ہو کے لٹکی ہوئی تھیں۔ اس کی یہ حالت دیکھ کر عصام کے دل کو ایک دھچکا سا لگا۔ اس نے سوالیہ نظروں سے پاشا کی طرف دیکھا تو پاشا نے انتہائی سنجیدگی سے کہا۔

''یہ میرا بیٹا زاہد ہے۔''

عصام افسوس سے کھڑا ہو گیا۔ ''انعم ان کی بیٹی ہے۔''

''ہاں وہ بے چاری اس کی بیٹی ہے۔'' پاشا نے تاسف بھرے لہجے میں کہا۔

اس نے پاشا کی طرف دیکھا۔ ''یہ بول سکتے ہیں۔''

''نہیں یہ بول نہیں سکتا لیکن سن سکتا ہے۔'' پاشا نے کہا۔

عصام ڈھیلے قدموں سے چلتا ہوا زاہد کی وہیل چیئر کے قریب گیا اور اس کی کرسی پر ہاتھ رکھتے ہوئے گھٹنوں کے بل اس کے قریب بیٹھ گیا۔ اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے آہستگی سے بولا۔ ''کیسے ہیں آپ۔''

زاہد عصام کی بات پر جوں کا توں ہی رہا۔ جیسے سننے کی صلاحیت کے باوجود وہ عصام کی بات سمجھ نہیں سکا۔

عصام کچھ دیر تک اس کی طرف مسلسل دیکھتا رہا اور پھر خفیف سی مسکراہٹ کے ساتھ کہنے لگا۔ ''آپ کی بیٹی بہت پیاری ہے خدا آپ کو اس کی خاطر صحت دے۔'' یہ کہہ کر عصام اس کے قریب سے اٹھ گیا۔

پاشا ملازم سے مخاطب ہوا۔ ''جاؤ اس کو اس کے کمرے میں چھوڑ آؤ۔''

ملازم شاپا کے حکم تعمیل کرتے ہوئے زاہد کی وہیل چیئر کو سہارا دیتے ہوئے اس کے کمرے تک لے گیا۔

''زاہد ایسا پیدائشی ہے یا اس کے ساتھ کوئی حادثہ ہوا ہے۔''

''تم حادثہ ہی سمجھ لو، سات سال پہلے یہ بالکل ٹھیک تھا۔ پھر اچانک برین ہیمرج سے اس کے جسم کا دایاں حصہ اپاہج ہو گیا۔''

عصام کچھ دیر تک افسردہ حالت میں بیٹھا رہا پھر اٹھ کھڑا ہوا اور مہمان خانے سے باہر آ گیا۔ پاشا بھی اس کے ساتھ باہر آ گیا۔ پاشا عصام سے کوئی بات کرنے لگا۔ دونوں گیٹ کی طرف بڑھے تو اچانک عصام کی نظریں ایک ایسا منظر دیکھ کر پھٹی کی پھٹی رہ گئیں کہ اسے لگا جیسے اس کا سارا بدن سن ہو گیا ہے۔ اس کی آنکھوں کے سامنے ماہ لقاء زاہد کی وہیل چیئر کو سہارا دیتے ہوئے مہمان خانے کے ساتھ والے کمرے میں داخل ہوئی تھی۔

''یہ..... یہ لڑکی کون تھی۔'' عصام کی زبان پے بل سا آ گیا۔

''یہ میری بہو تھی، زاہد کی بیوی۔'' پاشا نے تو پر اطمینان سے لہجے میں کہہ دیا مگر یہ الفاظ عصام پے جیسے بجلی بن کے گرے، غم کی ایک شدید لہر نے اس کے دل و دماغ میں ہلچل مچا دی۔ چند لمحوں کے لئے وہ اس طرح حواس باختہ ہو گیا کہ اسے پاشا کی موجودگی کا احساس تک نہ رہا۔ اس کے چہرے پے اس کے دل کے محسوسات عیاں ہونے لگے۔

عصام کے جذبوں نے اسے ماہ لقاء کو خدا سے مانگنے کی جرأت نہیں دی تھی لیکن ماہ لقاء کے ہمیشہ خوش رہنے کی دعا اس نے اپنے رب سے دل کی گہرائیوں سے کی تھی اور آج ماہ لقاء کو اس حال میں دیکھ کے اس کا دل خون

کے آنسو رو رہا تھا۔

پاشا نے عصام کے چہرے کے یہ غیر متوقع تاثرات دیکھے تو اس نے متعجب انداز میں عصام سے پوچھا۔

''تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے نا۔'' پاشا کے اس سوال سے عصام کو تھوڑا سا ہوش آیا کہ وہ کہاں کھڑا ہے۔ اس نے اپنے چہرے کے تاثرات یکسر بدل لئے اور رک کے رکے لہجے میں بولا۔

''میں اب چلتا ہوں.....'' پاشا سے یہ کہہ کے وہ تیز تیز قدموں سے چلتا ہوا وہاں سے نکل گیا۔

عصام اپنے فلیٹ پہنچا تو سفر کی تھکاوٹ سے اس کا بدن ٹوٹ رہا تھا۔ وہ یہ سمجھ نہیں پا رہا تھا کہ یہ اعصابی تھکن اس کے ذہنی تناؤ کی وجہ سے تھی یا سفر کی وجہ سے..... البتہ اس کے اعصاب شل ہو چکے تھے۔ وہ اپنے ڈھیلے جسم کے ساتھ بیڈ پر گر گیا۔ وہ آنکھیں بند کئے حالات کی اس ستم ظریفی پے کڑھ رہا تھا۔ وہ اپنی گھائل روح کی اذیت میں کہیں گم تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ تقدیر اسے بار بار ایسے موڑ پر کیوں لا کھڑا کرتی ہے۔ وہ حالات کی اس صلیب پے کتنی بار لٹکے گا۔ وہ سوچوں کے منجدھار میں ڈوب رہا تھا کہ اگر اس نے موت کے کنویں میں چھلانگ لگا دی ہے تو اس کے عوض بہت سے لوگوں میں خوشیاں تقسیم کر دی ہیں۔ لیکن اب اس المناک حقیقت نے اسکے جسم کو زندہ لاش بنا دیا تھا کہ اس کا کوئی اپنا بھی ان درندوں کے شکنجے میں پھنس گیا ہے۔ وہ پاشا جیسے شاطر آدمی کو بخوبی جانتا تھا۔ اور وہ یہ بھی سمجھتا تھا کہ پاشا نے عصام کے ساتھ اچھی ڈیلنگ اپنے کسی مقصد کے تحت کی ہے۔ ورنہ وہ درندہ صفت انسانیت کے تقاضوں کو کیا جانے۔''

عصام شہباز کے اڈے پے پہنچا تو اسے پاشا کی ڈیلنگ سے مطمئن کیا۔ اس کے بعد وہ اپنے گروہ کے تمام اراکین سے ملا لیکن اسے ساشا دکھائی نہیں دی۔ شاید ساشا کو اس کے آنے کی خبر نہیں تھی ورنہ وہ پہلی فرصت میں عصام سے ملتی۔

عصام اسے مختلف کمرے میں ڈھونڈنے لگا۔ شہباز کی یہ کوٹھی اتنے بڑے رقبے پر پھیلی تھی کہ انسان اس میں گم ہو کے رہ جائے۔ عصام کافی دیر تک مختلف پورشنز میں ساشا کو تلاش کرتا رہا۔ آخر اس کی نظر لان میں پڑی ساشا تن تنہا لان میں بیٹھی ہوئی تھی۔ شاید اس کے اس طرح تن تنہا بیٹھنے کی وجہ عصام کی غیر موجودگی تھی کیونکہ سوائے عصام کے اس کی کمپنی کسی کے ساتھ نہیں بنتی تھی۔

ساشا اپنی کسی سوچ میں گم بیٹھی تھی کہ عصام اس کے سامنے آ کے بیٹھ گیا۔

''تم کب آئے۔'' ساشا نے خوشی سے چونکتے ہوئے کہا۔

''مجھے تو آئے کافی دیر ہوگئی ہے، لیکن تم کہاں غائب تھی۔ مسلسل ایک گھنٹے سے تمہیں ڈھونڈ رہا ہوں۔''

''میں نے کہاں جانا ہے، یہیں بیٹھی ہوئی تھی۔'' ساشا نے پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

عصام کو ساشا سے ملنے کی شدید بے چینی تھی لیکن وہ ساشا کے سامنے خاموشی سے بیٹھا ہوا تھا۔

کچھ دیر ساشا خاموشی سے انتظار کرتی رہی کہ شاید عصام اس سے کوئی بات کرے، لیکن جب اس خاموشی کے ماحول میں کافی دیر گزر گئی تو ساشا نے اپنے دائیں ہاتھ کو عصام کی آنکھوں کے گرد لہرایا۔

''کہاں کھوئی ہوئے ہو خیریت تو ہے۔''

عصام نے ساشا کی طرف دیکھا تو اس کی نگاہوں میں انتہائی اداسی جھانک رہی تھی اس کا چہرہ اترا ہوا تھا۔ اس نے آنکھیں جھکا لیں اور مسلسل خاموشی میں ہاتھوں سے گھاس کھرچنے لگا۔

''عصام! کیا بات ہے۔ اس قدر اداس کیوں ہو۔'' ساشا کی نظر عصام کے چہرے پے ٹھہری ہوئی تھی۔

عصام ساشا کو کچھ بتانا نہیں چاہتا تھا لیکن وہ اپنے دل کی کیفیات اس سے چھپا نہیں پا رہا تھا۔ اس نے آنکھیں اوپر اٹھائیں تو اس کی نظروں میں غموں کی لالی جھانک رہی تھی۔

ساشا نے اس کی سرخ نظریں دیکھیں تو وہ مزید پریشان ہوگئی۔

''عصام مجھے گھبراہٹ ہو رہی ہے، آخر بات کیا ہے۔'' ساشا نے متذبذب ہوتے ہوئے کہا۔

ساشا کے ہمدردانہ جذبوں کے آگے عصام کی کیفیت چھپی نہیں رہ سکی آخر تھکے تھکے لہجے میں بولا۔

''خود میں ایک غم برداشت کرنے کا حوصلہ پیدا کرتا ہوں، تو زندگی کسی نئے غم کا روپ دھار کے میرے سامنے آ کھڑی ہوتی ہے میں تو خود اپنی ذات کو اپنے ہاتھوں سے ختم کر چکا ہوں، تو پھر یہ غم میرا پیچھا کیوں نہیں چھوڑتے۔ یہ بار بار میری روح کو اذیت کیوں دیتے ہیں۔'' عصام کی نظروں میں نمی تیرنے لگی۔

''تمہارے گھر والے تو ٹھیک ہیں نا۔'' عصام کی حالت دیکھ کے ساشا کے ذہن میں عجیب عجیب سے وسوسے آنے لگے۔

''میری اس پریشانی کا ان سے کوئی تعلق نہیں ہے۔'' یہ کہہ کے عصام نے ساشا کو ساری بات بتائی۔

ساشا نے عصام کی ساری گفتگو سنی تو وہ تقدیر کی اس ستم ظریفی پر مبہوت ہو کے رہ گئی۔

''تم ٹھیک پریشان ہو۔ یہ ساری صورتحال واقعی بہت سنگین ہے۔ ماہ لقاء تو غم کی عجیب کشمکش سے گزر رہی ہے۔ نہ جانے اس سارے واقعہ کے پیچھے اصل حقیقت کیا ہے۔ کیونکہ پاشا کو تو تم جانتے ہو کسی کو دھوکہ دینا اس کے لئے کیا مشکل کام ہے۔ بہر حال تم حوصلہ کرو، اس طرح ٹینس رہنے سے غم کا بوجھ کم نہیں ہوتا مزید بڑھ جاتا ہے۔ پلیز میری خاطر خود کو فریش کرنے کی کوشش کرو میں تمہیں اس طرح پریشان نہیں دیکھ سکتی۔''

ساشا نے عصام کو سمجھانے کی کوشش کی لیکن جس کیفیت سے عصام گزر رہا تھا اسے سمجھانا بہت مشکل تھا۔

عصام کچھ دیر خاموش بیٹھا رہا اور پھر اسی خاموشی میں وہاں سے اٹھ گیا۔

ساشا اسے دور تک جاتے ہوئے دیکھتی رہی، عصام ماہ لقاء کے لئے پریشان تھا اور ساشا عصام کو اس طرح غم زدہ دیکھ کے اندر ہی اندر سلگ رہی تھی۔

عصام کو تو ساشا نے بڑے حوصلے سے سمجھا دیا لیکن خود اسی جگہ پے بیٹھی رہی۔ وہ جتنا عصام کو اذیتوں سے بچانا چاہتی تھی اتنا ہی اس کے گرد غموں کا جال بنتا جا رہا تھا۔

کنیفر کے دل میں عصام کے لئے کدورت دن بدن بڑھتی جا رہی تھی وہ ساشا کو ہر قیمت پر حاصل کرنا چاہتا تھا اور ساشا کی عصام میں توجہ اس کے لئے شدید حسد کا باعث تھی اس وقت وہ ایک اندھیرے کمرے میں بیٹھا ہوا تھا۔ کمرے کی سب لائٹس آف تھیں۔ وہ صوفے پر براجمان تھا۔ کسی گہری سوچ میں گم تھا۔ تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد اس کے ہاتھ میں پکڑے لائٹر کا شعلہ بھڑکتا تو اس شعلے کی خفیف سی روشنی میں اس کا شیطانی چہرہ دکھائی دینے لگتا۔ اس کے اندر اس کی شکست کا احساس عصام کو نقصان پہنچانے کا راستہ ڈھونڈ رہا تھا۔ وہ کافی دیر تک کچھ سوچتا رہا اور اس کے چہرے پر ایک مکروہ مسکراہٹ بکھر گئی۔ وہ اپنی جگہ سے اٹھا اور کمرے سے باہر نکل گیا۔

شہباز نے ایک ضروری میٹنگ بلائی تھی یہ میٹنگ اس کے ان اراکین پے مشتمل تھی جو کراچی میں ایک گروہ کی شکل میں کام کر رہے تھے۔ یہ وہی گروہ تھا جس میں عصام اور ساشا بھی شامل تھے۔ اس میٹنگ کا کوئی خاص مقصد تھا۔ پہلے تو شہباز اپنے کام کے متعلق مختلف موضوعات پر باتیں کرتا رہا پھر وہ اپنے اصل موضوع کی طرف

آیا۔ ''تم لوگ جانتے ہو کہ ہمارے کام کے اصول کے مطابق ہم کسی ایک مقام پر بہت عرصہ کام نہیں کرتے ہمیں اپنا ٹھکانہ بدلنا ہوتا ہے۔ اصل مقام تو ہمارا یہی ہوگا لیکن کچھ عرصہ کے لئے ہمیں اپنا یہ اڈہ بدلنا ہوگا۔ ہمیں جس مقام پے شفٹ ہونا ہے وہ مقام کوئی نیا نہیں اس کے متعلق جانکاری آپ کو پہلے ہی سے ہے ہماری کچھ تنظیمیں ادھر کام بھی کر رہی ہیں۔''

یہ کہہ کر شہباز نے ٹیبل پر پڑے ہوئے ایک چارٹ کو اپنے دونوں ہاتھوں سے کھولتے ہوئے میز پے بچھا دیا۔ یہ ایک نقشہ تھا شہباز نے اس پر لگے ریڈ وائٹر پر اپنی انگلی چلانا شروع کیا۔ پشاور اور افغانستان کے اس درمیانے حصے میں چند دیہی علاقے ہیں جہاں مختلف مقامات پر ہماری تنظیمیں کام کر رہی ہیں۔ پھر ایک دوسرے پوائنٹ پر شہباز نے اپنی انگلی ٹھہرا کر کہا یہ لنڈی کوتل کا علاقہ ہے۔ ہمارا نیا اڈہ اس علاقے میں ہے۔'' شہباز اپنے ساتھیوں کو کچھ اہم تنظیمی رازوں سے آگاہ کرنے لگا نئے اڈے میں شفٹنگ کے ساتھ اس نے چند اور پروگرام بھی ترتیب دیئے تھے جن کا ذکر اس نے اپنے ساتھیوں سے کیا اور ان سے چند ضروری مشورے لئے۔

☆.....☆.....☆

اتوار کا دن تھا، رفیقہ ملازمہ سے گھر کی صفائی کروا رہی تھی دس بج چکے تھے بینش اور رومہ بھی اپنے اپنے کمروں کی سیٹنگ کر رہی تھیں۔

رفیقہ نے عصام کا کمرہ اس امید پر سیٹ کر رکھا تھا کہ وہ اس سے ملنے ضرور آئے گا۔ اس نے اپنے بیٹے کا کمرہ انتہائی خوبصورتی سے سجا رکھا تھا۔ وہ عصام کا کمرہ صرف صفائی کروانے کے لئے ہی کھولتی تھی۔ ورنہ بند رکھتی تھی اس نے صفائی کے لئے عصام کا کمرہ کھولا اور ملازمہ سے صفائی کروانے لگی۔ رفیقہ اس کمرے کی سیٹنگ کرنے لگی یہ سب کچھ وہ اپنے دل کی تسکین کے لئے کر رہی تھی۔

ملازمہ سائیڈ ٹیبل پر رکھی تصویر صاف کرنے لگی تو وہ تصویر اس کے ہاتھ سے چھوٹ گئی، یہ دیکھ کے رفیقہ کا دل دھک سے رہ گیا۔ وہ اپنے سینے پہ ہاتھ رکھے گری ہوئی تصویر کی طرف لپکی۔

''یہ تم نے کیا کیا؟'' وہ ملازمہ سے ڈپٹ کے بولی اور ٹوٹے ہوئے شیشوں میں سے عصام کی تصویر اٹھا کے چومنے لگی۔

''خدا میرے بیٹے کی عمر دراز کرے اسے اپنے امان میں رکھے۔'' وہ ممتا سے سرشار جذبوں کے ساتھ عصام کو دعائیں دے رہی تھی کہ باہر گیٹ پر کسی نے بیل دی۔

ملازم بیل کی آواز سن کے گیٹ کی طرف بڑھا اس نے گیٹ کھول کے آنے والے شخص کا نام پتہ پوچھا پھر رفیقہ کے پاس آیا۔

''بیگم صاحبہ! باہر ایک نوجوان آیا ہے، اس کا کہنا ہے کہ وہ عصام صاحب کا دوست ہے آپ سے کوئی ضروری بات کرنا چاہتا ہے۔''

''ہاں ہاں اسے یہیں لے آؤ۔'' رفیقہ یک دم کھڑی ہوگئی۔

کچھ دیر بعد ملازم کے ساتھ کینفر کمرے میں داخل ہوا۔

''بیگم صاحبہ! یہ عصام صاحب کے دوست ہیں۔'' یہ کہہ کے ملازم کمرے سے چلا گیا۔

''آؤ بیٹا! بیٹھو۔'' رفیقہ نے پرخلوص لہجے میں کہا۔

''آپ کیسی ہیں۔'' کینفر نے انتہائی مؤدبانہ انداز میں پوچھا تو اس نے اپنا لب ولہجہ اور انداز اس طرح بدل لیا تھا کہ جیسے اس سے زیادہ معصوم اس دنیا میں اور کوئی ہے ہی نہیں۔

''خدا کا شکر ہے بیٹا! میں نے تمہیں شاید پہلی بار دیکھا ہے، کیا نام ہے تمہارا۔'' رفیقہ نے پوچھا۔

''میرا نام ارشد ہے میں عصام کے ساتھ یونیورسٹی میں پڑھتا تھا۔'' کینفر نے غلط بیانی سے کام لیا۔

''بس بیٹا عصام جب سے باہر گیا ہے ہم تو اس کی صورت دیکھنے کے لئے ترس گئے ہیں۔ وہ سمجھتا ہے کہ دولت اور عزت ملنے سے انسان کو تمام خوشیاں مل جاتی ہیں۔ وہ نہیں جانتا کہ اس کے بغیر ہماری ہر خوشی نامکمل ہے۔ پانچ سال بیت گئے ہیں مجھے اس کی شکل دیکھے۔'' رفیقہ رندھے ہوئے لہجے میں بولی۔ وہ، خود پے قابو نہ رکھ سکی اس کی آنکھیں بھیگ گئیں۔

کینفر نے ہمدردانہ نظروں سے رفیقہ کی طرف دیکھا۔

''آنٹی! آپ عصام کے لئے پریشان نہ ہوں، وہ نہ صرف ٹھیک ہے بلکہ بہت مزے کی زندگی گزار رہا ہے۔'' کینفر نے پُراعتماد لہجے میں کہا۔

کیفر کی بات پے رفیقہ نے سوالیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

''بیٹا! تمہارا اب بھی اس سے رابطہ ہے۔''

''ہاں۔'' کیفر نے اثبات میں سر ہلایا اور پھر یکلخت اس کے چہرے سے عجیب سی پریشانی ٹپکنے لگی وہ تذبذب سی کیفیت میں بولا۔ ''میں تو بس آپ کی خیریت معلوم کرنے آیا تھا۔'' یہ بات کہتے ہوئے کیفر نے اپنی نگاہیں جھکالیں وہ رفیقہ سے نگاہیں نہیں ملا پا رہا تھا۔

رفیقہ نے کیفر کی یہ کیفیت دیکھی تو اسے یوں محسوس ہوا کہ کیفر اس سے کچھ چھپا رہا ہے رفیقہ نے پریشان کن انداز میں اس کی طرف دیکھا۔

''کیا بات ہے بیٹا۔ تم مجھ سے کچھ چھپا تو نہیں رہے۔'' رفیقہ کے اس سوال پر کیفر نے عجیب نظروں سے رفیقہ کی طرف دیکھا۔ رفیقہ اس سے ابھی یہ بات کر ہی رہی تھی کہ ملازمہ ٹرالی میں چائے لئے کمرے میں داخل ہوئی۔ ملازمہ نے چائے بنا کے کیفر کو پیش کی کیفر نے اس کے ہاتھ سے چائے کا کپ لے کر میز پر رکھ دیا۔

اس نے ملازمہ کی طرف اس طرح دیکھا کہ رفیقہ سمجھ گئی کہ اسے ملازمہ کی موجودگی ناگوار گزر رہی ہے۔ اس نے ملازمہ کو وہاں سے بھیج دیا۔

کیفر اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا اور کمرے میں ٹہلنے لگا اور پھر کچھ سوچتے ہوئے وہ رفیقہ کے قریب آیا۔ ''آپ جو مجھ سے پوچھنا چاہتی ہیں وہ بات مجھ میں کہنے کا حوصلہ نہیں ہے تو آپ برداشت کیسے کریں گی۔''

کیفر کی اس بات سے رفیقہ کے دل میں ایک ہوک سی اٹھی، عجیب عجیب سے وہم اسے اندر سے توڑنے لگے۔ ''میرے تو جان نکلی جا رہی ہے آخر تم بتاتے کیوں نہیں ایسی کون سی بات ہے تم بات بتانے میں جتنی دیر کرو گے میرا حوصلہ ٹوٹتا جائے گا۔'' کیفر رفیقہ کے قریب بیٹھ گیا اور دھیرے دھیرے کہنے لگا۔

''آپ مجھے جس زاویے سے دیکھ رہی ہیں ویسا نہیں ہے آپ سمجھ رہی ہیں کہ میں عصام سے پانچ سال پہلے ملا ہوں ایسا نہیں ہے میری ملاقات اس سے اب بھی ہوتی ہے۔''

''کیا مطلب۔'' رفیقہ چونک سی گئی۔ کیفر نے ایک لمبا سا سانس کھینچا۔

''آپ پانچ سال سے عصام کی جدائی کا غم کاٹ رہی ہیں۔ یہ سمجھ رہی ہیں کہ وہ پردیس میں محنت مشقت کر

رہا ہے۔لیکن حقیقت یہ نہیں ہے حقیقت تو اتنی بھیانک ہے کہ آپ اس کا تصور بھی نہیں کر سکتیں۔عصام کہیں نہیں گیا، وہ پانچ سال سے اس ملک میں موجود ہے۔''

رفیقہ کی سانس دل میں اٹک گئی کنیفر کی طرف مبہوت نظروں سے دیکھ رہی تھی اسے کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کہہ رہا ہے۔

''یہ تم کیا کہہ رہے ہو۔'' رفیقہ کو کنیفر پے غصہ سا آ گیا۔

''اگر آپ حقیقت جاننا چاہتی ہیں تو کچھ دیر حوصلے کے ساتھ خاموشی سے میری بات سنیں۔'' کنیفر کو رفیقہ کی آشفتہ سری پے ذرا سا بھی ترس نہ آیا۔

وہ اپنے غماز بھرے ارادے پے قائم تھا۔''اس کی جس دولت نے آپ لوگوں کا معیار زندگی بدل دیا وہ اس کی کوئی حلال کی کمائی نہیں ہے۔عصام کراچی میں ایک دہشت گرد تنظیم کا رکن ہے۔یہ ساری دولت اس نے انسانی زندگیاں بیچ کے حاصل کی ہے اور اب وہ اپنے ہاتھوں سے اتنے لوگوں کا خون بہا چکا ہے کہ اس کی واپسی کا کوئی راستہ نہیں بچا اسے تو دولت کا ایسا چسکا پڑا ہے کہ سینکڑوں جانیں لیتے ہوئے بھی اس کے ہاتھ نہیں کانپتے۔'' کنیفر کی بات سن کے رفیقہ پر جیسے قیامت ٹوٹ پڑی اس کا دل گھبرانے لگا اس کے اعصاب ڈھیلے پڑ گئے وہ کانپتے ہوئے ہونٹوں کے ساتھ رندھی ہوئی آواز میں بولی۔

''تم جھوٹ بول رہے ہو، میرا عصام ایسا نہیں ہو سکتا۔اس کا مزاج تو فرشتوں جیسا تھا۔''

کنیفر نے کسی طریقے سے وہ فوٹو گراف حاصل کر لی تھیں جس سے عصام کو ایک دہشت گرد ثابت کیا جا سکت تھا۔یہ فوٹو گرافز شہباز کے قبضے میں تھی جو اس نے انتہائی ہوشیاری سے حاصل کر لی تھیں۔

عصام کی یہ تصاویر مختلف وارداتوں کے دوران لی گئی تھیں جن میں سے عصام کے علم میں صرف دو تصاویر تھیں۔ان میں سے ایک تصویر گرلز کالج میں ٹائم بم رکھتے ہوئے تھی اور دوسری شہباز کے ملازم کے قتل کی تھی۔

کنیفر نے وہ تصاویر اپنی جیب سے نکالیں۔

''اگر آپ کو میری بات پے یقین نہیں ہے تو یہ لیں۔اپنے بیٹے کے کارنامے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں۔ مجھے تو اسے دوست کہتے ہوئے بھی شرم آتی ہے۔'' یہ کہہ کے کنیفر نے رفیقہ کے آگے تصاویر کا ڈھیر لگا دیا۔

رفیقہ نے وہ تصاویر دیکھیں تو اس کی نظریں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ اسے جیسے سکتہ ہو گیا وہ جہاں بیٹھی تھی وہیں سن ہو گئی۔ جیسے وہ اپنے حواس میں ہی نہیں تھی۔ وہ بھیگی آنکھوں سے تصاویر دیکھ رہی تھیں۔ وہ جوں جوں تصاویر دیکھ رہی تھی اس کی سانسیں ڈوبتی جا رہی تھیں وہ اکھڑے اکھڑے سانس لینے لگی پھر یکلخت اس نے اپنے سینے پر ہاتھ رکھا اور اس کی آنکھیں باہر کو ابل پڑیں۔

کنیفر نے اس کی یہ حالت دیکھی تو گھبرا گیا۔ وہ تیزی سے فون کی طرف لپکا اور ہسپتال فون کیا۔ پھر وہ فون رکھ کے تیزی سے کمرے سے باہر نکلا۔

''کوئی ہے گھر میں۔'' اس کی اس گھبرائی ہوئی آواز پر بنیش اور رومہ اپنے کمرے سے باہر نکلیں تو کنیفر یکلخت بولا۔ ''جلدی سے آئیں دیکھیں آپ کی امی کو کیا ہو گیا ہے۔'' اس کی بات سنتے ہی بنیش اور رومہ عصام کے کمرے کی طرف دوڑیں۔

وہ دونوں رفیقہ کے قریب آئی تو رفیقہ صوفے پر بے سدھ گری پڑی تھی۔ اس کی یہ حالت دیکھ کے دونوں لڑکیوں نے واویلا مچا دیا۔

''امی کیا ہوا ہے آپ کو۔'' بنیش رفیقہ کا سانس چیک کرنے لگی وہ اکھڑے اکھڑے سانس لے رہی تھی۔

کنیفر نے دیکھا کہ دونوں لڑکیوں کا دھیان ماں کی طرف ہے۔ تو اس نے تیزی سے ٹیبل سے فوٹو گرافز غائب کر دیں۔ ماں کی یہ حالت دیکھ کے ان دونوں بہنوں کے پسینے چھوٹ گئے رومہ تو گھبراہٹ کے مارے رونے لگی بنیش فون کی طرف بڑھی تو کنیفر نے اسے تسلی دی۔

''میں نے ہسپتال فون کر دیا ہے، بس ایمبولینس آتی ہی ہو گی۔''

بنیش تیزی سے رفیقہ کی طرف بڑھی اور اس کے ٹھنڈے برف ہاتھوں کو ملنے لگی۔

''امی تو اچھی بھلی ٹھیک تھیں یہ ایک دم انہیں کیا ہو گیا۔''

''آپ فکر مند نہ ہوں، بس ہسپتال پہنچنے کی دیر ہے یہ ٹھیک ہو جائیں گی۔'' کنیفر نے انہیں حوصلہ دینے کی کوشش کی لیکن دونوں بہنیں اس قدر گھبرائی ہوئی تھیں کہ ان پر کسی تسلی یا دلاسے کا کوئی اثر نہیں ہو رہا تھا۔ اتنے میں ایمبولینس ان کے گھر تک پہنچ گئی۔ بنیش رومہ کو گھر میں چھوڑ کے ایمبولینس میں اپنی ماں کے ساتھ بیٹھ گئی

کنیفر بھی اس ایمبولینس میں بیٹھ گیا۔

ہسپتال پہنچتے ہی ڈاکٹرز رفیقہ کو ایمرجنسی میں لے گئے بینش کی جان کو بنی ہوئی تھی۔ اس کے ہاتھ پاؤں کانپ رہے تھے۔ طرح طرح کے وسوسے اور وہم اسے اندر سے توڑ رہے تھے اس کی آنکھوں سے آنسو زارو قطار بہہ رہے تھے۔ وہ اپنے دونوں ہاتھوں سے اپنے چہرے کو ڈھانپتے ہوئے خدا کے آگے تلملانے لگی۔

''اے خدا ہماری ماں کو بچالے۔ بیشک تو بے نیاز ہے۔''

کنیفر ایمرجنسی کے سامنے بے چینی سے ٹہل رہا تھا۔ اس کی یہ بے چینی انسانیت کی ہمدردی کے لئے نہیں تھی بلکہ اس سنگین صورتحال سے فرار کا راستہ ڈھونڈ رہا تھا۔ وہ کافی دیر کچھ سوچتا رہا پھر وہ کاؤنٹر پر کھڑی نرس کے پاس گیا اور اسے رفیقہ کا نام اور پتہ لکھوانے لگا۔ پھر اس نے اس نرس کو رفیقہ کے علاج معالجے اور رہائش کے لئے معقول رقم دی اور ہسپتال سے رفو چکر ہو گیا۔

طویل وقت کے آپریشن کے بعد ایک لیڈی ڈاکٹر آپریشن تھیٹر سے باہر نکلی تو بینش بے چینی سے اس کی طرف بڑھی۔

''ڈاکٹر صاحبہ! میری امی کیسی ہیں۔''

''انہیں ہارٹ اٹیک کا شدید دورہ پڑا تھا، لیکن ہم نے کنٹرول کر لیا ہے وہ اب خطرے سے باہر ہیں۔ تقریباً آدھے گھنٹے کے بعد انہیں ہوش آجائے گا۔ لیکن آج ان سے کوئی نہ ملے یہ ان کی صحت کے لئے بہت ضروری ہے۔ یہ کہہ کے لیڈی ڈاکٹر تیز تیز قدموں سے چلتے ہوئے وہاں سے چلی گئی۔ کچھ دیر کے بعد کچھ نرسیں رفیقہ کو سٹریچر پر لٹائے کمرے سے باہر لے کر آئیں بینش انتہائی تشنگی کی کیفیت میں اپنی ماں کی طرف بڑھی اور سٹریچر پے ہاتھ رکھے نرسوں کے قدموں سے قدم ملانے لگی۔

نرسیں رفیقہ کو لے کر ایک روم میں داخل ہوئیں اور اسے اس کے بستر پر چت لٹا دیا۔ تھوڑی ہی دیر میں ایک ڈاکٹر روم میں داخل ہوا اور اس نے رفیقہ کو ڈرپ لگائی اور اس کی ہارٹ بیٹ چیک کرنے لگا۔ بینش کو ڈاکٹر نے اس طرح اکیلے بیٹھے دیکھا تو اس نے اس سے پوچھا۔

''ان کے ساتھ ہسپتال میں بس آپ ہی ہیں؟''

''جی ڈاکٹر صاحب، فی الحال تو میں ہی ہوں۔ جو بھی آپ کی فیس اور اس ہسپتال کے اخراجات ہوں گے وہ آپ مجھے بتا دیجئے گا۔'' بینش نے خود بڑا پن پیدا کرتے ہوئے کہا۔

ڈاکٹر نے پراطمینان لہجے میں کہا۔ ''آپ کے ساتھ جو آپ کے عزیز تھے انہوں نے تمام اخراجات ادا کر دیئے ہیں لیکن میں یہ پوچھنا چاہتا تھا کہ آپ کے ساتھ آپ کے کوئی بھائی یا والد صاحب نہیں ہیں۔''

''میرے والد صاحب کا تو انتقال ہو گیا ہے اور میرا بھائی ملک سے باہر ہے۔''

''جو لڑکا آپ کے ساتھ تھا وہ کون تھا۔''

''وہ میرے بھائی کا دوست تھا، امی سے ملنے آیا تھا کہ اس کی موجودگی میں ہی امی کو اٹیک ہو گیا۔''

''آپ پریشان مت ہوں، آپ کی امی اب خطرے سے باہر ہیں۔ میں انہیں چیک کرتا رہوں گا۔ ایسے مریض کو ہم کسی سے ملنے کی اجازت نہیں دیتے۔ لیکن آپ ان کے پاس رہ سکتی ہیں۔ اس ذمہ داری کے ساتھ کہ یہ بالکل ڈسٹرب نہ ہوں۔ کوئی اور ان سے کم از کم آج نہ ملے۔'' ڈاکٹر نے بینش کو سمجھایا۔

''آپ بے فکر رہیں میں اس بات کا خاص خیال رکھوں گی۔'' بینش نے ڈاکٹر کو مطمئن کیا۔

بینش کے دل کو کچھ حوصلہ ہو گیا تھا کہ اس کی ماں خطرے سے باہر ہے اس نے رومہ کو فون کیا اور اسے تسلی دی اس نے گھر کے ایک بوڑھے ملازم سے بھی بات کی اور اسے تاکید کی کہ وہ رومہ کا خاص خیال رکھے اور دروازہ بند رکھے۔ اسے ایک طرف گھر کی فکر بھی تھی وقت اور حالات نے اس کی سوچ کو اس کی عمر سے بڑا کر دیا تھا۔ رفیقہ کو ابھی ہوش نہیں آیا تھا بینش اس کے قریب بیٹھی اس کے چہرے کی طرف مسلسل دیکھ رہی تھی اس کی نظروں میں شدید بے چینی تھی کہ کب اس کی ماں کو ہوش آئے گا۔ اس کی نگاہیں اپنی ماں کے چہرے پر ہی ٹھہر گئیں۔ کچھ دیر کے بعد رفیقہ کی آنکھوں کے پپوٹے تھرتھرانے لگے۔ اس کے ہونٹوں پے خفیف سی جنبش ہونے لگی۔ بینش کی بے چینی مزید بڑھ گئی وہ کرسی پر سے اٹھ گئی اور رفیقہ کے چہرے کے قریب ہاتھ رکھے اس کے پاس کھڑی وہ خاموشی سے اسے دیکھ رہی تھی۔

عصام کو ماں کی علالت کی خبر ہو گئی تو وہ ساشا کے ساتھ دیوانہ وار ہسپتال پہنچ گیا۔ وہ دونوں کمرے تک پہنچے تو ندامت کے احساس نے اس کے قدم روک دیئے۔ وہ کچھ سوچ کے دروازے پے ہی رک گیا اور وال مرر سے

اپنی ماں کو جھانکنے لگا۔ رفیقہ مکمل ہوش میں تھی اور بینش سے باتیں کر رہی تھی۔ عصام کی آنکھوں میں نمی تیرنے لگی۔ وہ اپنی نظروں میں اس قدر گر چکا تھا کہ اپنے وجود کو اس قابل نہیں سمجھ رہا تھا کہ مامتا جیسے رشتے کا سامنا کر سکے۔ ساشا نے عصام کی طرف دیکھا۔

''کیا سوچ رہے ہو۔''

''میں امی کے سوالوں کا کیا جواب دوں گا۔'' عصام نے اپنی بھیگی نگاہیں جھکاتے ہوئے کہا۔

''یہ وقت ان باتوں کا نہیں ہے۔ اس وقت تم اس کی چوکھٹ پے ہو۔ جس سے بڑا رشتہ اور کوئی نہیں۔ ماں سے مل کے دل کو مطمئن کر لو۔ جھوٹی زندگی تو ہم گزار ہی رہے ہیں۔ ماں کا بھرم قائم رکھنے کے لئے ایک جھوٹ اور بول لینا۔'' ساشا نے عصام کو سمجھایا۔ عصام نے کچھ دیر کچھ سوچا اور پھر وہ دونوں کمرے میں داخل ہو گئے۔

عصام اتنے عرصے کے بعد بینش اور رفیقہ کے سامنے آیا تو وہ دونوں خلوص کے مارے اندر سے کانپ کے رہ گئیں۔ ان کی عصام کے دیدار کے لئے ترسی ہوئی نگاہیں اس کے چہرے پر ہی ٹھہر گئیں۔ عصام بھی جذبوں کی رو میں بہہ رہا تھا۔ جذبات کی شدت سے اس کی زبان گنگ ہو گئی۔ پورے کمرے میں سکوت چھا گیا تھا۔

عصام رفیقہ کے بیڈ کی طرف بڑھا اور اس کے قدموں کو چھونے لگا۔ رفیقہ نے اپنے قدم سکیڑ لئے۔ عصام اس کے قدموں سے اٹھ کے اس کے قریب گیا تو اس نے سرد مہری سے دوسری طرف منہ موڑ لیا۔ اس نے بینش کی طرف دیکھا تو بینش نے بھی بہن کے جذبات کو بے رخی کے تاثرات میں چھپا لیا۔ ایک ہی لمحے میں ماں بیٹی کے چہرے کے تاثرات کچھ سے کچھ ہو گئے۔

عصام نے ایک بار پھر رفیقہ کی طرف دیکھا۔ ''اتنے برسوں کے بعد مجھے سامنے دیکھ کر آپ کے دل کو کچھ نہیں ہوا۔ میں تو سوچ رہا تھا کہ آپ تڑپ کے مجھے اپنے سینے سے لگا لیں گی لیکن آپ نے اتنی آسانی سے مجھ سے منہ پھیر لیا۔'' عصام کی آنکھوں میں آنسو چمک رہے تھے۔ وہ محبت کی بھرپور نگاہوں سے اپنی ماں کے چہرے کی طرف دیکھ رہا تھا لیکن اسے اپنی ماں کے چہرے میں اس محبت کا کوئی جواب نہیں دکھائی دے رہا تھا۔

وہ ڈھیلے ڈھیلے قدموں سے بینش کی طرف بڑھا۔ ''ڈاکٹرز نے امی کے بارے میں کیا بتایا ہے۔''

''امی کو سریس ہارٹ اٹیک ہوا تھا۔ ڈاکٹر نے کنٹرول کر لیا ہے۔'' بینش نے عصام کی بات کا جواب دیا

لیکن اس کی طرف دیکھا تک نہیں۔

''لیکن یہ سب ہوا کیسے؟'' یہ سوال ابھی عصام کی زبان پے تھا کہ رفیقہ اپنا دایاں ہاتھ اکڑاتے ہوئے طیش میں بولی۔

''بینش۔اس سے کہہ کہ یہاں سے چلا جائے۔نہ ہی میں اس کی ماں ہوں اور نہ ہی یہ میرا بیٹا۔کاش میرا یہ بھرم قائم رہتا کہ میرا بیٹا پانچ سالوں سے ہمارے لئے محنت مشقت کر رہا ہے۔ مجھے کیا معلوم تھا کہ یہ عصام عصام نہیں رہا، درندہ بن گیا ہے۔اس سے کہو کہ میں اس کی شکل بھی دیکھنا نہیں چاہتی۔اے میرے خدایا مجھے معاف کر دے۔ میں اتنے سالوں سے اپنی بیٹیوں کو حرام کھلا رہی ہوں۔ میں نے اس غلاظت بھری کمائی سے اپنی دو بیٹیاں فارغ کر دیں۔عصام میں تجھے کبھی معاف نہیں کروں گی۔اگر میں مر بھی جاؤں تو اپنے ناپاک قدم لے کر میرے جنازے میں شامل نہ ہونا۔چلا جا یہاں سے۔''

غم اور غصے کی شدت سے رفیقہ کا پورا وجود کانپنے لگا اور اس کی طبیعت دوبارہ بگڑ گئی۔عصام نے اس کی یہ حالت دیکھی تو ڈاکٹر کو بلانے کے لئے بھاگا۔وہ ڈاکٹر کو لے کر کمرے میں پہنچا تو ڈاکٹر نے رفیقہ کو ایمرجنسی ٹریٹمنٹ دی۔جس سے اس کی طبیعت سنبھل گئی۔

ڈاکٹر نے بینش کی طرف دیکھا۔''میں نے آپ سے کہا تھا نہ کہ انہیں بالکل ڈسٹرب نہیں کرنا۔اگر ان کی اس طرح حالت بگڑتی رہی تو صورتحال سنگین ہو سکتی ہے۔بس کچھ روز تک آپ ان کے لوگوں سے ملنے ملانے میں احتیاط برتیں۔یہ بالکل ٹھیک ہو جائیں گی۔''

ڈاکٹر کی اس بات پر بینش نے انتہائی خفگی سے عصام کی طرف دیکھا تو اس نے بینش کی نگاہوں کو پڑھتے ہوئے اپنی بھیگی ہوئی آنکھوں کو خشک کیا اور انتہائی مروت سے رفیقہ کی طرف دیکھا اور گلوگیر لہجے میں بولا۔

''اگر ہو سکے تو مجھے معاف کر دینا۔وقت کے بھنور نے نہ جانے مجھے کہاں سے کہاں پہنچا دیا ہے۔آپ نے مجھے جو کچھ کہا ہے ٹھیک کہا ہے۔میں واقعی اس قابل ہوں۔'' عصام اور ساشا دل پے بوجھ لئے کمرے سے باہر نکلے اور ڈاکٹر کا انتظار کرنے لگے۔کچھ دیر کے بعد ڈاکٹر کمرے سے باہر آیا تو عصام اس کی طرف بڑھا۔

''ڈاکٹر صاحب۔مجھے آپ سے کچھ بات کرنی ہے۔'' عصام اور ساشا ڈاکٹر کے ساتھ اس کے کمرے میں

چلے گئے۔عصام نے ڈاکٹر سے رفیقہ کی بیماری کے متعلق تفصیلاً رپورٹ لی۔

''میں ان خاتون کا بیٹا ہوں۔میرا آپ سے رابطہ رہے گا۔انسانیت کے رشتے کے اعتبار سے مجھے آپ کی مدد کی ضرورت ہے۔میری والدہ سے آج کل میری کچھ ناراضگی ہے۔'' یہ کہہ کر عصام نے ڈاکٹر کو ایک چیک دیا۔''میری والدہ کے علاج میں کسی قسم کی کمی نہیں آنی چاہئے۔انہیں علم نہ ہو کہ میں نے آپ کو یہ روپے دیئے ہیں۔'' ڈاکٹر سے بات کرنے کے بعد عصام اور ساشا وہاں سے چلے گئے۔

عصام کی کیفیت بہت عجیب تھی۔وہ انتہائی ذہنی تناؤ میں کار ڈرائیو کر رہا تھا۔سٹیئرنگ اس کے ہاتھوں میں تھا لیکن اس کے ہاتھوں میں کپکپاہٹ تھی۔سرمئی بادلوں کی اس گھمبیر چادر نے دوپہر کی چلچلاتی دھوپ کو شام کے سے منظر میں بدل دیا۔عصام اپنے دل میں غم کا پہاڑ لئے چپ سادھے ڈرائیونگ کر رہا تھا۔وہ مسلسل سڑک کی طرف دیکھ رہا تھا۔اس کی کیفیت بہت عجیب تھی۔وہ نہ تو کچھ بول رہا تھا اور نہ ہی ساشا کی طرف دیکھ رہا تھا۔لیکن ساشا کی نگاہیں اس کی طرف مرکوز تھیں۔اسٹیئرنگ پے وہ اپنے ہاتھوں کی جگہ کو بار بار بدل رہا تھا جس سے اس کی ذہنی تناؤ کی شدت کا اندازہ ہو رہا تھا۔وہ ایک بت کی مانند سیدھا بیٹھا ہوا تھا۔اس کے چہرے پے ایک ذہنی مریض کے تاثرات عیاں تھے۔بظاہر تو وہ ڈرائیونگ کر رہا تھا لیکن اس کا ذہن کرب آمیز سوچوں کی بھول بھلیوں میں بھٹک رہا تھا۔شاید وہ چاہتا بھی نہیں تھا کہ ساشا فی الحال اس سے کوئی بات کرے۔الفاظ اس کے لئے بے معنی ہو گئے تھے۔آخر وہی ہوا جس کا ساشا کو ڈر تھا۔عصام اپنے ذہنی تناؤ کے باعث اپنی سیدھ میں آنے والی گاڑی کو صحیح مارک نہ کر سکا۔دوسری گاڑی عصام کی گاڑی کو سائیڈ مارتے ہوئے سپیڈ سے نکل گئی اور عصام کی گاڑی ایک شدید جھٹکے کے ساتھ ہچکولے کھاتی ہوئی ایک درخت سے ٹکرا گئی۔عصام کا سر اسٹیئرنگ سے ٹکرایا جس سے اس کی پیشانی سے خون بہنے لگا۔ساشا نے خود کو سنبھال لیا اور تیزی سے عصام کی طرف بڑھی۔

''آخر تم نے وہی کیا نہ، جس کا مجھے ڈر تھا۔ابھی تو خدا نے ہم دونوں کو بچا لیا ورنہ تم نے تو خود کو مارنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔'' جذباتی سے انداز میں بولتے ہوئے اس نے عصام کو سہارا دیا اور اسے گاڑی سے باہر نکالنے لگی۔عصام مشکل سے باہر نکلا اور اپنی پیشانی پے ہاتھ رکھتے ہوئے ڈھیلی ڈھالی چال سے آگے بڑھنے لگا۔پیشانی کی چوٹ کی وجہ سے اسے ایک آنکھ سے صحیح دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ساشا تیزی سے اس کی طرف

لپکی اور اس کا ہاتھ تھامتے ہوئے ایک درخت کی طرف بڑھی۔ وہ اور عصام اس درخت کی چھاؤں تلے بیٹھ گئے۔

ساشا نے اپنے پرس سے اپنا رومال نکالا اور اس کی پیشانی پر باندھ دیا۔ عصام کے ہاتھ پر بھی معمولی سی چوٹ آئی تھی۔ ساشا اپنے دوپٹے سے اس کا ہاتھ صاف کرنے لگی تو عصام نے گہری نظر سے اس کی طرف دیکھا۔ چند ہی لمحوں میں اس کی آنکھیں بھیگ گئیں۔ شاید وہ اسی لیے ساشا کی طرف دیکھنا نہیں چاہتا تھا کہ اس کے خلوص کو دیکھ کے وہ اپنے غموں پے رو دے گا۔ اسے اپنے غم کے اظہار کا ہر انداز بے معنی لگ رہا تھا۔ شاید اس کی ذات اس کے لیے بے معنی ہو گئی تھی۔ وہ کچھ دیر تک ساشا کے چہرے کی طرف دیکھتا رہا۔ ساشا کی نگاہوں میں اس کے لئے انتہائی جذباتیت تھی۔ عصام جیسے ان جذبوں میں ڈوب سا گیا۔ وہ کمزور پڑ گیا اس کے دل کے غم کے بادل اس کی آنکھوں کی برسات بن گئے اور وہ اپنے گھٹنوں پے سر رکھے پھوٹ پھوٹ کے رونے لگا۔

عصام کو اس طرح دیکھ کر ساشا کا دل اکٹھا سا ہو گیا۔ اس نے انتہائی ملائمت سے عصام کے شانے پے اپنے ہاتھ رکھا۔ ''عصام! تسلیم کر لو ہم شکست خوردہ لوگ ہیں۔ ہمارے نصیب میں نہ ہی وفا ہے اور نہ یہ سکون تو پھر اپنی بے بسی پے بار بار آنسو کیوں بہاتے ہو۔ ہم کوئی نہ کوئی صورت نکال لیں گے۔ تم خود کو سنبھالو۔ یہ سب کچھ کنیفر کا کیا دھرا ہے۔'' ساشا نے کنیفر کا نام لیا تو عصام کا خون کھول اٹھا۔

''میں اسے زندہ نہیں چھوڑوں گا۔ اس کی وجہ سے میری ماں اس حال کو پہنچی ہے۔''

''اس سے تو ہم نبٹ ہی لیں گے۔ تم گاڑی چیک کرو تمہاری پیشانی سے خون بہہ رہا ہے۔ تمہاری ڈریسنگ کروانی ہے۔''

''گاڑی تو ٹھیک ہے۔'' گاڑی چیک کر کے ڈرائیونگ سیٹ پے بیٹھ گیا۔ روشنی آہستہ آہستہ ختم ہوتی جا رہی تھی۔ ایک طویل فاصلے کے بعد ان کی گاڑی جنگلی راستے سے نکلی۔ عصام نے مرہم پٹی کروائی اور پھر وہ دونوں اپنے ٹھکانے کی طرف چل دیئے۔ پونے گھنٹے تک وہ دونوں اپنے مطلوبہ شہر تک پہنچ گئے۔

عصام اور ساشا نے اپنے ٹھکانے تک پہنچتے ہی کنیفر کے بارے میں پوچھا لیکن کنیفر کسی دوسرے شہر روانہ ہو چکا تھا۔

عصام کا خون کھول رہا تھا۔ کنیفر کو غائب پا کر وہ مزید تذبذب کا شکار ہو گیا اس نے اپنے کسی ساتھی سے کوئی بات نہیں کی۔ اسے وہ سارے کا سارا عملہ درندہ صفت لوگوں کی ایک جماعت دکھائی دے رہا تھا جس کا انسانیت سے کوئی واسطہ نہ ہو۔ وہ اپنے کمرے میں بیڈ پر نیم دراز تھا۔ اس کے پردۂ ذہن پر بیمار ماں کا عکس جھانک رہا تھا۔ اس کا دل و دماغ جیسے اس کے بدن سے کھنچ رہا تھا، اسے یوں محسوس ہو رہا تھا کہ جیسے اس کا ذہن معدوم اور دل کی دھڑکنیں سلب ہو چکی ہیں۔ وہ خود سے جھگڑ رہا تھا۔ وہ خود ہی اپنی ذات پے الزام تراشی کرتا اور خود ہی اپنی صفائی بھی پیش کرتا۔ وہ سوچ کی اس ادھیڑ بُن میں گم تھا کہ ساشا اس کے لیے ایک چائے کا کپ لئے کمرے میں داخل ہوئی۔ ساشا کو اس کی اذیت کا احساس تھا۔ وہ عصام کے قریب آئی اور بولی۔

''یہ چائے پی لو۔ شاید تمہارے سر کا درد اس سے ٹھیک ہو جائے۔''

عصام نے بیزاری کے سے انداز میں چائے کا کپ لیا۔

''اس سے میرے سر کا درد کیا ٹھیک ہوگا۔ کنیفر اپنا قصور جانتا تھا اس لئے غائب ہو گیا ہے لیکن بچ کے کہاں جائے گا۔''

''عصام۔ ہوش سے کام لو۔ ہم کنیفر سے اس کی اس گھٹیا حرکت کا بدلہ ضرور لیں گے۔ لیکن یہ بات یہاں کسی کو بھی ظاہر نہیں کروانی۔ ہم کوئی مناسب موقع ڈھونڈیں گے۔ اس وقت تک تم نے اپنا غصہ کنیفر کو بھی ظاہر نہیں کروانا۔'' ساشا نے عصام کو سمجھایا۔

رات نو بجے سب میٹنگ ہال میں جمع ہوئے اور شہباز کا انتظار کرنے لگے۔ شہباز پورے ایک گھنٹہ لیٹ پہنچا۔ ساڑھے دس بجے کے قریب میٹنگ شروع ہوئی۔ شہباز نے اپنے سب ارکان سے باری باری ان کی کارکردگی کے متعلق پوچھا لیکن جب اس کی نظر عصام پر پڑی تو اس نے تعجب بھرے انداز میں پوچھا۔

''عصام خیریت ہے۔'' پھر وہ ساشا سے مخاطب ہوا۔ ''عصام کی طبیعت ٹھیک ہے۔ کیا بات ہے۔ اس کا چہرہ کیوں اترا ہوا ہے۔''

''اس کے سر میں درد ہے۔'' ساشا نے عصام کی جگہ جواب دیا۔

''کوئی دوا لے لینی تھی۔ ہمارا خطرناک کام ہے۔اس میں آدمی کو مستعد ہونا چاہئے۔'' شہباز کی اس بات پر عصام نے تیکھی نظروں سے اس کی طرف دیکھا اور خود کلامی کے انداز میں بڑبڑایا۔

''ہوں! موت کا کاروبار۔''

پھر شہباز اپنے ساتھیوں سے ایک بار پھر مخاطب ہوا۔

''میں نے آپ لوگوں کو پہلے بھی بتایا تھا کہ ہماری مختلف تنظیموں میں کام کرنے والے افراد ایک دوسرے سے زنجیر کی طرح وابستہ ہیں۔ جس میں اگر ایک بھی پولیس کے ہتھے چڑھ گیا ہم سب بکھر کے رہ جائیں گے۔ آج کل انتظامیہ بہت سختی کر رہی ہے۔ جگہ جگہ چھاپے پڑ رہے ہیں۔ ہماری خفیہ سرگرمیوں کی سرپرستی کرنے والے افسروں نے یہ رائے دی ہے کہ ہمیں کچھ عرصے کے لئے اپنا ٹھکانہ بدل لینا چاہئے۔ آج آپ لوگوں کا گروہ پشاور جائے گا۔ ہم جہاں ٹھہریں گے اس علاقے کے متعلق میں نقشے کے ذریعے سمجھا دوں گا۔'' یہ کہہ کر شہباز اپنی سیٹ سے کھڑا ہوا اور دیوار پہ چسپاں نقشے کی طرف بڑھا۔ اس نے ایک چھڑی کی نوک لنڈی کوتل کے مقام پر رکھی۔

''یہ علاقہ ہے جہاں ہم ٹھہریں گے۔ ہمارا ایک گروہ بھی ہمارے ساتھ ہوگا۔ یہ دونوں گروہ لنڈی کوتل سے طورخم تک اپنے ٹھکانے بنائیں گے۔ یہ علاقے ایسے ہیں جہاں ہم کافی عرصے کے لئے ٹھہر سکتے ہیں۔ آپ لوگوں کے پاس چار روز ہیں۔ آپ چار روز میں اپنی اپنی تیاری کر لیں۔'' یہ کہہ کر شہباز کمرے سے باہر چلا گیا۔ شہباز کے جانے کے بعد تمام افراد بھی اپنی اپنی سیٹوں سے اٹھ کھڑے ہوئے لیکن عصام وہیں بیٹھا رہا۔ سب افراد کمرے سے باہر چلے گئے۔ عصام کی وجہ سے ساشا بھی اس کے پاس رک گئی۔

''کیا سوچ رہے ہو۔''

عصام کھوئی کھوئی سی نظروں سے ساشا کی طرف دیکھنے لگا۔

''امی کی طبیعت بہت خراب ہے اور ہم اتنی دور جا رہے ہیں۔''

''کوئی ہم سے رابطہ رکھنا چاہے گا تو ہمیں کچھ معلوم ہوگا ناں۔'' عصام نے انتہائی سنجیدگی سے کہا۔

''میں نے اس کا حل بھی سوچ لیا ہے۔ کمرے میں چلو، پھر بتاتی ہوں۔''

عصام اور ساشا کمرے سے نکلے۔ ساشا عصام کو اپنے کمرے میں لے گئی۔

''عصام! اس طرح پریشان رہنے سے کچھ نہیں ہوگا۔ اب اگر تمہیں روح فسوں غم کا سامنا ہے تو تمہیں حوصلے سے کام لینا چاہئے۔'' ساشا نے اپنے صوفے پے بکھرے ہوئے سامان کو دیکھتے ہوئے کہا۔

''یہ اتنا سہل نہیں ہے۔ جتنا تم سمجھ رہی ہو۔'' عصام تھکے ہوئے انداز میں بولا۔

ساشا عصام کے قریب صوفے پہ بیٹھ گئی اور اسے سمجھانے لگی۔

''عصام! یہ تم بخوبی سمجھتے ہو کہ شہباز کے حکم پے چلنا ہماری مجبوری ہے۔ ہم اگر چاہیں بھی تو اپنی من مانی نہیں کر سکتے۔ پشاور تو ہمیں ہر حال میں جانا ہے۔''

''ساشا! میرا دل تو اس راستے پے چلنے کو کبھی بھی نہیں چاہا لیکن اب تک حالات اور مجبوریوں کے ہاتھوں کٹھ پتلی بنا رہا ہوں۔ لیکن اب دل چاہتا ہے کہ مجبوریوں کے سارے جال توڑ کے یہاں سے بھاگ جاؤں۔ درندہ صفت لوگوں کی فہرست میں سے خارج ہو جاؤں۔ ساشا! میں نے اپنی ماں کی نگاہوں میں اپنے لئے جو نفرت دیکھی ہے یوں لگتا ہے جیسے نفرت کی اس چنگاریوں نے اس عصام کو جلا ڈالا ہے جو معصوم لوگوں کی جان لیتا تھا۔''

ساشا کا چہرہ یکدم پیلا پڑ گیا۔ اس کے چہرے پے شدید ٹینشن کے اثرات رونما ہونے لگے۔

''تم جانتے ہو عصام! کہ تم کیا کہہ رہے ہو۔ تم شہباز کو نہیں جانتے۔ تمہاری اس بات کا صاف صاف مطلب تمہاری موت ہے۔ بس ایک یہی راستہ ہے یہاں سے فرار ہونے کا۔''

''اس زندگی سے بہتر موت ہے۔ جس زندگی میں میری ماں مجھ سے نفرت کرے۔ انہیں دنیا کی خوشیاں دینے کے لئے میں نے گناہ کے اس سمندر میں چھلانگ لگا دی تھی۔ اب جب میری ماں ہی مجھ سے پیچھے ہٹ گئی ہے تو مجھے بھی اپنے انجام کی پرواہ نہیں۔ چاہے میں مروں یا جیوں اس دلدل سے باہر نکل جاؤں گا۔''

عصام کی باتیں سن کے ساشا کے وجود سے تھرتھراہٹ کی ایک لہر دوڑ گئی۔ اس کا چہرہ تپنے لگا۔

''عصام! یہ بہت بڑا فیصلہ ہے بلکہ یوں سمجھو کہ زندگی سے دستبردار ہونے کا فیصلہ ہے۔ میں تمہیں اس موت کے کنویں میں چھلانگ لگانے نہیں دوں گی۔''

''اور ہزاروں لوگ جنہیں ہم موت کے گھاٹ اتار رہے ہیں کیا ان کے چاہنے والے نہیں تڑپتے ہوں

گے۔ ساشا! میں نے تو بہت پہلے سے سوچ رکھا تھا کہ میں اپنی بہنوں کی ذمہ داری سے فارغ ہو جاؤں تو اپنی ماں کے نام پے بنک میں پیسہ رکھ کے، خود کو پولیس کے حوالے کر دوں گا لیکن میرے فیصلے سے پہلے وقت نے اپنا فیصلہ سنا دیا ہے۔"

ساشا کی نظروں میں نمی تیر رہی تھی۔ اس کی بھیگی ہوئی نگاہوں میں عصام کا چہرہ دھندلا رہا تھا۔ عصام کی باتوں کے آگے اسے وہ الفاظ ہی نہیں مل رہے تھے جس سے وہ عصام کو سمجھا سکے۔

وہ مسلسل عصام کو دیکھتی رہی اور پھر اس کے قدموں میں بیٹھ گئی۔

"میں تمہارے بغیر نہیں جی سکتی۔ جہاں بھی جاؤ گے میں تمہارے ساتھ جاؤں گی۔"

"تم نے خود تو کہا ہے کہ یہاں سے فرار کا راستہ موت کی طرف جاتا ہے۔ پھر بھی تم میرے ساتھ چلنے کے لئے تیار ہو۔" عصام صوفے سے اٹھ کے خود بھی اس کے ساتھ قالین پے بیٹھ گیا۔ ساشا نے اپنی نمدار نظروں سے عصام کی طرف دیکھا۔ اس کی نگاہوں میں یکطرفہ جذبے کے موتی چمک رہے تھے۔ عصام نے ساشا کی نگاہوں کو پڑھتے ہوئے کہا۔

"میں اتنی محبت کے قابل نہیں ہوں۔ جتنا خوبصورت خدا نے تمہیں بنایا ہے ان درندوں میں نہ پھنستی تو کسی عزت دار گھرانے میں عیش کر رہی ہوتی۔"

ساشا تضحیک آمیز انداز میں مسکرائی۔ "ان درندوں میں تو میں لاوارث ہونے کی وجہ سے پھنسی ہوں اب بھی لاوارث ہوں۔ میرا کون ہے۔"

"میں ہوں نا، تمہارا دوست۔ تبھی تو چاہتا ہوں کہ تمہیں کسی مشکل میں نہ ڈالوں۔ میں تمہیں یہاں سے نکال کر کسی محفوظ مقام پے پہنچا دوں گا۔" عصام نے ساشا کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیتے ہوئے کہا۔

"عصام! میرا سکون سوائے اس چیز کے کسی اور چیز میں نہیں ہے کہ میں تمہارے ساتھ چلوں۔ پلیز مجھے اس حق سے محروم مت کرنا۔ میں تمہیں ہی اپنا سب کچھ سمجھتی ہوں۔ تم جس رستے پے چلو گے میں تمہارے ساتھ ہوں گی۔"

عصام نے انتہائی خلوص سے ساشا کی طرف دیکھا اور اثبات کے انداز میں سر ہلانے لگا۔ "اگر تمہاری یہی ضد ہے تو ٹھیک ہے۔" یہ کہنے کے بعد عصام کچھ سوچنے لگا اور پھر بولا۔

''فی الحال ہم ان کے ساتھ پشاور جائیں گے۔ اس کے بعد سوچیں گے۔'' عصام نے منہ ہی منہ میں بڑبڑاہٹ سی کی۔ ''فی الحال مجھے کنیفر سے نبٹنا ہے۔''

''تم نے مجھ سے کچھ کہا۔'' ساشا بلا تامل بولی۔

''تم کہہ رہے تھے نا، کہ امی کی خیریت ہمیں کس طرح معلوم ہوگی۔ تو اس مسئلے کا ایک حل ہے میرے پاس۔ تم کہتے تھے کہ سبین سے تمہاری بہت انڈر سٹینڈنگ ہے۔ پس تم اس سے رابطہ کرو۔ ہم اسے قائل کرنے کی کوشش کریں گے کہ وہ نہ صرف ہمیں امی کی خیریت سے آگاہ کر دیا کرے بلکہ ان کے علاج معالجے کے لئے ہماری دی گئی رقوم کسی نہ کسی بہانے امی پے خرچ کریں۔''

''مجھے بھی لگتا ہے کہ سبین اس معاملے میں ہماری مدد کرے گی۔ اگر سبین میری بات مان لے تو میرے ذہن سے بہت سا بوجھ ہلکا ہو جائے گا۔'' عصام نے ٹھنڈی آہ بھری۔

''فی الحال تم آرام کر لو۔ بہت ڈیپریس ہو۔ تمہیں آرام کی ضرورت ہے۔'' ساشا نے کہا۔

''مجھے تو نیند نہیں آئے گی۔ لیکن میرا پورا وجود درد سے ٹوٹ رہا ہے۔ ایک عجیب سا اعصابی کھچاؤ محسوس کر رہا ہوں۔ میں اپنے فلیٹ چلتا ہوں۔'' عصام نے کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔

''اتنی جلدی کیا ہے۔ میرے ساتھ ایک کپ چائے بھی نہیں پیو گے۔'' ساشا کے اصرار پر عصام تھوڑی دیر اور رک گیا۔ اس نے ساشا کے ساتھ ایک کپ چائے پی اور پھر وہاں سے چلتا بنا۔

تین روز کے بعد شہباز کے تمام آدمی اس کی کوٹھی میں پہنچ گئے۔ سب اپنی پیکنگ مکمل کر چکے تھے۔ کنیفر اس شفٹنگ پر بہت خوش تھا۔ عصام اور ساشا کے علاوہ سبھی اراکین اس شفٹنگ کو آؤٹنگ کے طور پر لے رہے تھے۔ گروہ کے لڑکے نت نئے ڈیزائن کی پینٹ شرٹ زیب تن کئے آپس میں جام ٹکرا رہے تھے۔ ان میں سب سے زیادہ مدہوش کنیفر تھا۔ ان کے گروہ میں ساشا کے علاوہ اور بھی لڑکیاں تھیں جو ان کے رنگوں میں رنگی ہوئی تھیں۔

ساشا اور عصام دور بیٹھے آپس میں گپ شپیوں میں مصروف تھے۔ کنیفر نشے میں جھوم رہا تھا کہ اس کی نظر ان دونوں پر پڑی۔ حسد کی ایک لہر سے وہ بھنا کے رہ گیا۔ وہ جھومتا ہوا ان دونوں کے قریب گیا اور کندھے اچکاتا ہوا ساشا کی طرف بڑھا اور بے دھڑک اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

''یہ تم کیا اس اکتائے ہوئے شخص کے ساتھ بیٹھی ہو۔ وہ دیکھو سامنے کیسی زبردست محفل جمی ہے۔ تم بھی ہماری محفل میں شامل ہو جاؤ۔''

کنیفر کی حرکت دیکھ کر عصام کے سینے میں جیسے آلاؤ بھڑک اٹھا۔ وہ غصے سے تپنے لگا اور جھٹکے سے اپنی جگہ سے اٹھا اور اس کا ساشا کی طرف بڑھا ہوا ہاتھ مروڑ کے اسے مکے رسید کرتا ہوا کونے تک لے گیا۔

ساشا ان کا جھگڑا ختم کرنے کے لئے ان کے بیچ آئی تو عصام نے اسے پیچھے دھکیل دیا۔

کنیفر بھی مارشل آرٹ میں مہارت رکھتا تھا۔ اس نے عصام کی اچھی بھلی ٹھکائی کر دی تھی۔ کنیفر کے منہ سے خون بہہ رہا تھا اور عصام کے ماتھے سے۔ دونوں جنگلی بھیڑیوں کی طرح لڑ رہے تھے کہ شہباز وہاں آ پہنچا۔

''یہ سب کیا ہو رہا ہے۔''

اس نے دونوں کے چہروں سے خون بہتے دیکھا تو غصے سے گرج کر بولا۔

''تم دونوں میرے کمرے میں آؤ۔''

وہ شہباز کے پیچھے اس کے کمرے میں چلے گئے۔ شہباز اپنی جھولتی ہوئی کرسی پر براجمان ہو گیا۔ عصام اور کنیفر نہایت عاجزی سے اس کے سامنے کھڑے ہو گئے۔

''یہ تم دونوں نے کیا تماشا لگا رکھا تھا۔ تم جانتے نہیں کہ اس طرح کی حرکتیں مجھے بالکل پسند نہیں۔ بجائے اس کے تم ایک دوسرے کا ساتھ دے کر اپنی تنظیم کو محفوظ کرو، تم آپس میں جھگڑتے رہتے ہو۔'' شہباز یہ کہہ کے عصام سے مخاطب ہوا۔ ''تم بتاؤ جھگڑا کس بات پہ شروع ہوا۔''

شہباز کے اس سوال کے جواب میں عصام نے ساری بات شہباز کو بتائی۔

شہباز نے اس بات کا کوئی خاص اثر نہیں لیا۔ اس نے انتہائی لاپرواہی سے کہا۔

''یہ بات اتنی بری نہیں کہ میں کنیفر کے لئے کوئی سزا تجویز کروں لیکن کنیفر کو ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا۔ اس گروہ میں ہر ایک اپنی مرضی کا مالک ہے۔'' پھر شہباز نے اپنی نگاہیں کنیفر کے چہرے پر گاڑ دیں۔ ''تم اچھی طرح جانتے ہو کہ ساشا اس طرح کی محفلیں پسند نہیں کرتی۔ پھر تم نے اسے کیسے کیوں کہا۔ مانتا ہوں کہ وہ خون خرابے سے کتراتی ہے۔ کمپیوٹر کے معاملے میں بہت تیز ہے۔ ہتھیاروں کی جانکاری میں وہ تم سے اور عصام

سے آگے ہے۔ وہ ہمارے گروہ کی ایک قابل ترین رکن ہے۔ اسے اپنی مرضی سے جینے کا پورا پورا اختیار ہے۔ ایک بات ذہن نشین کرلو کہ اگر تم نے آئندہ ساشا کو تنگ کیا تو تمہارا کیا انجام ہوگا۔ یہ اپنے ذہن میں رکھنا کیونکہ تم اچھی طرح جانتے ہو کہ میرے حکم کی خلاف ورزی کرنے والوں کا انجام کیا ہوتا ہے۔''

شہباز کی بات مکمل ہوئی تو کنیفر اور عصام اس کے کمرے سے باہر چلے گئے۔ عصام باہر آ کے ساشا کے قریب بیٹھ گیا اور کنیفر غصے سے اپنے پیر جھٹکتے ہوئے دوسرے کمرے میں چلا گیا۔

عصام کا دل مطمئن ہوگیا تھا کہ اب شہباز کی وجہ سے کنیفر ساشا کو تنگ نہیں کرے گا۔

''چلو یہاں سے اٹھو۔ ہم کسی دوسری جگہ بیٹھتے ہیں۔'' عصام نے ساشا سے کہا اور وہ دونوں وہاں سے اٹھ کے لان میں جا کے بیٹھ گئے۔ رات کا وقت تھا۔ لان میں موتیے کے خوبصورت پھول کھلے ہوئے تھے۔ فضا پھولوں کی دلفریب خوشبو سے معطر تھی۔

وہ دونوں بہت دیر تک باتیں کرتے رہے۔ پھر ان کی پشاور کی طرف روانگی کا وقت ہوگیا۔ وہ لوگ الگ الگ گاڑیوں میں بیٹھے۔ عصام کی گاڑی میں ساشا اس کے پاس بیٹھی ہوئی تھی۔ پچھلی سیٹ پر ان کے دوسرے ساتھی بیٹھے تھے۔

وہ پشاور پہنچے تو شہباز کی گاڑی باقی دوسری گاڑیوں کو اپنے پیچھے آنے کا اشارہ دیتی ہوئی دورویہ سڑک کی دوسری جانب کو نکل گئی۔ ایک طویل فاصلے تک گاڑیاں شہباز کی گاڑی کے پیچھے چلتی رہیں۔ پھر شہباز کی گاڑی کی رفتار تھوڑی سست پڑ گئی۔ وہ ایک گھنے جنگل سے گزر رہے تھے۔ بڑی سڑک کے ساتھ ایک چھوٹی سی پگڈنڈی اس سڑک اور گھنے درختوں میں گھری ایک کوٹھی کا فاصلہ طے کر رہی تھی۔ شہباز نے اپنی گاڑی اس پگڈنڈی پر اتار دی۔ باقی سب گاڑیاں اس کے پیچھے آنے لگیں۔

وہ لوگ اس کوٹھی تک پہنچے تو کوٹھی سے باہر ان کے استقبال کے لئے دو آدمی پہلے سے ہی کھڑے تھے۔ وہ عربی لباس میں تھے۔

ملازمین نے کوٹھی کا مین گیٹ کھول دیا۔ گاڑیاں یکے بعد دیگرے کوٹھی میں داخل ہوگئیں۔

شہباز اور اس کے ساتھی گاڑیوں سے نکلے تو ارباب نے بڑے تپاک سے ان کا استقبال کیا۔ وہ لوگ آج

رات ان کے مہمان تھے۔شہباز کے ساتھیوں نے ایک رات یہاں گزارنی تھی۔

انہوں نے شہباز اور اس کے ساتھیوں کی خوب خاطر مدارت کی۔رات وہاں گزارنے کے بعد شہباز اور اس کے ساتھی صبح صبح وہاں سے نکل گئے۔

روانگی سے پہلے شہباز نے اپنے ساتھیوں کو ایک بار پھر ہدایات دیں اور انہیں ضروری حفاظتی اقدامات سے آگاہ کیا۔

طرح طرح کے خدشات ان کے ذہن میں آرہے تھے۔حالانکہ بظاہر دیکھنے میں کوئی بھی ان پر شک نہیں کرسکتا تھا لیکن ان کے اندر کے گناہ ان کے دل ودماغ پر خوف کا جال بن رہے تھے۔پشاور شہر پار کرنے میں بھی ان کا خاصا وقت لگ گیا تھا۔

ایک لمبی مسافت کے بعد ان کی گاڑیاں دیوہیکل پہاڑوں کے درمیان میں رواں سڑک پر دوڑنے لگیں۔ یہ پہاڑی سلسلے جتنے بھیانک دکھائی دے رہے تھے اتنے ہی جاذب نظر بھی تھے۔شہباز کے گروہ کے سب اراکین اس سفر سے لطف اندوز ہورہے تھے لیکن عصام اور ساشا کے لئے یہ گھڑیاں آزمائش کی تھیں۔وہ دونوں کو کچھ پلان کر چکے تھے اس کے بعد لاشعوری طور پر یہ سب کچھ ان کے لئے قابل قبول نہ تھا۔

یہ پہاڑی سلسلہ جہاں سے وہ گزر رہے تھے پشاور شہر کا بیرونی حصہ تھا۔وہ شہر بہت پیچھے چھوڑ آئے تھے۔ ایک طویل سفر کے بعد وہ ان علاقوں تک پہنچ گئے جن کا شمار علاقہ غیر میں ہوتا ہے۔یہی علاقے ان کا ٹھکانہ تھے۔ شہباز کے آدمی ان علاقوں میں بھی رہتے تھے۔انہوں نے گروہ کے لئے رہائش کا بندوبست کر رکھا تھا۔

یہاں لوگ قبیلوں کی شکل میں رہتے تھے۔اس لئے ان کے گروہ کو جو رہائش گاہ ملی وہ بڑی سی پرانے طرز کی حویلی تھی۔حویلی میں ان کے گروہ کے لئے اسلحہ سے لیس دو باڈی گارڈ پہلے سے موجود تھے۔ان دو آدمیوں نے شہباز کو پوری حویلی دکھائی پھر ان دو آدمیوں نے اس حویلی کا وہ خاص حصہ دکھایا جو ان کے اس اڈے کا خاص حصہ تھا اور وہ حصہ تھا حویلی کا تہہ خانہ،اس حویلی کی تین منزلیں تھیں جس کی وجہ سے اس میں بے شمار کمرے تھے۔

شہباز اور اس کے ساتھیوں نے اپنا اپنا سامان اپنے کمروں میں سیٹ کرنا شروع کر دیا۔

انہوں نے تمام اسلحہ اور دیگر خطرناک سامان تہہ خانے میں رکھ دیا اور اپنے کمپیوٹر بھی وہیں سیٹ کر دیئے۔

کمپیوٹر کا شعبہ ساشا کا تھا۔

شہباز نے ساشا کو ایک لسٹ دی۔ جس میں چند لوگوں کے نام اور ان کے ایڈریس تھے۔

''یہ چند لوگوں کے نام ہیں۔ انہیں ہمارے ڈیلرز کی فہرست میں شامل کر دو۔''

شہباز کے کہنے پر ساشا نے لسٹ میں لکھے ہوئے لوگوں کے نام اور ان کے ایڈریس کمپیوٹر میں فیڈ کر دیئے۔

اگلے روز شہباز نے اپنے ساتھیوں کو اس علاقے کے چپہ چپہ سے متعارف کروایا۔ یہاں معصوم لوگ رہتے تھے۔ دیہی اور شہری ملبوسات کے امتزاج نے وہاں کے لوگوں کو محو حیرت کر دیا تھا۔ شہباز کے گروہ کے لوگ وہاں کے لوگوں کو کسی عجوبے سے کم نہ دکھائی دے رہے تھے۔

چند دنوں بعد شہباز کے اس گروہ کی دعوتوں کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ اس علاقے میں گناہوں کی ایک دلدل تھی جس میں ڈوب کے انسان چیختا چلاتا نہیں بلکہ خاموشی سے خود کو اس کے حوالے کر دیتا تھا۔

گروہ کی دعوتیں کرنے والے اشخاص وہ سردار تھے جو ان گناہوں کی سرپرستی کرتے تھے۔ عصام اور ساشا کی زندگی اب ایک ارادے کی طرف گامزن تھی اور وہ ارادہ تھا گناہ کی اس دنیا سے فرار کا۔ دونوں ارادہ کر چکے تھے کہ فرار سے پہلے وہ شہباز اور اس کے متعلقہ دہشت گردی کی تنظیموں کا پردہ چاک کرنے کے لئے جتنے ثبوت اکٹھے کر سکے کریں اور یہ کام ساشا بمعہ کمپیوٹر بخوبی انجام دے سکتی تھی۔

علاقے کی سیر کے دوران شہباز کے کسی بھی ساتھی کو کیمرہ استعمال کرنے کی اجازت نہیں تھی لیکن ساشا نے انتہائی ہوشیاری سے دہشت گردوں کی اس جماعت سے متعلقہ لوگوں کے چہروں اور ان کے اڈوں کو کیمرے میں محفوظ کر لیا اور پھر اس نے بڑی مہارت سے کمپیوٹر کی مدد سے دہشت گردوں کی ایک ایک کڑی کو ایک ڈسک میں محفوظ کر لیا۔

عصام نے اپنے موبائل سے سبین کے گھر رابطہ کیا۔ سبین نے فون رسیو کیا تو عصام کی آواز سن کے وہ ایک بار کانپ کے رہ گئی لیکن پھر حقائق نے اس کے لہجے میں کڑواہٹ بھر دی۔ وہ بے رخی سے بولی۔

''کیوں فون کیا ہے۔''

''کیوں؟ کیا آج میں تمہارے لئے اتنا بے گانہ ہو گیا ہوں کہ تم مجھ سے یہ سوال کر رہی ہو۔'' عصام نے

حیرت بھرے انداز میں کہا۔

''آج تم جس مقام پر ہو وہاں تمہارا ہم سے کوئی واسطہ نہیں ہے۔اس لئے فون کرنے کی زحمت بھی نہ کیا کرو۔'' سبین نے جلے کٹے انداز میں کہا۔

''ہاں تمہاری بات سمجھ رہا ہوں۔آج میں جن لوگوں کی فہرست میں شامل ہوں انہیں انسان کہنا، انسانیت کو گالی دینے کے برابر ہے۔لیکن سبین میں نے تمہیں یہ بتانے کے لئے فون کیا ہے۔میں گناہوں کی اس دلدل سے باہر نکل رہا ہوں۔میں خود کو پولیس کے حوالے کردوں گا۔چاہے اس کا انجام کچھ بھی ہو لیکن میں اپنے دامن سے دہشت گردی کا یہ داغ دھوڈالوں گا۔''

عصام کی یہ بات سن کر سبین تڑپ کے رہ گئی۔اس کا سارا غصہ سبین کے خصوصی جذبات میں بہہ گیا۔

''یہ تم نے کون سا رستہ چن لیا ہے میرے بھائی جو ہر طرف تباہی کی طرف جاتا ہے۔یہ تم نے اپنے ساتھ کیا کیا ہے۔'' سبین بے اختیار رونے لگی۔

''سبین پلیز۔میرا حوصلہ مت توڑو۔میں نے بہ مشکل یہ فیصلہ کیا ہے۔میری زندگی میں سکون نام کی کوئی چیز نہیں ہے لیکن اگر تم میرا ایک کام کردو تو میں سکون سے مرسکوں گا۔

میں نے امی کے نام بنک میں رقم جمع کروا رکھی ہے۔اس کا نفع امی کو باقاعدگی سے ملتا رہے گا اور وہ رقم بھی محفوظ رہے گی۔بس تم نے کسی بھی طریقے سے امی کے لئے اس رقم کو قابل قبول بنانا ہے۔''

''عصام! تم مجھ سے میری جان بھی مانگتے تو میں پیچھے نہ ہٹتی لیکن میں حرام راستوں سے کمائی ہوئی یہ دولت امی تک نہیں پہنچا سکتی۔میں اس کے لئے معذرت خواہ ہوں لیکن تمہاری تسلی کے لئے بتا رہی ہوں کہ امی پے تمہارے کام کی حقیقت افشا ہونے کے بعد میں نے اور میرے خاوند نے امی اور بہنوں کا زیادہ خیال رکھنا شروع کردیا ہے۔بینش کو جاب مل گئی ہے۔میں یہ کرسکتی ہوں کہ بنک میں پڑی ہوئی تمہاری رقم کسی ٹرسٹ کے حوالے کر کے اسے پاک کردوں۔''

سبین کی اس بات پر عصام نے تھکے تھکے لہجے میں کہا۔

''جن کے لئے میں آج اس مقام پے پہنچ گیا ہوں آج انہوں نے مجھے ہر حق سے دستبردار کردیا ہے۔اب

میں تم لوگوں سے کبھی نہیں ملوں گا۔ جب اپنے گناہ دھو ڈالوں گا تو مجھے دیکھنے آ جانا۔ تمہیں اس سے غرض نہیں ہونی چاہئے کہ میں تمہیں کسی شکل میں ملوں۔ بس اپنی ماں کو بیٹے ہونے کا حق ادا کرنا چاہتا ہوں۔"

عصام کی بات سن کے سبین کی طرف سے فون پے خاموشی چھا گئی بس سی سی کی آواز آ رہی تھی۔ شاید سبین رو رہی تھی۔ کچھ دیر کے بعد وہ گلوگیر آواز میں بولی۔

"خود کو پولیس کے حوالے کرنے کے بجائے تم جرم کی اس دنیا سے فرار ہو جاؤ کسی دوسرے ملک چلے جاؤ۔"

"ایسا ممکن ہے لیکن سلطانی گواہ بن کے دہشت گردوں کے اس گینگ کو گرفتار کروانا چاہتا ہوں۔ اس کے لئے مجھے پہلے اپنی گرفتاری دینی ہوگی۔"

"سلطانی گواہ بننے سے شاید تم سزائے موت سے بچ جاؤ۔"

عصام اور سبین کی گفتگو ابھی جاری تھی کہ عصام کو کسی کے قدموں کی چاپ سنائی دی۔ اس نے تیزی سے موبائل بند کر دیا۔

وہ کنیفر تھا جو دونوں ہاتھ پتلون کی جیبوں میں ڈالے ڈھیلی ڈھیلی چال سے عصام کی طرف بڑھ رہا تھا۔

"تمہاری والدہ کی طبیعت کیسی ہے۔" وہ قریب آ کر پوچھنے لگا۔

کنیفر کے اس سوال نے عصام کے تن من میں ایک آگ سی لگا دی۔ اس نے غصہ پیتے ہوئے اپنے دائیں ہاتھ کی انگلیوں کو ہتھیلی میں اکٹھا کر لیا اور انتہائی تحمل سے بولا۔

"وہ ٹھیک ہیں۔ تم نے ساشا سے بدتمیزی کی تھی جو میں برداشت نہ کر سکا اس لئے تمہاری ٹھیک ٹھاک ٹھکائی کر دی۔ ساشا میری اچھی دوست ہے میں اس سے متعلق ایسی بات برداشت نہیں کر سکتا۔ سوری یار! کہیں زیادہ چوٹ تو نہیں آئی۔"

"میں ایک Strong آدمی ہوں عصام۔ ایسے معمولی سے جھٹکوں سے میرا کچھ نہیں بگڑتا۔ تم اپنی بات کرو۔ تمہارے کہاں کہاں چوٹیں آئی ہیں۔"

"یہ سیدھی بات کبھی بھی نہیں کر سکتا۔" عصام منہ ہی منہ میں بڑبڑایا۔

عصام ٹھنڈی پالیسی سے کنیفر کو کسی لائن پے لانا چاہتا تھا لیکن ابھی دونوں کی تھوڑی سی گپ شپ لگی تھی کہ

ایک آدمی ان کے قریب آیا۔

''آپ دونوں کو شہباز صاحب بلا رہے ہیں۔''

دونوں شہباز کے پاس پہنچے۔

''سر آپ نے ہمیں بلایا ہے۔'' کنیفر نے پوچھا۔

''ہاں۔ آج ایک کام کے لئے تم دونوں کو بھیج رہا ہوں۔ یہ کام نہایت ہوشیاری سے کرنا ہے۔ آج، آؤ میرے سامنے بیٹھو میں تمہیں سمجھاتا ہوں۔''

کنیفر اور عصام شہباز کے سامنے پڑی ہوئی کرسیوں پے بیٹھ گئے۔

کنیفر نے شہباز کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''مجھے عصام کے ساتھ کام کرنے میں مزا نہیں آتا۔''

''کنیفر، تم پھر غلط بات کر رہے ہو۔ کام کے معاملے میں تم سب ایک ہو اور جو کام میں تمہیں کہنے والا ہوں وہ رسکی بھی ہے اور مشکل بھی اسی لئے میں نے تم دونوں کا انتخاب کیا ہے۔ آج تین بج کر چالیس منٹ پر دریا کے پل پے سے ایک فلائنگ کوچ گزرے گی۔ تم دونوں نے اس پر سوار ہو کے، اس کے اندر بم فٹ کرنا ہے۔''

''او کے سر۔'' کنیفر نے کہا لیکن عصام نے شہباز کی اس بات کا کوئی مثبت تاثر نہیں دیا بلکہ اس نے تذبذب سی کیفیت میں سر جھکا لیا۔ شہباز نے عصام کی طرف غور سے دیکھا۔

''یہ تمہیں آج کل کیا ہوتا جا رہا ہے۔ تم کسی بھی کام میں سیریس نہیں ہو۔ تمہارا دھیان کہیں اور ہوتا ہے۔''

عصام نے شہباز کی بات کو بغور نہیں سنا وہ کچھ سوچتے ہوئے کنیفر کی طرف دیکھنے لگا پھر یکدم اس نے اپنے چہرے کا تاثر بدل لیا اور بڑے جرأت مندانہ لہجے میں شہباز سے مخاطب ہوا۔

''واقعی اس کام کو میں اور کنیفر ہی بخوبی انجام دے سکتے ہیں۔''

''بیسٹ آف لک! تم دونوں کو یہ کام پورے دو روز تک انجام دینا ہے۔'' شہباز نے طمانیت بھرے انداز میں کہا اور وہاں سے چلا گیا۔

عین اسی وقت ساشا ہاتھوں میں چائے کے دو کپ لئے اس کے کمرے میں داخل ہوئی۔ عصام کو اس طرح

اسلحہ سے لیس دیکھ کر اس کا ماتھا ٹھنکا۔

''کدھر کی تیاری ہے۔''

''اوشٹ! میں سوچ رہا تھا کہ تمہارے آنے سے پہلے نکل جاؤں۔لیکن تم پہلے آ ٹپکی۔'' عصام نے اپنے ماتھے پر ہاتھ مارا۔

''کیا مطلب تم مجھے بغیر بتائے جانا چاہتے تھے۔اب مجھ سے ایسے انجان ہو گئے ہو۔'' ساشا نے منہ بسورتے ہوئے کہا۔

''پگلی! انسان جس سے پیار کرتا ہے۔کبھی کبھار اس کی بہتری کے لئے ایسے بھی کرنا پڑتا ہے۔''

''میں کچھ نہیں جانتی۔ مجھے تمہارا بھروسہ نہیں ہے۔تم کب اپنی زندگی کو داؤ پے لگا دو۔'' ساشا کی اس بات پے عصام نے خلوص بھری نگاہ سے اس کی طرف دیکھا اور اسے صوفے پے بٹھا دیا۔

''شہباز نے میرے اور کنیفر کے ذمے ایک کام لگایا ہے وہ کام کر کے میں واپس آ جاؤں گا۔لیکن کنیفر شاید کبھی واپس نہ آ سکے۔''

''مجھے پہلے ہی شک ہو رہا تھا کہ تمہارے ارادے ٹھیک نہیں ہیں۔عصام رہنے دو۔بدلے کے چکر میں کہیں اپنا نقصان نہ کروا لینا۔''

''اپنے دوست کو اتنا کمزور سمجھتی ہو۔''

''میں بھی تمہارے ساتھ جاؤں گی۔''

''تم ساتھ ہو گی تو میں کمزور پڑ جاؤں گا۔'' عصام نے ساشا کو منانے کی کوشش کی۔

ساشا نے بھانپ لیا کہ آج عصام کا ارادہ بہت پختہ ہے۔وہ کسی طور پے بھی اس کی بات نہیں مانے گا۔وہ سر جھکائے کھڑی ہو گئی۔لیکن اس کا دماغ کسی طور بھی اس بات کے لئے تیار نہیں تھا کہ عصام جائے۔عصام کچھ دیر ساشا کی طرف دیکھتا رہا تھا پھر بولا۔

''اس طرح منہ بسور کے بھیجو گی تو میرا کام نہیں ہو گا مجھے مسکرا کے رخصت کرو۔''

ساشا نے مسکراتے ہوئے عصام کی طرف دیکھا۔

''خدا تمہیں لمبی عمر دے۔''

''یہ ہوئی نہ بات۔'' عصام نے چٹکی بجاتے ہوئے کہا اور پھر وہ الٹے قدموں سے چلتا ساشا کو دیکھتا ہوا مزے سے باہر نکل گیا۔

کنیفر جیپ میں بیٹھا عصام کا انتظار کر رہا تھا۔ عصام جیپ پے سوار ہوا تو کنیفر نے جیپ سٹارٹ کر دی۔ جیپ خشک سنگلاخ راستوں پے دوڑ رہی تھی۔ ایک طویل فاصلے کے بعد ان کی جیپ جس راستے پر دوڑنے لگی وہ نہ صرف پتھریلا اور دشوار گزار تھا بلکہ ویران بھی تھا۔ دور دور تک کوئی آبادی نہیں تھی۔ کنیفر اپنے دھیان میں مگن ڈرائیونگ کر رہا تھا کہ عصام نے اس سے پوچھا۔

''پُل یہاں سے کتنی دور ہے۔''

''بس دو کلو میٹر کا فاصلہ رہ گیا ہے۔'' کنیفر نے ابھی اپنا جملہ مکمل ہی کیا تھا کہ گاڑی چلتے چلتے یکلخت رک گئی۔ کنیفر نے گاڑی دوبارہ اسٹارٹ کرتے ہوئے ریس دی مگر گاڑی تھی کہ سٹارٹ ہونے کا نام ہی نہ لے رہی تھی۔ کنیفر گاڑی کے اسٹیرنگ پر مکا مارتے ہوئے جھٹکے سے گاڑی سے اترا۔

''یہ اس ویرانے میں کیا مصیبت پڑ گئی ہے۔ ہم تو ایک منٹ بھی ضائع نہیں کر سکتے۔''

''یار تمہیں میٹر ریڈنگ سے اندازہ نہیں ہوا کہ گاڑی میں پٹرول نہیں ہے۔'' عصام نے ڈرامائی انداز میں کہا۔

''میں ایسا کیوں سوچتا۔ میں نے چلنے سے پہلے خود اس میں پٹرول ڈلوایا ہے۔'' کنیفر نے تعجب سے کہا۔

''اب اس بات کو چھوڑو۔ یہ سوچو کہ اب کیا کیا جائے۔''

''کرنا کیا ہے۔ یہ علاقہ دور دور تک ویران ہے۔ ہمارا آج کا مشن پورا نہیں ہوگا۔'' کنیفر نے انتہائی پریشانی میں کہا۔

''مشن کیسے نہیں پورا ہوگا۔ ذرا آگے جا کے دیکھتے ہیں۔ شاید کوئی سواری مل جائے۔'' عصام نے اس کے گرد جال بننا شروع کیا۔

''تم جانتے ہو کہ ہمارا کام کس قدر خطرناک ہے۔ تھوڑی سی لاپرواہی سے ہم کسی بڑی مصیبت میں پھنس سکتے ہیں۔'' کنیفر نے کہا۔

''اچھا بھئی! تھوڑے فاصلے تک چل کے دیکھتے ہیں۔ شاید کوئی راہ نکل جائے۔'' عصام کے اصرار پر کنیفر عصام کے ساتھ چل دیا۔

عصام اپنے نرم گداز جوگرز کی وجہ سے پتھریلے اور غیر ہموار راستے پے بڑے اطمینان سے چل رہا تھا۔ کنیفر اس کے پیچھے پیچھے چلا جا رہا تھا۔ کچھ دیر عصام کے ساتھ چلنے کے بعد کنیفر نے محسوس کیا کہ عصام جس راستے پے دوڑتا چلا جا رہا ہے۔ وہاں دور دور تک کسی آبادی کا نام ونشان تک نہیں ہے۔ وہ چلتے چلتے یکلخت رک گیا۔

''تمہارا دماغ تو خراب نہیں ہو گیا۔ تمہیں دکھائی بھی دے رہا ہے کہ کچھ فاصلے کے بعد سامنے پہاڑی سلسلہ شروع ہو رہا ہے۔ اس کے باوجود تم آگے بڑھتے جا رہے ہو۔''

''یہاں جیپ کے پاس رکے رہے تو ہماری مدد کو کون آئے گا۔ کیوں نہ آگے چل کر یہ پہاڑی سلسلہ دیکھیں۔'' عصام نے شوخی سے بھرپور لہجے میں کہا۔

عصام کی اس بات پے کنیفر بھنا سا گیا۔

''ہمارا سارے کا سارا پلان چوپٹ ہو گیا اور تمہیں یہ تفریح سوجھ رہی ہے۔ بلڈی فول۔''

''اب جب ہم وہ مشن پورا ہی نہیں کر سکتے تو چلنے سے کیا فائدہ۔ چلو اچھا وہ پہاڑی سلسلہ ذرا قریب سے دیکھ لیں۔ پھر واپسی کے لئے کچھ سوچتے ہیں۔''

عصام کی اس بات پے کنیفر بے دلی سے اس کے پیچھے چل دیا۔ تھوڑا فاصلہ طے کرنے کے بعد دونوں ایک خوفناک پہاڑی سلسلے تک پہنچ گئے۔ عصام نے کچھ سوچتے ہوئے اپنی نظروں کو چاروں طرف گھمایا۔ پھر وہ کنیفر کی طرف متوجہ ہوا۔

''یہاں سے اس سامنے کی چوٹی تک پہنچ جائیں۔ پھر ایک دوسرے کی بہادری کا امتحان لیں گے۔''

دونوں چوٹی کے قریب پہنچ گئے۔ عصام اس پہاڑ کی بلندی کو اپنی نگاہوں سے ناپنے لگا۔ اس نے کنیفر کی طرف پھر دیکھا۔

''اس پہاڑ کی چوٹی تک پہنچ سکتے ہو۔''

کنیفر نے فاخرانہ انداز میں مسکراتے ہوئے کہا۔

''میری بہادری کو اتنے چھوٹے پیمانوں سے مت ناپو۔ یہ تو بہت چھوٹا سا پہاڑ ہے۔''

جو پہاڑی عصام کہہ رہا تھا۔ وہ تھا تو چھوٹا لیکن اس کے ساتھ ایک انتہائی گہری کھائی تھی۔ کنیفر اونچے نیچے رستوں پے چلتا ہوا پہاڑ کے قریب گیا تو اس نے وہ گہری کھائی دیکھی۔ کھائی دیکھنے کے بعد اس کے شیطانی ذہن نے کچھ پلان کیا اور جرأت مندانہ انداز میں بولا۔

''تم اس چوٹی تک پہنچو میں تمہارے پیچھے آتا ہوں۔''

عصام پہاڑ کے نشیب و فراز پے رینگتا ہوا تھوڑی ہی دیر میں پہاڑ کی چوٹی تک پہنچ گیا۔ کنیفر بھی انتہائی مہارت سے چوٹی تک پہنچ گیا۔ دور سے نوک دار دکھائی دینے والی یہ چوٹی ایک کھلے میدان پے مشتمل تھی۔ وہ دونوں چوٹی پے پہنچے تو عصام کے چہرے کے تاثرات یکسر بدل گئے۔

کنیفر نے تضحیک آمیز مسکراہٹ کے ساتھ عصام کی طرف دیکھا۔

''یہ تم نے کیا مجھ سے بچوں والا مذاق کیا ہے۔ چیلنج کرنا تھا تو پھر کسی بلند چوٹی کے لئے کرتے۔''

کنیفر کی اس بات پر عصام ڈھیلے ڈھیلے قدموں سے چلتا ہوا اس کے قریب آیا۔

''یہ چوٹی بہت بلند ہے۔ تمہارے تصوراتی خاکے سے بہت بلند، یہاں تک پہنچ گئے ہو تو تمہارے لئے یہاں سے واپس جانا ناممکن ہو جائے گا۔''

''میں نے تمہارے ارادوں کو اسی وقت بھانپ لیا تھا جب تم نے مجھے اس چوٹی تک جانے کے لئے کہا تھا۔ میں نے سوچا چلو آج دیکھتے ہیں کہ تم میں کتنی جان ہے۔''

عصام نے صبر کا دامن چھوڑتے ہوئے کنیفر کو گریبان سے پکڑ لیا۔

''تم نے میری ماں کو میرے متعلق کیوں بتایا۔''

''اتنی بڑی بات سن کے وہ بڑھیا ابھی تک زندہ ہے۔ ویری سیڈ۔'' کنیفر کی اس بات کے جواب میں عصام نے اس کے منہ پر مکا رسید کیا تو کنیفر نے جوڈو کراٹے کے داؤ پیچ کو استعمال کرتے ہوئے عصام کی ٹانگ کو اپنی ٹانگ میں پھنساتے ہوئے اسے نیچے گرا لیا اور خود اس پر سوار ہو گیا۔ پھر اس کے چہرے پے مکوں کی بوچھاڑ کر دی۔ اس نے عصام کو اتنی مہلت ہی نہ دی کہ وہ اٹھ کے بیٹھ سکے۔ عصام کا چہرہ خون سے لت پت ہو گیا۔ لیکن

کچھ دیر کے بعد عصام نے اپنی تمام قوتیں مجتمع کیں اور اپنی ٹانگوں کو جھٹکتے ہوئے اس انداز سے اٹھا کہ کنیفر سر کے بل پتھروں پر گرا اور اس کے حلق سے ایک چیخ نکلی۔ اس کا سر شدید زخمی ہو گیا۔ اس سے پہلے کہ کنیفر کسی دوسرے حملے کے لئے اٹھتا عصام برقی سرعت سے کھڑا ہو گیا اور اپنی جیب سے موزر نکال کر کنیفر پر تان لی۔

کنیفر زمین پے لیٹا عصام کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اس کے چہرے پے خوف کے اثرات عیاں ہو رہے تھے۔ لیکن جب اس کی نظر عصام کے قدموں کی طرف گئی۔ تو اس کے شیطانی دماغ نے بچنے کی ترکیب نکال لی۔

غصے کی شدت میں عصام کو کسی چیز کا ہوش نہیں تھا۔

وہ جس جگہ کھڑا تھا اس سے تھوڑے ہی فاصلے پے چوٹی کا آخری کنارا تھا۔ جس کے نیچے ایک ہولناک کھائی تھی۔ کنیفر نے یکلخت اپنا لب ولہجہ تبدیل کر لیا اور اپنے ہاتھ جوڑتے ہوئے مسکین سی صورت بنائے عصام کے آگے گھگیانے لگا۔

''عصام! میں اپنی غلطی تسلیم کرتا ہوں۔ لیکن میری اس بھول کی تم مجھے اتنی بڑی سزا مت دو۔ مجھے اس بار معاف کر دو۔ آئندہ ایسی غلطی نہیں کروں گا۔''

کنیفر گھٹنوں کے بل چلتا ہوا عصام کے کافی قریب چلا گیا۔ عصام نے چند قدم پیچھے چلتے ہوئے ایک بار پھر اسے اپنے نشانے میں لے لیا اور یہی کنیفر چاہتا تھا۔ اس نے موقع پاتے ہی تیزی سے اپنے جسم کو حرکت دی تو عصام نے اس پے فائر کر دیا۔

کنیفر نے اپنے جسم کو پھرکی کی طرح گھماتے ہوئے عصام کے تین فائر مس کر دیئے۔ لیکن اس سے پہلے کہ عصام ایک اور فائر کرتا وہ برقی سرعت سے کھڑا ہوا، اس نے اپنی جیکٹ کی جیب سے ہینڈ گرنیڈ نکالا اور منہ سے اس کی پن نکال کے عصام کی طرف اچھال دیا۔ ہینڈ گرنیڈ کے پھٹتے ہی عصام پہاڑ کی چوٹی سے گرا اور اس کا وجود گہری ہولناک کھائی میں کہیں گم ہو گیا۔

کنیفر فخریہ انداز میں ہنستا ہوا چوٹی کے کنارے کی طرف بڑھا جو عصام کے خون میں بھر چکی تھی۔

''آج تمہارا قصہ بھی ختم ہوا۔''

☆.....☆.....☆

رات کے ساڑھے گیارہ بج رہے تھے۔لیکن عصام واپس نہیں لوٹا تھا۔ساشا کے دل کی دھڑکنیں گھڑی کی ٹک ٹک کے ساتھ تیز ہوتی جارہی تھیں۔وہ شہباز سے پوچھ چکی تھی۔اسے شہباز سے علم ہو چکا تھا کہ کنیفر اور عصام اپنے مشن میں پورے نہیں ہو سکے۔ان کی گاڑی خراب ہوگئی تھی۔اس دوران ان دونوں کے پاس اپنے موبائل بھی نہیں تھے۔یہ اطلاع شہباز کو شاید کنیفر نے دی تھی لیکن اس اطلاع کے بعد نہ تو کنیفر واپس آیا اور نہ ہی عصام۔ساشا کے ذہن میں طرح طرح کے وسوسے آرہے تھے۔دیکھتے ہی دیکھتے ایک بج گیا۔اتنے میں کنیفر کی گاڑی حویلی میں داخل ہوئی۔ساشا نے اس کی گاڑی کی آواز سنی تو وہ دوڑتی ہوئی کمرے سے باہر نکلی اور راہداری سے دیکھنے لگی۔لیکن یہ دیکھ کے اس کی جان مٹھی میں آگئی کہ کنیفر گاڑی میں اکیلا تھا۔وہ نشے میں چُور اپنا کوٹ کندھے پے لٹکائے گاڑی سے اترا۔وہ تیز تیز قدم اٹھاتی ہوئی کنیفر کے قریب آئی۔

''عصام کہاں ہے۔''

''مجھ سے کیا پوچھتی ہو۔تمہیں اس نے نہیں بتایا۔'' کنیفر نے لڑکھڑائی ہوئی آواز میں کہا۔

''مجھے تم سے معلوم کرنا ہے کہ وہ کہاں ہے۔''

''اس نے مجھ سے کہا کہ میں اسے اڈے پے اتار دوں اسے کہیں جانا ہے۔سو میں نے اسے اڈے پے اتار دیا۔اب مجھ سے کیا پوچھتی ہو۔'' یہ کہہ کر کنیفر حویلی کے اندر داخل ہوا۔

کنیفر کی بات کا ساشا کو یقین نہیں آیا۔بلکہ اس کے دل و دماغ کنیفر کی اس بات کا کوئی اور مطلب اخذ کرنے لگا۔وہ پریشانی کی کیفیت میں راہداری کی طرف بڑھی۔

وہ بہت دیر تک راہداری میں ٹہلتی رہی۔اس کے ذہن میں منظر گھوم رہا تھا جب عصام کنیفر کو قتل کرنے کے ارادے سے کمر کس رہا تھا۔یہی بات ساشا کو اندر ہی اندر کھائے جارہی تھی۔عجیب عجیب وسوسوں کی کھٹک اس کے دل میں دھڑکنیں ڈبو رہی تھی۔

اس واقعے کو پورے بیس روز گزر گئے لیکن عصام کا کہیں کوئی پتہ نہ ملا۔شہباز اس معاملے میں بہت گہری دلچسپی لے رہا تھا۔کیونکہ عصام کی گمشدگی اس کے لئے خطرے کا باعث بن سکتی تھی۔یہ بات اس کے لئے کسی معمے سے کم نہیں تھی۔کیونکہ وہ جانتا تھا کہ اس کے زیادہ تر کارندے مجبوریوں کے شکنجے میں جکڑے ہوئے تھے۔

اس نے عصام کی تلاش میں اپنے کئی بندے روانہ کر دیئے عصام کی اچانک گمشدگی نے اس کے گروہ کے اراکین کو خوفزدہ کر دیا۔ وہ لوگ طرح طرح کی باتیں سوچنے لگے جن میں ایک بات یہ تھی کہ عصام کہیں پولیس کے ہتھے نہ چڑھ گیا ہو۔

شہباز نے ملک کے چپے چپے پے اپنے بندوں کا جال بچھا دیا۔ لیکن عصام کا کہیں کوئی پتہ نہ چلا۔ دن گزرتے رہے لیکن عصام کی کہیں کوئی خبر نہ آئی۔ پورے تین ماہ گزر گئے۔ ساشا کی کیفیت زندہ لاش کی سی تھی۔ وہ ایک ایک دن انگاروں پے لوٹ رہی تھی۔ اس کی ویران آنکھیں حویلی کے دروازے کی طرف دیکھتے دیکھتے پتھرا گئی تھیں۔ جس انسان کا ہاتھ پکڑ کے وہ زندگی جینے لگی تھی اس سے بچھڑنے کے بعد اس کی زندگی غم اور مایوسی کی زنجیروں میں محصور ہو کے رہ گئی۔ عصام کا ساتھ اس کے لئے اس سایہ دار درخت کی طرح تھا جس کی چھاؤں میں وہ اپنا غم بھول جاتی تھی۔ اس نے اپنی ہر خوشی عصام سے منسوب کر لی تھی۔

شام کے چھ بجے تھے۔ ساشا باہر لان کی گھاس پے بیٹھی ہوئی تھی۔ اپنی طرف عدم توجہ کی وجہ سے اس کی جلد خشکی سے اکڑی ہوئی تھی۔ اس کی جن نگاہوں نے عصام کے ساتھ مل کے گناہوں کی اس دلدل سے نکلنے کے خواب دیکھے تھے وہ آنکھیں اب آنسوؤں میں ڈوبی ہوئی تھیں۔ وہ خدشات کی چکی میں پس رہی تھی۔ اور ان خدشات کا اشارہ کنیفر کی طرف جاتا تھا۔ اس کی کھوئی نگاہیں کسی ایک جگہ مرکوز تھیں۔ وہ کسی گہری سوچ میں گم تھی۔ اس کا ذہن سوچ کے کٹھن راستوں پے بھٹک رہا تھا۔ وہ بار بار اپنے سر کو جھٹکتی۔ جو کچھ اس کا دماغ سوچ رہا تھا وہ اس کا دل قبول نہیں کر پا رہا تھا۔ وہ سوچ کی ان بھول بھلیوں میں اس طرح الجھ گئی تھی کہ اسے اپنی ہوش ہی نہ رہی تھی۔

☆.....☆.....☆

ساشا حویلی کے تہہ خانے میں اسلحے کا جائزہ لے رہی تھی کہ کنیفر لکڑی کی سیڑھی سے اترتا ہوا تہہ خانے میں داخل ہوا۔ ساشا نے کنیفر کو دیکھا تو وہ غصے سے بھنا کے رہ گئی۔

کنیفر اس کے قریب آیا تو ساشا نے اسے سر سے پاؤں تک حقارت بھری نظروں سے دیکھا۔

''مجھے مشین گن چاہئے۔'' کنیفر، ساشا سے مخاطب ہوا۔'' ساشا نے اس کی بات پر کان نہ دھرے اور اپنے

کام میں مصروف رہی۔

''سنائی نہیں دیتا۔ میں نے کیا مانگا ہے میرے پاس وقت بہت کم ہے۔'' کنیفر نے غصے بھرے لہجے میں کہا۔

ساشا ٹیبل کے قریب کھڑی تھی۔ ٹیبل پر ساشا کا ہاتھ اس کے ٹیبل پے رکھے ہینڈ بیگ کے اندر تھا۔

چند ی ساعتوں میں ساشا پھرتی سے کنیفر کی طرف مڑی اور اس نے اپنا پسٹل کنیفر کی کن پٹی پے رکھ دیا۔

''بتاؤ! عصام کہاں ہے۔ اگر تم نے مجھے اس کے متعلق نہیں بتایا تو میں تمہاری جان لے لوں گی۔''

ساشا کے اچانک حملے کے جواب میں کنیفر کے چہرے پے شیطانی مسکراہٹ بکھر گئی۔

''ہم تو جان ہتھیلی پے لئے پھرتے ہیں۔ تم ہمیں موت کی دھمکی مت دو۔ تم شوق سے میری جان لے لو۔ لیکن میری جان لینے سے سچائی بدل نہیں جائے گی۔ عصام کے متعلق تو سچائی یہ ہے کہ وہ تمہیں تنہا چھوڑ کے فرار ہو گیا ہے۔''

''بکواس بند کرو۔'' ساشا نے کھا جانے والی نظروں سے کنیفر کی طرف دیکھا۔ ''جس روز یہ ثابت ہو گیا کہ عصام کو تم نے کوئی نقصان پہنچایا ہے میں اسی روز تمہیں موت کے گھاٹ اتار دوں گی۔'' یہ کہہ کے ساشا نے پسٹل اپنے بیگ میں رکھی اور تہہ خانے کی سیڑھی کی طرف بڑھی۔

کنیفر نے ایک قہقہہ بلند کیا۔ ساشا نے ایک بار پھر پلٹ کے اس کی طرف دیکھا۔

''شوق سے جان لیجئے گا۔'' کنیفر نے استہزائیہ لہجے میں کہا۔ ساشا اپنی سینڈل کی زوردار آواز کے ساتھ سیڑھیاں چڑھتی ہوئی تہہ خانے سے باہر نکل گئی۔

ساشا کا دل کسی حال میں بھی یہ ماننے کے لئے تیار نہیں تھا کہ عصام اسے یوں چھوڑ کر جا سکتا ہے۔ اس کے دل میں تو طرح طرح کے خدشات آتے رہے۔ جن کے تصور کو وہ بار بار جھٹک دیتی تھی۔

اس نے سبین کو بھی فون کر کے عصام کے متعلق پوچھا لیکن وہاں سے بھی یہی جواب ملا تھا کہ عصام اس کی اور اس کی ماں کی طرف نہیں آیا۔ اس فون کے بعد ساشا نے دوبارہ فون کر کے سبین کو خود تسلی دے دی تھی۔ عصام کسی کام سے گیا ہوا ہے۔

اب جب تین ماہ مزید گزر گئے تو ساشا کے دل میں آیا کہ وہ بہانے سے سبین سے ملنے جائے اگر عصام

وہاں گیا ہوتو سبین سے علم ہو جائے گا۔ ساشا شہباز کے پاس گئی اور اس سے کراچی جانے کی اجازت مانگی۔ عصام کی گمشدگی کے بعد شہباز ساشا پر بھی اعتبار نہیں کر رہا تھا۔ اس نے ساشا کو کراچی جانے کی اجازت دے دی۔ لیکن اس نے اپنا ایک خاص آدمی ساشا کے ساتھ بھیج دیا۔

شہباز سے اجازت ملتے ہی ساشا اپنی گاڑی لے کر کراچی کی جانب چل دی۔ شہباز کا بھیجا ہوا باڈی گارڈ گاڑی بھی خود ہی ڈرائیو کر رہا تھا اگلے روز ساشا کی گاڑی سبین کے گھر کے قریب رکی تو ساشا گاڑی سے اتر کر سبین کے گھر کی طرف بڑھی۔ باڈی گارڈ گاڑی میں ہی بیٹھا رہا ساشا سبین سے ملی سبین نے ساشا کی بہت خاطر تواضع کی لیکن ساشا کے چہرے پے اداسی ہی چھائی تھی کیونکہ وہ جس کی تلاش میں ادھر آئی تھی وہ وہاں نہیں تھا۔ کچھ دیر بیٹھنے کے بعد ساشا بجھے بجھے دل کے ساتھ گاڑی کی سیٹ پے دراز ہوگئی۔ ڈرائیونگ سیٹ پے بیٹھے ہوئے شخص نے گاڑی سٹارٹ کر لی۔ ساشا چپ سادھے گاڑی میں بیٹھی ہوئی تھی اس کا ذہن بہت پریشان تھا وہ کسی گہری سوچ میں کھو گئی تھی۔ اسے کچھ ہوش نہیں تھا کہ گاڑی کہاں جا رہی ہے۔

گاڑی ہائی وے پہ دوڑ رہی تھی۔ ساشا سوچ کی بھول بھلیوں میں کھوئی ہوئی تھی۔ کہ اچانک اس کی نظر گاڑی کی اطراف میں لگے شیشے پر پڑی تو اسے یوں محسوس ہوا کہ کوئی اس کا پیچھا کر رہا ہے کچھ دیر کے بعد اس نے پھر غور کیا گاڑی واقعی ان کے تعاقب میں تھی اس گاڑی میں دراز قد کا ایک لڑکا بیٹھا ہوا تھا۔ دیکھنے میں اس کی شخصیت میں رعب و دبدبہ تھا اس نے انتہائی قیمتی گلاسز لگا رکھے تھے ساشا کو ہر حال میں خود کو بچانا تھا۔ اس نے ڈرائیور سے کہہ کر گاڑی تیز کروالی لیکن اس پراسرار شخص کی گاڑی ابھی بھی ان کی گاڑی کے ساتھ بھاگ رہی تھی۔ ڈرائیور نے ونڈ سکرین سے پیچھے کی طرف جھانکا اور پھر غصے میں بڑبڑایا۔

''میڈم! میرا خیال ہے کہ ہم اپنی گاڑی روک لیں۔ اس کی ذرا خبر تو لیں کہ یہ کیا چاہتا ہے۔''

''بیوقوفی کی باتیں مت کرو، ہوسکتا ہے کہ یہ خفیہ پولیس کا کوئی ایجنٹ ہو۔ بس تم گاڑی تیز چلاؤ۔''

ساشا نے کہا۔

ساشا کی گاڑی ہوا سے باتیں کرنے لگی لیکن اس مشکوک شخص کی گاڑی ساشا کی گاڑی کے تقریباً برابر ہی رہی۔ کافی دیر تک اس شخص کی گاڑی ساشا کی گاڑی کے ساتھ ساتھ دوڑتی رہی جس کی وجہ سے ساشا اور اس کا

باڈی گارڈ بے حد پریشان ہو گئے۔ لیکن کچھ ہی دیر بعد ان کی یہ پریشانی دور ہو گئی۔ وہ گاڑی دو رویہ سڑک کے بائیں جانب کو نکل گئی۔

ساشا نے ٹھنڈی آہ بھری۔ ''شکر ہے...... یہ مصیبت تو ٹلی''

اس قدر طویل سفر کے بعد بھی ساشا کو عصام کے متعلق کچھ علم نہ ہوا۔ وہ اب بھی ناکام ہو کے واپس لوٹ رہی تھی۔ سفر جتنا تھا ساشا کی ذہنی ٹینشن نے اسے تکلیف دہ بھی بنا دیا تھا۔ سارے راستے عجیب عجیب وسوسے اسے من ہی من میں ڈستے رہے اس نے اپنے ڈھیلے سے وجود کے ساتھ گاڑی کی سیٹ پر اپنا سر دے مارا۔

''تم مجھے چھوڑ کر کہاں چلے گئے ہو عصام۔'' ساشا دل پر بوجھ لئے پشاور واپس آ گئی۔

وہ اپنے کمرے میں پہنچی تو بستر پر ڈھیر ہو گئی۔ تھکاوٹ سے اس کا پورا وجود ٹوٹ رہا تھا۔ عصام کی موجودگی میں وہ بڑے سے بڑے سفر کو کچھ نہیں سمجھتی تھی۔ لیکن اب ساشا وہ نہیں رہی تھی اس کی شکل ایسی ہو گئی تھی جیسے کوئی برسوں کا بیمار ہو۔ ابھی اسے پہنچے چند ہی منٹ گزرے تھے کہ ملازم کے ذریعے شہباز نے اسے بلایا۔ رات کے ساڑھے گیارہ بج رہے تھے۔ ساشا کا دل نہیں چاہ رہا تھا کہ وہ بیڈ سے اٹھے۔ وہ کسلمندی کی حالت میں نڈھال پڑی تھی۔ اس نے بیزاری سے خود کلامی کی۔

''ایک تو اس آدمی کو چین نہیں کوئی مرے یا جئے...... اسے صرف اپنے کام سے غرض ہے۔ کوئی بات نہیں شہباز...... اگر عصام نے میرا ساتھ چھوڑ بھی دیا تب بھی میں تمہیں تمہارے انجام تک ضرور پہنچاؤں گی۔''

یہ کہہ کے ساشا نے گرم شال اوڑھی اور اپنے کمرے سے باہر نکلی۔

وہ شہباز کے کمرے میں پہنچی تو وہ موبائل پر کسی سے بات کر رہا تھا۔ اس نے ساشا کو دیکھا تو اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ ساشا اس کے سامنے پڑے ہوئے صوفے پر بیٹھ گئی۔ ساشا کے آنے کے بعد بھی شہباز کوئی آدھا گھنٹہ موبائل پر بات کرتا رہا۔

پھر اس نے موبائل بند کیا اور کوئی بات کرنے سے پہلے وہ کچھ دیر ساشا کے چہرے کی طرف دیکھتا رہا۔ پھر اپنی جگہ سے کھڑا ہو گیا اور دونوں ہاتھ اپنی پینٹ کی جیبوں میں ڈالتے ہوئے کمرے میں چہل قدمی کرنے لگا۔ اس کے چہرے پر غصے کے تاثرات تھے۔

وہ ڈھیلے ڈھیلے قدموں سے چلتا ہوا ساشا کے قریب آیا اور انتہائی سفاکی سے بولا۔

''عصام کہیں مر کھپ گیا ہو تو علیحدہ بات ہے لیکن اگر وہ ہمارے اڈے سے مفرور ہوا ہے تو زمین کا کوئی گوشہ اسے پناہ نہیں دے سکتا۔ ہماری تنظیم اس سپنی کی کنڈلی ہے جس سے باہر گرنے والے بچوں کو سپنی نگل لیتی ہے۔ ہمارے گروہ سے فرار کا راستہ صرف موت کی طرف جاتا ہے۔ اگر عصام تم سے کوئی رابطہ کرے تو اسے یہ پیغام دے دینا۔'' شہباز اپنا سر جھکائے دانت پیس کے ساشا سے یہ بات کہہ رہا تھا۔ ساشا کی نگاہیں شہباز کے چہرے پر گڑی ہوئی تھیں۔ اس کی نگاہوں میں شہباز کے لئے انتہائی غصہ اور حقارت تھی۔ وہ غصہ ضبط کر کے کچھ دیر شہباز کی بات سنتی رہی اور پھر جلے کٹے لہجے میں بولی۔

''یہی کہنے کے لئے بلایا تھا۔ یا کچھ اور بھی کہنا ہے۔''

''یہی کچھ کہنا تھا۔'' شہباز نے سرد مہری سے کہا۔

ساشا جھٹکے سے اپنی جگہ سے اٹھی اور دروازے تک پہنچی ہی تھی کہ پیچھے سے شہباز نے اسے پکارا۔

''سنو! عصام کی گمشدگی کو اپنے لئے روگ نہ بناؤ۔ ہمارے گروہ کے ممبر اپنا دل نکال پھینکتے ہیں۔''

ساشا نے اپنے قدم روکتے ہوئے شہباز کی بات سنی اور پھر وہاں سے چل دی۔

وہ کمرے میں پہنچی اور صوفے پر براجمان ہو گئی۔ وہ پہلے ہی شدید ٹینشن میں مبتلا تھی۔ شہباز کی بات سننے کے بعد اس کا سر درد سے پھٹنے لگا تھا اس نے صوفے کی پشت پر اپنا بازو رکھا اور بے اختیار رونے لگی۔ شاید اب وہ اپنے دل کا غبار نکال رہی تھی اس کے صبر کے سارے بند ٹوٹ گئے تھے۔ غم کا ساگر آنسوؤں کی شکل میں اس کی آنکھوں میں امڈ آیا تھا۔

اس نے اپنی سرخ نظروں سے اردگرد دیکھتے ہوئے تنہائی کو محسوس کیا اور گلوگیر لہجے میں چیخی۔

''یہ سب ان لوگوں کی آہوں کا بدلہ ہے جن کے اپنے ہماری وجہ سے موت کے گھاٹ اتر گئے۔'' یہ کہہ کر ساشا نے اپنے گھٹنوں پر سر رکھ دیا۔

وہ آہوں میں ڈوبی ہوئی تھی کہ کمرے کی گھمبیر سناٹے میں موبائل کی آواز گونجی۔

موبائل کی رنگ کمرے میں گونجتی رہی لیکن وہ غم کی شدت میں اس طرح کھوئی ہوئی تھی کہ بہت دیر تک اس

نے موبائل اٹینڈ نہیں کیا۔

پھر اس نے اپنے جسم کی ڈھیلی ڈھیلی حرکت کے ساتھ اپنا سر اوپر اٹھایا اور موبائل اٹینڈ کیا۔ جونہی اس نے ٹاک کا بٹن دبایا تھرتھراہٹ کی ایک لہر اس کے پورے وجود میں دوڑ گئی۔ موبائل سے عصام کی آواز ابھر رہی تھی۔

''میں خیریت سے ہوں ابھی تم سے نہیں مل سکتا۔ تمہیں کچھ انتظار کرنا ہوگا ایک ہی بار آؤں گا اور تمہیں گناہ کی اس دلدل سے ہمیشہ کے لئے نکال لوں گا۔'' وہ بہت تیز تیز بول رہا تھا۔ شاید وہ ساشا کی بات بھی نہیں سن سکتا تھا۔ ابھی ساشا اپنے حواس پے قابو ہی نہ پا سکی تھی کہ عصام نے ان چند جملوں میں اپنی بات ختم کر لی۔ ساشا ہیلو ہیلو کہتی رہی لیکن عصام اپنا فون بند کر چکا تھا۔

عصام کی آواز نے اسے تڑپا دیا تھا۔ اس کا ذہن یہ قبول ہی نہیں کر پا رہا تھا کہ عصام نے فون بند کر دیا ہے۔ جذبات کی شدت سے اس کی نگاہیں بھیگی ہوئی تھیں۔

اس کی آنکھیں خوشی کے اس احساس سے بھیگ گئی تھیں کہ عصام خیریت سے ہے لیکن عصام کے اس طرح اچانک فون بند کرنے سے پیدا ہونے والی کسک نے ساشا کے دل میں ہلچل مچا دی تھی۔ وہ بہت دیر تک موبائل کو اپنے چہرے سے لگائے بیٹھی رہی۔

اگلی صبح ساشا کے چہرے پر ایک عجیب سا اطمینان تھا۔ یہ دن اسے نکھرا نکھرا محسوس ہو رہا تھا اور دن کی چلچلاتی روشنی کہہ رہی تھی کہ یہ نکھار ساشا کی نظروں میں ہے۔ وہ وسوسوں کی سیاہ تاریکی سے باہر آ چکی تھی۔ امید کی روشنی نے گناہ کی اس دنیا سے فرار کا راستہ ایک بار پھر کھول دیا تھا۔

وہ اپنے لانگ شوز کی ٹک ٹک کی آواز کے ساتھ سٹور روم کی طرف بڑھ رہی تھی کہ کنیفر اپنی انگلی میں رنگ گھماتا ہوا اس کے سامنے آ کھڑا ہوا۔ اس نے ساشا کو سر سے پاؤں تک دیکھا۔

''آج تو بہت فریش لگ رہی ہو۔''

''میں نے تمہیں کتنی بار کہا ہے اس طرح میرے راستے میں مت آیا کرو مجھے تمہاری صورت زہر لگتی ہے۔'' ساشا نے نفرت بھرے لہجے میں کہا۔

ساشا کے اس جملے نے کنیفر کو بھنا کے رکھ دیا۔ وہ ساشا کے تھوڑا اور قریب ہو گیا اور اشتعال میں دانت پیس

کر بولا۔ ''تم میرے غصے کو مت للکارو..... تم چیز کیا ہو۔ میں تم سے شرافت سے بات کرتا ہوں اور تم مجھ سے ایسا رویہ اختیار کرتی ہو۔''

''میں تمہاری بکواس سننے کی عادی نہیں ہوں۔ میرا رستہ چھوڑ دو۔''

کنیفر نے تیکھی نظروں سے ساشا کی طرف دیکھا اور ہاتھ کو اس کے چہرے کی طرف پھیلا کر بولا۔

''تم مجھے نہیں جانتی۔ خیر کوئی بات نہیں جس روز جان جاؤ گی اس کے بعد میرے راستے میں ملنے پر تمہاری رگیں خشک ہونے لگیں گی۔'' یہ کہہ کر کنیفر شیطانی مسکراہٹ سے اسے دیکھتا ہوا نکل گیا۔

☆.....☆.....☆

لاہور کے پر رونق شہر میں ٹریفک انتہائی زوروں پر تھی۔ لاتعداد گاڑیوں اور موٹر سائیکلوں کے انبار نے اس ٹریفک میں توازن بگاڑ دیا تھا۔ رات کی تاریکی میں یہ ہجوم ٹریفک تو اور بھی نمایاں ہو رہی تھی۔ جگمگاتی ہوئی لائٹوں کے ساتھ جب یہ گاڑیاں ایک دوسرے کو کراس کرتیں تو دیکھنے والے ان گاڑیوں کو رشک کی نگاہ سے دیکھتے لیکن ان گاڑیوں کے ڈرائیوروں کے لئے یہ جگمگاتی لائٹیں کسی خوبصورتی کا باعث نہیں ہوتیں۔ ان کے لئے رات کا سفر پر خطر ہوتا ہے۔ گاڑیاں اپنے اپنے رستوں پے دوڑتی رہتی تھیں کہ ایک دم پولیس کی گاڑیاں شور مچاتی ہوئی پوری سڑک پر پھیل گئیں۔ چند منٹوں میں پوری ٹریفک بلاک ہوگئی۔ پولیس والے اپنا اسلحہ تانے تیزی سے گاڑیوں کی طرف بڑھے انہوں نے شاید ناکہ بندی کر دی تھی۔ پولیس کے اشاروں پر لوگوں نے اپنی گاڑیاں پارک کرتے ہوئے ایک قطار میں کھڑی کر لیں۔ یہ گھڑیاں لوگوں کے لئے پریشانی کی تھیں کیونکہ انہیں اپنی اپنی منزلوں کی جانب چلنا تھا۔

پولیس یکے بعد دیگرے گاڑیوں کی طرف بڑھتے مسافروں کی لائسنس اور گاڑی کے کاغذات چیک کرتی اور پھر گاڑی کی تلاشی لیتی رہی۔ گاڑیوں کی ایک قطار میں ایک بلیک مرسیڈیز کھڑی تھی ایک سب انسپکٹر اس کی طرف بڑھا۔ گاڑی میں وہی نوجوان سوار تھا جس نے ساشا کا تعاقب کیا تھا۔ وہ ایک خوبرو نوجوان تھا۔ سفید رنگ، تیکھے نقوش اور لائٹ براؤن بالوں کی وجہ سے وہ انتہائی باوقار دکھائی دے رہا تھا۔ اس کے گلے میں صلیب کا نشان کا لاکٹ تھا۔ سب انسپکٹر نے اس سے اس کا نام پوچھا تو اس نے خفیف سے انداز میں کہا۔

''ہارسن۔''

پھر سب انسپکٹر نے اس کے کاغذات چیک کیے۔ کاغذات چیک کرنے کے بعد انسپکٹر نے اس نوجوان کی طرف مشکوک نظروں سے دیکھا پھر کچھ سوچتا رہا اور آخر کاغذات لے کر دوسرے پولیس افسر کے پاس گیا۔

دونوں پولیس افسران نے کاغذات دیکھ کے کچھ گفت وشنید کی کچھ دیر کے بعد سب انسپکٹر کاغذ لے کر واپس اس نوجوان کے پاس آیا۔ اس نے اطمینان کے انداز میں سر ہلاتے ہوئے کاغذات اس نوجوان کو تھما دیئے۔ تقریباً ایک گھنٹے تک ٹریفک جام رہی۔

ٹریفک چلی تو گاڑیاں یکے بعد دیگرے چلنے لگیں۔ گاڑیوں کی اس لمبی قطار سے نکلتے نکلتے ہارسن کو تقریباً آدھا گھنٹہ لگ گیا۔ ہارسن اپنی منزل کی جانب جا رہا تھا اس کے چہرے پر انتہائی سنجیدگی تھی۔

ایک طویل فاصلے کے بعد اس نے اپنی گاڑی ایک شاندار عمارت کے قریب کھڑی کی۔ عمارت میں اس کا فلیٹ تھا۔ وہ عمارت میں داخل ہو کے لفٹ میں داخل ہو گیا اور لفٹ کچھ فاصلہ طے کر کے دو حصوں میں کھل گیا۔ ہارسن لفٹ سے باہر آ گیا۔ یہ لفٹ جس جگہ کھلتی تھی وہاں مختلف فاصلوں پے تین دروازے تھے جن کے رستے الگ الگ تین فلیٹز کی طرف کھلتے تھے۔

ہارسن ان میں سے ایک دروازے کی طرف بڑھا اور اپنی جیب سے چابی نکال کے دروازے کا تالہ کھولنے لگا۔ وہ اپنے فلیٹ میں داخل ہوا اور اپنے فلیٹ کی تمام لائٹس آن کر دیں۔ اس نے اپنا کوٹ لٹکایا اور صوفے پر براجمان ہو گیا۔ اس نے اپنا سر صوفے کی پشت پے ڈھیلا چھوڑ دیا۔

اس کے بیٹھنے کے انداز کو دیکھ کر لگ رہا تھا کہ جیسے اس نے ایک طویل سفر طے کیا ہے جبکہ ایسا نہیں تھا وہ اسی شہر میں گھوم رہا تھا۔ اس کی کسملندی کی وجہ شاید کچھ اور تھی۔

اس کا پورا فلیٹ ویران تھا اس کے علاوہ اس فلیٹ میں اور کسی انسان کا وجود نہیں تھا جبکہ اس منزل کے ہر فلیٹ میں مختلف لوگ خوش وخرم رہ رہے تھے لیکن ہارسن بالکل تنہا تھا۔ وہ کچھ دیر تک اپنا بازو اپنی آنکھوں میں رکھے سوچتا رہا پھر اپنی جگہ سے اٹھا اور شیلف سے سگریٹ کی ڈبیا نکالی۔ وہ سگریٹ اور لائٹر لے کے صوفے کی طرف بڑھنے لگا تو اس نے کچھ دیر رک کے اپنی پشت کی جانب سے ترچھی نظر سے آئینے کی طرف دیکھنے لگا۔

اسے نہ جانے کیا خیال آیا کہ وہ آئینے کی طرف بڑھنے لگا۔ گھمبیر سناٹے میں اس کے قدموں کی آواز گونج رہی تھی۔ وہ آئینے کے سامنے سیدھا کھڑا ہو گیا۔ چند ساعتوں میں ہی وہ کہیں کھو سا گیا تھا۔ وہ آئینے میں اپنے ہی عکس کو بے گانگی سے دیکھ رہا تھا۔ جس طرح خوراک کی تلاش میں بھٹکنے والے جانور شکنجوں کی زد میں آجاتے ہیں اسی طرح بے بس اور مجبور لوگ ظالموں کے شکنجوں میں جکڑے جاتے ہیں۔ بھوک انسان کو دوسرے کا نوالہ چھیننے پر مجبور کرتی ہے۔ غریبی اور اپنوں کی تڑپ میں انسان گمراہ ہو کے اپنی مجبوریاں موت کے سوداگروں کو بیچ دیتا ہے۔ جب تک موت کے سوداگروں کا کوئی قلع قمع نہیں کرتا، مجبوریاں اسی طرح بکتی رہیں گی۔ مفلسی اور محرومیاں کئی ضمیر فروشوں کو جنم دیں گی۔ روزگار کے لئے بھٹکے ہوئے لوگ یونہی شکنجوں میں پھنستے رہیں گے۔

☆.....☆.....☆

ماہ لقا حسب معمول اپنے معذور خاوند کو ناشتہ کروا رہی تھی کہ باہر بیل ہوئی کچھ دیر کے بعد ملازم نے ماہ لقا کو بتایا کہ باہر کوئی شخص پاشا سے ملنے آیا ہے۔ پاشا اپنے گھر کے لان میں جوگنگ کر رہا تھا۔

''پاشا صاحب لان میں ہیں انہیں جا کے بتا دو۔'' ماہ لقا نے ملازم سے کہا۔

ملازم نے یہ پیغام پاشا کو دیا تو پاشا نے اسے اس شخص کو ڈرائنگ روم میں بٹھانے کے لئے کہا۔ ملازم نے گیٹ کا دروازہ کھول دیا۔ ہارن اپنی گاڑی میں گیٹ سے اندر داخل ہوا اور ملازم کے کہنے پر ڈرائنگ روم میں بیٹھ گیا۔ وہ اپنا دایاں ہاتھ آہستہ آہستہ اپنے چہرے تک لے گیا اور اپنے ہاتھ الٹے رخ سے اپنے چہرے پر پھیرنے لگا اس کی نظروں میں ایک عجیب سا احساس تھا جیسے خود کو ہی پہچاننے کی کوشش کر رہا ہو۔

وہ اپنے ہاتھ کو آہستہ اپنی نگاہوں تک لے گیا اور خود کلامی کے انداز میں کہنے لگا۔

''کوئی ایسا ہو گا جو مجھے میری نظروں سے پہچان لے کہ میں کون ہوں۔''

یہ سوچ کر بھول بھلیوں میں بھٹکا ہوا تھا کہ اس کے موبائل کی رنگ ہوئی۔ وہ چونک سا گیا۔ اپنا موبائل لے کر وہ صوفے پے بیٹھ گیا اور موبائل بند کر دیا۔ وہ اس وقت کسی سے بات نہیں کرنا چاہتا تھا۔

ساشا نے عصام کے گھر والوں کو عصام کی گمشدگی کے متعلق کچھ نہیں بتایا اس کا رابطہ سبین سے تھا۔ اس نے سبین سے یہی کہا کہ عصام بیرون ملک گیا ہوا ہے۔

سبین اور عائشہ نے اپنی ماں اور بہنوں کی ذمہ داری مکمل اٹھالی تھی۔ بینش نے بھی نوکری کرلی تھی جس کی وجہ سے ان کی فیملی کا سرکل اچھا چل رہا تھا۔ ان کی خوشیوں کے لئے جس انسان نے اپنی زندگی داؤ پے لگادی آج وہ غموں کے دلدل میں دھنسا ہوا تھا۔

ہارن ڈرائنگ روم میں داخل ہوا تو وہ ہر چیز کی جگہ کے متعلق اچھی طرح جانتا تھا جیسے وہ یہاں پہلے بھی آچکا ہو۔ ہارن کوئی آدھے گھنٹے تک ڈرائنگ روم میں بیٹھا پاشا کا انتظار کرتا رہا۔ مزید ٹائم گزرتا رہا لیکن پاشا نہیں آیا۔ اسے پاشا سے ملنا تھا لیکن اس کی کیفیت ایسی تھی وہ دروازے اور کھڑکیوں کی طرف وقفے وقفے سے اس طرح دیکھ رہا تھا کہ جیسے اسے پاشا کے علاوہ کسی اور کا بھی انتظار ہو۔ وہ صوفے سے اٹھا اور دروازے کی طرف بڑھا اس نے دور تک نظر دوڑائی پاشا کا دور دور تک نام ونشان تک نہ تھا۔ ڈرائنگ روم کے ساتھ ہی ماہ لقا کا کمرہ تھا ہارن دیوار کے ساتھ ساتھ لگتا ہوا دبے دبے قدموں سے ماہ لقا کے کمرے کی طرف بڑھا اور اس کے کمرے کے دروازے کے قریب دیوار کے ساتھ چپک کے کھڑا ہوگیا وہ جانتا تھا کہ پاشا انتہائی خطرناک آدمی ہے۔ وہ خوف سے چاروں طرف نظر دوڑا رہا تھا پھر اس نے موقع پاکر دروازے سے اندر جھانکا۔

ماہ لقاء رومال سے اپنے معذور خاوند کا منہ صاف کررہی تھی۔ ہارن کچھ دیر خاموشی سے اس کی طرف دیکھتا رہا لیکن اس سے پہلے کہ ماہ لقاء اسے دیکھتی وہ تیزی سے پیچھے ہٹ گیا۔

ہارن کی آنکھوں میں نمی تیر رہی تھی اور اپنے اترے اترے چہرے کے ساتھ ڈرائنگ روم میں بیٹھ گیا۔

کچھ دیر کے بعد پاشا ڈرائنگ روم میں داخل ہوا تو ہارن احتراماً کھڑا ہوگیا۔

پاشا بیٹھا تو ہارن بھی بیٹھ گیا۔ ملازم چائے لے کے کمرے میں داخل ہوا اس نے ہارن کو چائے پیش کی۔

''میں آپ کو نہیں جانتا۔'' پاشا نے ہارن سے کہا۔

''آپ مجھے نہیں جانتے لیکن میں آپ کو اچھی طرح سے جانتا ہوں۔'' یہ کہہ کر ہارن نے پاشا کو ایک پرچی دی جو پاشا کے خاص آدمی کی لکھی ہوئی تھی۔ جس میں ہارن کو کوئی کام دینے کے لئے سفارش کی گئی تھی۔

پرچی پڑھنے کے بعد پاشا نے ہارن کو سرتاپا دیکھا۔

''تم جانتے ہو کہ ہمارا کام کس نوعیت کا ہے۔''

''ہاں جانتا ہوں آپ مجھ پے اعتماد کر سکتے ہیں۔'' ہارسن نے کہا۔

''جس شخص نے تمہاری ذمہ داری لی ہے وہ میرا خاص آدمی ہے۔اس کے کہنے پے تمہیں کام پے رکھ لوں گا لیکن یہ بات ذہن میں رکھنا کہ تمہیں ہمارا ہر تقاضا پورا کرنا ہوگا۔ ہماری فیلڈ بہت خطرناک ہے اس میں داخل ہونے والوں کے لئے پھر واپسی کا کوئی رستہ نہیں ہوتا۔ میرے آدمی نے پرچی میں یہ بھی لکھا ہے کہ تم اسلحے سے متعلق کافی جانکاری رکھتے ہو۔ مجھے فی الحال ایک آدمی کی ضرورت ہے تم مجھے اس کے لئے فٹ لگ رہے ہو۔ کام ہماری ذاتی نوعیت کا ہے۔''

''سر! آپ مجھ پے ہر لحاظ سے اعتماد کر سکتے ہیں آپ مجھے ایک بار موقع تو دیں۔ ذاتی نوعیت سے آپ کی کیا مراد ہے۔'' ہارسن نے کہا۔

''تم پہلے چائے پی لو چائے ٹھنڈی ہو رہی ہے۔''

پاشا نے چائے کی طرف اشارہ کیا اور پھر وہ دونوں چائے پینے میں مشغول ہو گئے۔اس دوران پاشا باتوں باتوں میں ہارسن کو چیک کرتا رہا وہ دونوں کافی دیر تک باتیں کرتے رہے ہارسن سے گفتگو کرنے کے بعد پاشا کو ہارسن کی طرف سے کچھ تسلی ہو گئی اس نے لائٹر سے اپنا سگار جلایا۔

''تمہاری فیملی.....؟''

''میں یتیم خانے میں پل کر جوان ہوا ہوں آپ مجھے لاوارث کہہ سکتے ہیں۔''

''تعلیم.....؟''

''میٹرک پاس ہوں۔'' ہارسن پاشا کے سوالوں کے مختلف جواب دے رہا تھا۔اس طرح کے کئی سوال پاشا نے ہارسن سے کئے جن کے جواب دے کر اس نے پاشا کو مطمئن کیا۔

''ہمارا کام جس نوعیت کا ہے اس میں دشمن بھی بہت ہوتے ہیں۔ مجھے اپنی بہو اور پوتی کے لئے ایک باڈی گارڈ کی ضرورت ہے جو ہر وقت ان کے ساتھ ہو۔اگر تمہیں یہ نوکری قبول ہے تو کل سے ہی کام پے آجاؤ۔ تنخواہ تمہیں تمہاری مرضی کی ملے گی کیونکہ میرے لئے وہ دونوں جانیں انتہائی قیمتی ہیں۔'' پاشا نے اپنا سگار ایش ٹرے میں مسلا۔

''ٹھیک ہے سر۔ میں کل سے آجاؤں گا۔'' ہارن نے ملازمت کے لئے حامی بھری۔

''کل تم آؤ گے تو تمہیں تمہارے کام کے متعلق سمجھا دوں گا۔'' پاشا نے کہا۔

یہ بات طے ہونے کے بعد ہارن نے پاشا سے جانے کی اجازت چاہی۔

رات کا ایک بج رہا تھا۔ رفیقہ، بینش اور رومہ گہری نیند سو رہے تھے کہ ایکدم رفیقہ نیند میں بے چینی سے اپنا سر ہلانے لگی۔ اس کا ماتھا پسینے سے تر ہو گیا۔ وہ شاید کوئی ڈراؤنا خواب دیکھ رہی تھی۔ رفتہ رفتہ اس کی بے چینی بڑھنے لگی اور اس کا دماغ نیند سے باہر آنے کی کوشش کرنے لگا۔ لیکن اس پہ جیسے دباؤ کی سی کیفیت طاری تھی۔ اس کا وجود جیسے پتھر کا ہو گیا تھا اور ذہنی حالت جیسے اس خواب کی تابع ہو گئی تھی جو وہ دیکھ رہی تھی۔ وہ کافی دیر اسی کیفیت میں رہی۔ پھر یکلخت وہ ہڑبڑا کر اٹھی۔

''عصام۔'' عصام کا نام اس کے منہ سے نکلا، اس کی آواز سے بینش اور رومہ بھی اٹھ کر بیٹھ گئیں۔ بینش بستر سے اٹھ کر تیزی سے رفیقہ کے پاس بیٹھ گئی اور اپنا ہاتھ اپنی ماں کے شانے پہ رکھ لیا۔

''کیا ہوا امی۔''

رفیقہ نے اپنے سینے پہ ہاتھ رکھتے ہوئے اوپر کی طرف دیکھا۔

''اے خدا میرے اعصام کو اپنی حفاظت میں رکھنا میں نے اسے تیرے سہارے چھوڑ دیا ہے۔''

بینش نے اپنا سر اپنی ماں کے کندھے پہ رکھ دیا۔

''جب اسے خدا کے سہارے چھوڑ ہی دیا ہے تو پھر گھبرائی کیوں ہیں۔''

''بیٹی میں نے بہت برا خواب دیکھا ہے میرا دل گھبرا رہا ہے۔'' رفیقہ نے گھبراہٹ بھرے لہجے میں کہا۔

''کہتے ہیں خواب سنا دینا چاہئے۔ دل پہ بوجھ نہیں رہتا۔'' بینش نے کہا۔

''میں نے دیکھا کہ میرا بیٹا عصام دلدل میں ڈوب رہا ہے۔ درخت کی چند شاخیں دلدل کی طرف جھکی ہوئی ہیں عصام کا اپنے وجود پہ کوئی اختیار نہیں تھا وہ بے بس اس خوفناک دلدل میں غرق ہو رہا تھا۔ وہ بار بار درخت کی شاخوں کی طرف ہاتھ بڑھا کر انہیں پکڑنے کی کوشش کر رہا تھا۔ وہ اپنے جسم کو بہ مشکل حرکت دے کے ان شاخوں تک پہنچ گیا اور اس نے ایک شاخ اپنے ہاتھ میں لے لی۔ لیکن پھر.....'' رفیقہ کی آواز کانپنے لگی اور وہ

پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

''امی خدا کا واسطہ آپ خود کو بھی مضبوط کریں اور ہمیں بھی حوصلہ دیں۔''

''و.....و.....وہ شاخ ٹوٹ گئی اور عصام اس دلدل میں.....''

''بس کریں امی۔ خواب تو خواب ہوتے ہیں انسان جس سے پیار کرتا ہے اس کے بارے میں ایسے خواب آتے ہیں۔ ہمیں ان، خوابوں کو سچ تو نہیں سمجھنا چاہئے۔'' بینش نے اپنی ماں کو اپنے سینے سے لگا لیا۔ رفیقہ بیٹی کے سینے سے لگ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ رومہ بھی اپنی ماں کے گھٹنوں پے سر رکھے بیٹھی ہوئی تھی۔

''جب بھیا تم لوگوں کے پاس آئے تھے تو تم نے انہیں ٹھکرا دیا۔ ان کے دل پے کیا گزرے گی۔ یہ تک نہ سوچا اور اب انہیں یاد کر کے رو رہی ہیں۔'' رومہ نے اپنی ماں کی طرف شکوہ بھری نگاہوں سے دیکھا۔ رفیقہ اس کے معصوم سے چہرے پے شفقت سے ہاتھ پھیرنے لگی۔

''میری مامتا اپنی جگہ لیکن جب تک عصام خود اپنے گناہوں کو دھو نہیں لیتا میں اسے اپنا دودھ نہیں بخشوں گی۔ مجھے وہی عصام چاہئے جو میں نے کھویا تھا۔ ماؤں کی گودیں اجاڑنے والا دہشت گرد نہیں چاہئے۔ حالات کا گھیراؤ کتنا ہی تکلیف دہ کیوں نہ ہو۔ مگر وہ میرے عصام کو سیدھی راہ پے لے آئے تو میں ہر طرح کی حقیقت کا سامنا کرنے کے لئے تیار ہوں۔''

رومہ نے تعجب خیز انداز سے اپنے سر کو جھٹکا۔

''محبت میں تو انسان خود غرض ہو جاتا ہے آپ کی مامتا کیسی ہے۔''

''اگر میری ممتا کی تسکین کے لئے ہزاروں ماؤں کی گودیں خالی ہو جائیں تو پھر ایسی تسکین سے بہتر تڑپ ہے چاہے وہ تڑپ مجھے زندہ لاش بنا دے۔'' رفیقہ نے اپنی بھیگی ہوئی آنکھوں سے رومہ کی طرف دیکھا۔

''پتہ نہیں کون سا راستہ ٹھیک ہے۔ میری سمجھ میں تو کچھ نہیں آ رہا۔ اے خدا تو نے ہمیں اتنی بڑی آزمائش میں کیوں ڈالا۔'' رومہ نے دونوں ہاتھوں سے اپنا سر پکڑ لیا اور جا کے اپنے بستر پے ڈھیر ہو گئی۔

☆.....☆.....☆

عصام کے فون کے بعد ساشا کا دل ایک بار پھر انتظار کی گھڑیاں گننے لگا۔ اسے ہر وقت عصام کے فون کا

انتظار ہوتا۔ وہ اس امید پر رہتی کہ شاید پہلے کی طرح اچانک عصام کا فون آ جائے۔ مایوسی اور انتظار کی اس فضا میں خوشی کا ایک جھونکا ایک بار پھر اس کا دل باغ باغ کر دے۔ لیکن ایسا دوبارہ نہیں ہوا۔ عصام کے ایک فون کے بعد دوبارہ فون نہیں آیا۔

عصام کہاں ہے، کیا کر رہا ہے..... کب لوٹے گا..... اس کے متعلق وہ کچھ نہیں جانتی تھی۔ بس اسے اس بات کی تسلی تھی کہ عصام زندہ ہے۔

وہ شہباز کی سیکرٹ فائلوں کو بہت ہوشیاری سے پرنٹ کر رہی تھی۔ درندوں میں رہتے ہوئے ساشا یہ خطرناک کام کر رہی تھی۔ اب اس کی زندگی کا یہ مقصد بن گیا تھا کہ شہباز جیسے خون آشام درندوں کو ان کے انجام تک پہنچانا ہے جو دہشت گرد تنظیموں کی سرپرستی کر کے انسانیت سے کھیل رہے ہیں۔ وہ اپنے سر پے کفن باندھے اس مشن پے کام کر رہی تھی۔ ساشا کی سیفٹی شہباز کی مجبوری تھی۔ کیونکہ وہ اس کی تنظیم کی ایک اہم رکن تھی۔ اس لئے شہباز کی موجودگی سے کنیفر اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا تھا۔

☆.....☆.....☆

ساشا آج پھر اسی ساحل سمندر پے آئی ہوئی تھی۔ جہاں وہ اور اعصام بیٹھ کے ڈھیروں باتیں کیا کرتے تھے۔ وہ کراچی شہباز کے کسی کام کے سلسلے میں آئی ہوئی تھی۔ وہ ساحل سمندر پے آئی تو اس کے ذہن میں عصام کی یاد کے سارے دریچے کھل گئے۔

عصام کے ساتھ گزارے ہوئے دن ہی اس کی زندگی کا سب سے بڑا سرمایہ تھے۔ عصام سے اس کا کیا رشتہ تھا۔ وہ عصام کو بس جذبے کے آئینے میں دیکھتی تھی، یہ سوال اس کے لئے بے معنی تھے۔ کیونکہ عصام اس کے کسی جذبے کو نہیں سمجھتا تھا شاید سمجھنا نہیں چاہتا تھا۔ وہ اپنے اور ساشا کے تعلق کو صرف دوستی کا نام دیتا تھا۔ لیکن دوستی کے اس چھوٹے سے لفظ نے عصام کا اتنا خلوص سمیٹ لیا تھا لگتا تھا کہ جیسے دنیا میں اس سے بڑا، اس سے سچا رشتہ کوئی دوسرا ہے ہی نہیں۔ وہ اپنی تصوراتی دنیا میں اکیلی ہی مسکرا دی۔

''چلو دوست ہی سہی، لیکن تم مجھ سے ملو تو سہی۔'' اس کے دل کی آواز جیسے عصام نے سن لی۔ موبائل کی رنگ ہوئی۔ ساشا نے موبائل اٹینڈ کیا تو اس کے چہرے پے بشاشت دوڑ گئی۔ فون عصام کا تھا۔ وہ بے اختیار

بولی۔ ''تم کہاں سے بول رہے ہو عصام۔''

''یہ بات چھوڑو کہ میں کہاں سے بول رہا ہوں۔ تم سناؤ کیسی ہو۔''

بس زندہ ہوں۔ تم مجھ سے کیوں نہیں ملتے۔ اگر خود نہیں آ سکتے تو مجھے اپنا ایڈریس دو میں خود تم سے ملنے آ جاؤں گی۔ تم کہاں چھپ کے بیٹھ گئے ہو۔''

''ارے! تھوڑی دیر میں اتنے سوال کر ڈالے۔'' عصام مسکرایا۔

''عصام! کیا تم مجھے جانتے نہیں ہو۔ جو اس طرح کہہ رہے ہو کیا تمہیں میری تڑپ کا احساس نہیں ہے۔ تم ایک بار میرے سامنے تو آؤ۔'' ساشا جذبوں کی رو میں بہہ رہی تھی۔

''مجھ سے زیادہ تمہیں کون سمجھ سکتا ہے۔ میں جانتا ہوں کہ میں نے تمہیں بہت پریشان کیا ہے۔ تمہیں کچھ انتظار کرنا ہوگا۔ اگر اب ملیں گے تو ہمیشہ کے لئے بچھڑ جائیں گے۔'' عصام نے کہا۔

''مجھے کچھ سمجھ نہیں آ رہا کہ تم کیا کہنا چاہتے ہو۔ تمہارا کیا پلان ہے۔ ایسی کون سی مجبوری ہے کہ تم مجھ سے نہیں مل سکتے۔''

''جلد ہی کنیفر شہباز کی پریشانی دور کرنے کے لئے بتا دے گا کہ میں مر چکا ہوں۔ کیونکہ کنیفر تو مجھے اپنے ہاتھوں سے موت کے گھاٹ اتار چکا ہے۔ مگر مارنے والے سے بچانے والا زیادہ طاقتور ہے۔ خدا کی ذات نے مجھے بچا لیا۔ ایک بار میں شہباز کی نظر میں مر جاؤں تو پھر ہم اپنے اس مشن پے کام کریں گے جس کا ہم نے فیصلہ کیا تھا۔ فی الحال میں محتاط رہنا چاہتا ہوں۔ میں تم سے رابطہ کم سے کم کروں گا۔ کیونکہ ہمارا فون پکڑا بھی جا سکتا ہے۔ ساشا اپنا دھیان رکھنا۔ میں تمہیں کنیفر کے متعلق بتانا نہیں چاہتا تھا لیکن تمہیں حقائق سے آگاہ رکھنے کے لئے یہ ضروری تھا۔ تم کنیفر کے منہ نہ لگنا۔ بلکہ اس سے محتاط رہو۔ کنیفر سے بدلہ میں خود لے لوں گا۔ تم نے اس حوالے سے اس کی طرف نہیں دیکھنا۔ وہ بہت خطرناک ہے۔ تمہیں کوئی بھی نقصان پہنچا سکتا ہے۔'' عصام بہت تحمل سے ساشا کو یہ سارے حقائق بتا رہا تھا۔ لیکن ساشا سن ہو گئی۔ اس کے اندر الاؤ سلگنے لگا۔

''یہ بات تم مجھے اب بتا رہے ہو۔ خدانخواستہ تمہیں کچھ ہو جاتا۔''

''بھئی کچھ ہوا تو نہیں۔ دیکھو ساشا اگر تمہارے دل میں میرے لئے تھوڑی سی بھی جگہ ہے تو تمہیں اس کا

واسطہ ہے۔تم اس موضوع پر کنیفر سے کوئی بات نہیں کروگی۔'' عصام نے ساشا کی بات کاٹ کر کہا۔

''ٹھیک ہے تم کہتے ہو تو میں اپنا غصہ ضبط کرلوں گی۔لیکن ایک وعدہ تم بھی مجھ سے کرو۔تم اپنے معاملے میں لاپرواہی سے کام نہیں لوگے محتاط رہوگے۔''

''یہ جو تم سے دور ہوں۔یہ قربانی کافی نہیں ہے اپنی سیفٹی کے لئے۔''

عصام کی اس بات سے ساشا کے لبوں پے مسکراہٹ بکھر گئی۔

''تم بھی ایسا سوچتے ہو۔''

''ساشا! زندگی کی تپتی دھوپ میں، میں نے تمہاری قربت میں ہی تو سایہ تلاش کیا تھا۔تقدیر نے تم سے نہ جانے کیسا رشتہ قائم کر دیا تھا۔جس کا احساس و مروت کے رشتے سے کہیں زیادہ ہے۔بے نام رشتوں میں بندھے لوگوں کے جذبے ناپید نہیں ہوتے۔ان کی سچائی بہت گہری اور معنی خیز ہوتی ہے۔وہ رشتوں کے بندھنوں میں جکڑے نہیں ہوتے۔وہ احساسات کی روشنی میں محبت کے رستوں پے چل پڑتے ہیں۔'' عصام ساشا سے مختصر بات کرنا چاہتا تھا۔لیکن ساشا سے باتیں کرتے ہوئے وہ کچھ دیر کے لئے یہ بھول گیا۔

ساشا عصام کی باتوں میں کھوسی گئی۔

عصام نے چند ہی باتوں میں اس کے دل و دماغ کو تسکین پہنچادی۔

''عصام! میرا دل چاہ رہا ہے کہ تم بولتے رہو اور میں سنتی رہوں۔تمہاری باتیں سن کے مجھے کسی قدر سکون مل رہا ہے۔شاید تم اندازہ نہ کرسکو۔حالات کی تلخیوں کی اذیت جیسے کہیں ہوا ہوگئی ہو۔'' ساشا نے جذباتیت سے بھرپور لہجے میں کہا۔

''ساشا میری کیفیت تم سے مختلف نہیں ہے۔لیکن اب میں نے جتنی دیر تم سے بات کی ہے۔یہ گھڑیاں میرے لئے خطرے سے خالی نہیں۔انشااللہ ہم جلد ملیں گے اور اپنے مشن کو پورا کریں گے۔فی الحال تم مجھ پے یہ احسان کردو کہ کنیفر سے کسی قسم کی بات مت کرنا۔جو ہوا اسے بھول جاؤ۔جو ہم نے آگے کرنا ہے اس کے لئے ہمیں اس قسم کے رسک نہیں لینے چاہئے۔انشااللہ خدا ہمارا ساتھ دے گا اور شہباز کا یہ پورا گروہ جیل کی کوٹھریوں میں چکی پیسے گا۔اگلے فون تک کے لئے خدا حافظ۔''

خدا تمہارا نگہبان ہو۔'' ساشا نے کہا۔

فون بند ہوا تو ساشا نے بے دلی سے اپنا موبائل بند کر دیا۔ اسے یوں محسوس ہو رہا تھا کہ جیسے اس کے دل کی باتیں اس کے دل میں ہی رہ گئی ہیں۔ جیسے عصام سے گفتگو کے یہ لمحات ساشا کی خواہش کے آگے بہت مختصر ہو گئے ہوں۔ حالانکہ اس بار عصام نے ساشا سے کافی دیر تک گفتگو کی تھی۔ لیکن اس کا بس نہیں چل رہا تھا ورنہ وہ ان لمحوں کو محفوظ کر لیتی۔ شام ڈھل رہی تھی۔ اس کی نظروں کے سامنے ڈوبتے سورج کا دلفریب منظر ابھر رہا تھا۔ ساشا مسکراتے مسکراتے یکلخت سنجیدہ ہو گئی۔ وہ اپنی جگہ سے اٹھ گئی اور کھڑے ہو کے کھوئے کھوئے سے انداز میں اس منظر کو دیکھنے لگی۔

''کبھی کبھی امید کی چند کرنوں سے دل و دماغ جگمگا اٹھتا ہے۔ لیکن جب میں اس منظر کو دیکھتی ہوں تو نہ جانے کیوں مجھے اس منظر میں اپنی تقدیر کا عکس دکھائی دینے لگتا ہے۔ مایوسی کی سیاہ چادر امید کی ساری کرنوں کو اپنی لپیٹ میں لے لیتی ہے اور میں اپنی ہی سوچ سے خود کو اذیت دینے لگتی ہوں۔'' ساشا خود سے باتیں کرنے لگی۔

☆.....☆.....☆

ہارن پاشا سے ملنے آیا تو پاشا نے اسے بہت عزت افزائی کے ساتھ مہمان خانے میں بٹھایا۔ ان دونوں نے اکٹھے چائے پی اور مختلف موضوعات پر گفتگو میں مصروف ہو گئے۔ ہارن نے خود کو کچھ ایسے رنگ میں ڈھالا تھا کہ وہ پاشا کی توجہ کا مرکز بن گیا تھا۔ پاشا کو بھی تو جیسے اس جیسے آدمی کی ضرورت تھی۔ ہارن میں وہ تمام خوبیاں موجود تھیں۔

''آج میں تمہیں تمہارے کام کے متعلق بتاؤں گا۔ اپنی فیملی سے ملواؤں گا۔ پھر کل سے تم اپنی جاب شروع کر لینا۔ دیکھو ہارن! میں ایک صاف گو آدمی ہوں۔ صاف بات کرتا ہوں۔ میں نے تم پے اعتبار کیا ہے۔ اول یہ کہ میرے اعتماد پے کوئی ٹھیس نہ آئے۔ نوکری انتہائی ہوشیاری اور بہادری سے اور وفاداری ایسی کہ جائز اور ناجائز پے سر جھکانا۔ تمہاری زبان میں کسی قسم کی شیرینی نہیں ہونی چاہئے۔ تمہاری زبان تمہارا اسلحہ ہے۔ تم ہمارے ساتھ ہمارے گھر کے فرد کی طرح رہو گے۔ لیکن ہمارے ذاتی معاملات میں کسی قسم کی مداخلت نہیں کرو گے۔ جو سوال کرنے ہیں آج کر لو۔ آج کے بعد زبان پر کوئی سوال نہ آئے۔'' پاشا صاف گوئی کے نام پے ہارن

پے جیسے پتھر برسا رہا تھا۔

''سر آپ کی گفتگو سننے کے بعد مجھے یقین نہیں آ رہا کہ آپ وہی ہیں جن سے تھوڑی دیر پہلے میں گپ لگا رہا تھا۔'' ہارن نے تعجب خیز انداز میں کہا۔

پاشا تفحیک انداز میں مسکراتا ہوا ہارن کے قریب آیا اور اسے سرتاپا دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

''اخلاق اپنی جگہ اور نوکری کے اصول اپنی جگہ۔ ان اصولوں کے پابند رہو گے تو تم سے ڈیلنگ ہمیشہ اچھی کی جائے گی۔'' اس نے سگریٹ سلگائی اور ہارن کے کندھے پر ایک ہاتھ رکھ کر کہا۔

''آپ مطمئن رہیں سر! انشاء اللہ آپ کو میری طرف سے کسی قسم کی شکایت کا موقع نہیں ملے گا۔'' ہارن نے پاشا کو مطمئن کیا۔

پاشا نے سگریٹ سلگائی اور ہارن کے کندھے پر تھپکی دی۔

''بیسٹ آف لک! مجھے امید ہے کہ تم اس نوکری کے معیار پے پورے اترو گے۔ مائی سن یہ دوہری شخصیت کے انسانوں کی دنیا ہے۔ اس لئے یہ ضروری نہیں کہ جو نظر آئے وہی سچ ہو۔ تم اس سچ اور جھوٹ کے چکر میں مت پڑنا۔ تو بہت ترقی کرو گے۔''

''جناب آپ کی سرپرستی رہی تو ضرور ترقی کروں گا۔'' ہارن بلا تامل بولا۔

''چلو آؤ! میں تمہیں اپنی فیملی سے ملوا دوں۔'' یہ کہہ کے پاشا ہارن کو لے کے ماہ لقاء کے کمرے کی طرف بڑھا اور دروازہ کھٹکھٹایا۔

''کون ہے! آ جائیں۔'' اندر سے ماہ لقاء کی آواز آئی۔ پاشا اور ہارن کمرے میں داخل ہوئے تو ماہ لقاء کارپٹ پے بیٹھی زاہد کے پیروں کی مالش کر رہی تھی۔ اس نے ہارن کو دیکھا تو اپنی جگہ سے اٹھ کر صوفے پے بیٹھ گئی۔ ہارن کی نظر ماہ لقاء پے پڑی تو وہ اس کی طرف دیکھتا ہی رہ گیا۔ ہارن کی نظروں میں ماہ لقاء کے لئے ایک عجیب سی شناسائی تھی جسے وہ ماہ لقاء کو بہت عرصے سے جانتا ہو۔

''یہ میری بہو ہے اور یہ میرا بیٹا زاہد اور وہ بچی جو وڈیو گیم کھیل رہی ہے۔ میری پوتی انعم ہے۔'' پاشا نے ہارن سے اپنی فیملی کو متعارف کروایا۔

ہارسن نے پریشان کن انداز میں زاہد کیطرف دیکھا۔"یہ کب سے ایسے ہیں۔"

"کافی عرصہ ہوگیا ہے۔علاج تو کروا رہے ہیں اب خدا کی مرضی ہے۔"

ہارسن نے انعم کی طرف دیکھا تو اس کے چہرے کے تاثرات یکسر بدل گئے اور اس کے لبوں پر مسکراہٹ بکھر گئی۔"آپ مہمانوں سے نہیں ملتیں۔"ہارسن انعم کی طرف متوجہ ہوا۔

انعم اپنی وڈیو گیم میں انتہائی مصروف تھی۔اس نے ہارسن کی آواز پر ایک پل کے لئے اس کی طرف دیکھا۔

"میں صرف خاص مہمانوں سے ملتی ہوں جو مجھے اچھے لگتے ہیں۔" یہ کہہ کر وہ دوبارہ اپنی وڈیو گیم میں مصروف ہوگئی۔

"انعم کیا بدتمیزی ہے۔مہمانوں سے اس طرح بات کرتے ہیں۔"پاشا نے انعم کو ڈانٹا تو ہارسن نے اسے ہاتھ سے رکنے کا اشارہ کیا۔اور مسکراتے ہوئے انعم کی طرف بڑھا اور اس کے پاس آلتی پالتی مار کے بیٹھ گیا۔

"ہاں بھئی اب بتائیں کہ مجھ میں کیا خرابی ہے۔"

انعم نے اپنے بال پوائنٹ سے اپنے ہونٹوں کو دباتے ہوئے ہارسن کی طرف دیکھا۔

"انکل یہ آپ کیسے بیٹھ گئے آپ کی پینٹ کی ساری استری خراب ہوگئی ہے۔"

"خیر ہے۔میں تو آپ سے دوستی کرنا چاہتا ہوں۔"

"اب آپ مجھے کچھ اچھے لگ رہے ہیں۔"انعم نے اپنی کن پٹی پے انگلی رکھتے ہوئے کہا۔

انعم کی یہ بات سن کر ماہ لقاء مسکرانے لگ گئی۔ہارسن نے بے اختیار ماہ لقاء کی طرف دیکھا۔

"لوگ ٹھیک کہتے ہیں بچوں کی خوشیوں میں انسان بڑے سے بڑا غم بھول جاتا ہے۔" یہ کہہ کر ہارسن ایک بار پھر انعم کی طرف متوجہ ہوا۔

"ہاں بھئی آپ نے میری اس بات کا تو جواب نہیں دیا کہ میرے میں کیا خرابی ہے۔"

انعم نے شرارت سے بھرپور نگاہوں سے ہارسن کی طرف دیکھا۔"ہوں! بتادوں۔"

"بتادو۔"

"مجھے بھورے بالوں اور نیلی آنکھوں والے لوگوں سے ڈر لگتا ہے۔"انعم نے انتہائی معصومیت سے کہا۔

ہارسن اس کے بالوں کو سہلانے لگا۔ ''بیٹی یہ ضروری نہیں ہوتا کہ جن کے بال بھورے اور آنکھیں نیلی ہوں وہ لوگ برے ہوں۔ آپ یہ خیال اپنے دل سے نکال دیں۔''

''انعم بیٹے! یہ انکل اب تمہارا اور تمہاری امی کا خیال رکھیں گے۔ اب تم انہی کے ساتھ سکول جایا کرو گی اور انہی کے ساتھ گھر آیا کرو گی۔''

پاشا نے انعم سے کہا تو ماہ لقاء نے سر سے پاؤں تک ہارسن کی طرف دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں ایک خوف تھا۔ اس کی تیکھی بھنویں تن سی گئیں۔ وہ کیا سوچ رہی تھی۔ یہ سمجھنا ہارسن کے لئے ناممکن تھا۔

''ماہ لقاء! ان کا نام ہارسن ہے۔ میں نے اس کے ذمے تمہاری اور انعم کی سیفٹی کا کام لگایا ہے۔ کوٹھی میں کوئی اچھا سا کمرہ دیکھ کے ہارسن کے لئے سیٹ کر دو۔ یہ اس کوٹھی میں رہے گا۔'' پاشا نے ماہ لقاء سے کہا۔

پاشا کی بات پہ ماہ لقاء طنزیہ سے انداز میں مسکرائی اور پھر کپڑوں کی الماری کی طرف بڑھی اور اپنے کام میں مصروف ہو گئی۔ اس نے پاشا کی بات کو نظر انداز کیا۔

''سر۔ اب آپ مجھے اجازت دیں کل میں حاضر ہو جاؤں گا۔'' یہ کہہ کے ہارسن وہاں سے چلا گیا۔

☆.....☆.....☆

شہباز نے اپنے گروپ میں سے چار ارکان کو طلب کیا۔ جن میں کنیفر اور ساشا بھی شامل تھے۔ وہ چاروں شہباز کے سامنے بیٹھ گئے۔ شہباز نے ایک نظر ان چاروں پہ ڈالی۔

''تم لوگ جسمانی طور پر فٹ ہو۔''

''جی سر! کنیفر نے اثبات میں کہا۔

''میں نے صرف تم سے نہیں پوچھا۔ یہ سوال میں نے تم چاروں سے کیا ہے۔'' شہباز نے خصوصاً ساشا کی طرف دیکھا۔

''ہم لوگوں نے پولیس سے چھپنے کے لئے کچھ عرصے کے لئے اپنا اڈہ بدلا ہے۔ لیکن اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے کہ ہماری سرد سست پڑ جائیں۔'' شہباز نے کہا۔

''سر! آپ یہاں بیٹھے ہیں۔ لیکن آپ کے اشاروں پہ ہماری اس تنظیم کی شاخیں کراچی اور لاہور میں

بارہا کام کر رہی ہیں۔ قتل و غارت میں کہیں کوئی فرق نہیں پڑا۔ اب آپ اور کیا چاہتے ہیں۔'' ساشا کے لہجے میں بغاوت کی بو تھی۔

''ساشا اپنی لہجہ درست کرو۔ کوئی میری بات کو رد کرے یہ بات میں بالکل پسند نہیں کرتا۔'' شہباز غصیلے لہجے میں بولا۔ شہباز کی بات سن کے ساشا نے اپنی بات کا رخ ہی بدل دیا۔

''سر! میری بات کا یہ مطلب ہرگز نہیں تھا میں تو یہ چاہ رہی تھی کہ ابھی کچھ عرصہ ہم روپوش ہی رہیں تو اچھا ہے۔''

''بزدلی کی باتیں مت کرو۔'' یہ کہہ کے شہباز اپنے باقی ساتھیوں کی طرف متوجہ ہوا۔ ''تم چاروں آج رات پشاور جاؤ گے۔'' شہباز نے میز پر رکھا نقشہ پھیلا دیا اور اپنی انگلی کو اس نقشے پر گھمانے لگا۔

''یہ روڈ تم لوگ دیکھ رہے ہو بچوں سے بھری ہوئی ایک سکول بس۔ ٹھیک صبح سات بجے اس روڈ سے گزرے گی اس بس کو اسی روڈ پر تباہ ہونا چاہیے۔'' شہباز نے انتہائی سفاکی سے کہا۔

''او کے سر! ایسا ہی ہوگا۔'' تینوں آدمیوں نے ایک زبان میں کہا۔ شہباز کی بات سن کے ساشا کے پورے وجود میں سنسنی دوڑ گئی۔

''تمہاری پیاس کبھی نہیں بجھے گی شہباز۔ معصوم بچوں نے تمہارا کیا بگاڑا ہے۔'' ساشا دل میں شہباز کو کوس رہی تھی۔

''دیکھو! یہ کام انتہائی ہوشیاری سے ہونا چاہئے۔'' شہباز نے تاکید کی اور اپنا رخ پھیر لیا۔

وہ چاروں رات کو ہی پشاور پہنچ گئے اور پھر صبح چار بجے چاروں اپنے ٹھکانے سے نکلے اور پانچ بجے کے قریب وہ بس ڈرائیور کے گھر پہنچ گئے۔ ساشا اور ایک آدمی ہاتھوں میں بندوقیں لئے پہرے پر کھڑے ہو گئے اور کینفر اور اس کا ایک ساتھی ٹارچ کی مدد سے کوچ تک جا پہنچے۔ کینفر نے بیگ سے ٹائم بم نکالا اور اپنی گھڑی کے ٹائم کے ساتھ بم کا ٹائم سیٹ کیا۔ بس کے نیچے گھس گیا۔ اس نے بس کے نیچے لیٹ کر بم بس کی نچلی سطح پر نصب کر دیا۔ کینفر اپنی کارکردگی سے مطمئن تھا۔ پورے سات بجے وہ چاروں اس سڑک کے قریب مختلف جگہوں پہ کھڑے ہو گئے جہاں سے اس بس کو گزرنا تھا۔ کینفر نے بم کی جو ٹائمنگ سیٹ کی تھی اس کے مطابق ٹھیک اسی سڑک پہ اس بس نے بلاسٹ ہونا تھا۔

کینفر اور اس کے دو ساتھی انتہائی بے چینی سے سڑک کی طرف دیکھ رہے تھے۔ سات بج چکے تھے اور بس کا دور دور تک کوئی نام ونشان تک نہ تھا۔ انتظار کرتے کرتے آدھا گھنٹہ گزر گیا۔ کینفر نے تعجب خیز نظروں سے اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھا۔

''جس ٹائم پہ اس بس نے سکول پہنچنا ہے اس کے مطابق بس کو سات بجے اس سڑک پہ ہونا چاہئے۔''

''یار! ہوسکتا ہے کہ بس میں کوئی خرابی ہوگئی ہو۔ یہ ضروری تو نہیں وہ بس اسی سڑک پر آ کر تباہ ہو۔ کسی اور جگہ شور وغل پڑا ہوگا۔'' کینفر کے ایک ساتھی نے اپنی رائے دی۔

''میرا خیال ہے کہ ہم میں سے ایک کو جائزہ لینا چاہئے کہ اس وقت وہ بس کہاں ہے۔'' کینفر نے کہا۔

''تمہارا دماغ خراب ہے۔ پورے سات بجے ٹائم بم بلاسٹ ہو چکا ہوگا۔ ہمیں تو اس وقت یہاں بھی نہیں ہونا چاہئے۔ ہمارے لئے اس سڑک پہ پہنچنا خطرے سے خالی نہیں ہے۔'' کینفر کے ایک ساتھی نے خوفزدہ ہوتے ہوئے کہا۔

''بزدلی کی باتیں مت کرو۔ تم لوگ ایسا کرو تینوں اڈے پر پہنچو۔ میں حالات کا جائزہ لے کر آتا ہوں۔'' کینفر نے کہا۔

''کینفر۔ ایک بار پھر سوچ لو۔'' ساشا نے کہا۔

''اوہو۔ تم لوگ اب وقت ضائع نہ کرو۔ ہری اپ۔ اڈے پہ پہنچو۔'' کینفر نے چٹکی بجاتے ہوئے کہا۔

ساشا نے کینفر سے بیگ لیا اور اپنی گاڑی ہوا میں اڑاتے ہوئے وہاں سے نکل پڑے۔

کینفر کچھ دیر پیدل چلتا رہا پھر اس نے ایک ٹیکسی پکڑی اور اس رستہ کی طرف چل پڑا جو بس ڈرائیور کے گھر کی طرف جاتا تھا۔

وہ بہت ہوشیاری سے چاروں طرف نظر دوڑا رہا تھا۔ سڑک پہ کافی فاصلے تک بس کا نام ونشان تک نہ تھا۔ ڈرائیور کینفر کے اشاروں پہ گاڑی دوڑا رہا تھا کہ اچانک کینفر چونک پڑا۔ وہ گھبراہٹ میں بولا۔

''یہاں سے گاڑی موڑو ہمیں آگے نہیں جانا۔''

''کیوں صاحب۔'' ڈرائیور نے پیچھے مڑ کے کہا۔

''جیسا کہا ہے ویسا کرو۔'' کینفر ترش روئی سے بولا۔ آگے سڑک پر کافی فاصلے پر پولیس نے ناکہ بندی کی ہوئی تھی اور ٹریفک جام تھی۔ بچوں سے بھری ہوئی بس اسی ٹریفک میں کھڑی تھی۔ بس کے گرد پولیس کا رش تھا۔ غالباً وہ بم کو ڈسکور کر چکے تھے۔ اسی وجہ سے وہ بس وہاں موجود تھی۔

''جناب۔ اگر ہم نے یہاں سے گاڑی واپس موڑ لی تو پولیس کو ہم پر شک ہو جائے گا۔'' ڈرائیور نے کہا۔

''اچھا چلو۔'' کینفر نے ایک ٹھنڈی آہ بھری۔

ان کی گاڑی اس جگہ تک پہنچی تو پولیس سارجنٹ نے آگے بڑھ کر ان کی گاڑی کھڑی گاڑیوں کی ایک قطار میں پارک کروادی۔

''مر گئے بھئی۔'' کینفر منہ ہی منہ میں بڑبڑایا۔

''آپ نے مجھ سے کچھ کہا۔'' ڈرائیور نے ایک بار پھر پیچھے مڑ کر دیکھا۔

''نہیں بابا! تم میرا دماغ نہ کھاؤ۔'' کینفر جھنا کے بولا۔

''چلو جی! کیا کریں ہمارا پیشہ ہی ایسا ہے۔ کبھی کبھی آپ جیسی بداخلاق سواری بھی مل جاتی ہے۔'' ڈرائیور نے منہ بسورتے ہوئے کہا۔

''اوہ مائی گاڈ۔'' کینفر اپنا سر پیٹ کے رہ گیا۔ ''تم کچھ دیر خاموش نہیں رہ سکتے۔''

پولیس آفیسرز باری باری گاڑیوں کی تلاشی لیتے ان کے کاغذات چیک کرتے اور انہیں چلتا کرتے۔ کافی دیر تک ان کی گاڑی کھڑی رہی۔ ان کی چیکنگ کا نمبر آیا تو ایک سب انسپکٹر ان کی گاڑی کی طرف بڑھا۔ پھر اس نے ڈرائیور سے گاڑی کے کاغذات طلب کیے اور پھر دونوں کو گاڑی سے باہر آنے کے لئے کہا۔ دونوں گاڑی سے باہر نکلے تو انسپکٹر نے انہیں گاڑی سے تھوڑے فاصلے پہ کھڑا کر دیا۔ دو سپاہی گاڑی کی طرف بڑھے اور گاڑی کی تلاشی لینے لگے۔ گاڑی کی تلاشی سے مطمئن ہونے کے بعد انسپکٹر ان دونوں سے مخاطب ہوا۔

''ہمیں اپنی تلاشی دیں۔''

دونوں نے گاڑی کی طرف مڑ کے گاڑی کی چھت پہ اپنی کہنیاں ٹکا دیں۔

سب انسپکٹر آگے بڑھا اور ان کی جیبیں ٹٹولنے لگا۔ ان دونوں سے انسپکٹر کو ایسی کوئی چیز نہیں ملی جس سے وہ

ان پہ شک کر سکے۔

''آپ جا سکتے ہیں۔'' انسپکٹر نے کہا۔

کینفر انتہائی اطمینان سے گاڑی میں بیٹھا اور وہ دونوں وہاں سے نکل پڑے۔

ساشا اور اپنے باقی ساتھیوں کو جب اس نے اپنے مشن کی ناکامی کی اطلاع دی تو اس کے ساتھی اس بات پہ دم بخود ہو کے رہ گئے کہ یہ اطلاع پولیس کو کیسے مل گئی۔ یہ بات ان کے لئے انتہائی پریشان کن تھی۔ کینفر کے چہرے پر تو غصے کے تاثرات عیاں تھے۔

''اب تو جو ہونا تھا ہو گیا۔ اس میں اتنا غصہ کرنے والی کیا بات ہے۔'' کینفر کے ایک ساتھی نے کینفر کو تسلی دی۔

کینفر سر جھکائے اپنی پسٹل میں میگزین فٹ کر رہا تھا۔ اس نے اپنی تیکھی نظروں سے اس شخص کی طرف دیکھا۔ ''میں آج تک کبھی بھی ناکام نہیں لوٹا جو کام مجھے باس کہتے ہیں اسے پورا کر کے دم لیتا ہوں۔''

''کبھی کبھی ہار کا مزا بھی لینا چاہئے۔'' ساشا نے تضحیک آمیز انداز میں کہا۔

ساشا کی یہ بات سن کر کینفر جیسے بھڑک اٹھا۔

''ہمارے گینگ میں کوئی غدار ہے جس نے یہ اطلاع پولیس تک پہنچائی ہے۔ وہ غدار کتنا ہی ہوشیار کیوں نہ ہو میں اسے ڈھونڈ نکالوں گا۔'' اس نے ساشا کو سرتاپا دیکھا۔

''بی ریلیکس! شکست تمہارے دماغ کو چڑھ گئی ہے نارمل ہو جاؤ تو پھر کوئی بات کرنا۔ بغیر کسی ثبوت کے انسان کسی پہ اتنا بڑا الزام نہیں لگا سکتا۔'' ساشا نے انتہائی غصے میں کہا۔

''میں تو یہ سب اس غدار کے لئے کہہ رہا ہوں جس نے یہ سب کیا ہے۔ بس آج سے وہ ہوشیار ہو جائے۔ ثبوت بھی ڈھونڈ لوں گا۔''

یہ کہہ کر کینفر نے پسٹل پاکٹ میں ڈالی اور اپنے کندھے پہ لٹکائے ہوئے کھڑا ہوا گیا۔ اس کے باقی ساتھیوں نے بھی تیاری پکڑی۔ آدھے گھنٹے کے اندر اندر وہ وہاں سے نکل گئے۔

☆.....☆.....☆

جب اس واقعے کا علم شہباز کو ہوا تو وہ بھی برہم ہوا۔ اس کا شیطانی ذہن بھی اپنے ساتھیوں میں فہرست میں

غدار کا چہرہ ڈھونڈنے لگا۔ اسے پہلے سے اطلاع مل چکی تھی کہ وہ چاروں اپنے مشن میں ناکام ہو گئے ہیں۔ لہذا وہ بے چینی سے ان کا انتظار کرنے لگا۔ وہ شش و پنج کی کیفیت میں کمرے میں ٹہل رہا تھا کہ کینفر اور ساشا شرمندہ شکلیں لے کر اس کے سامنے آ کھڑے ہوئے۔

شہباز نے ان دونوں کو سر سے پاؤں تک دیکھا۔ اس کی آنکھیں غصے سے انگارہ ہو رہی تھیں۔ کچھ دیر خاموش رہا پھر دوسری طرف منہ کر کے گرج دار آواز میں چلایا۔

''گم کرو شکلیں میرے سامنے سے۔''

وہ چاروں سر جھکائے وہاں سے جانے لگے تو شہباز نے کینفر کا نام لیا۔

''تم رکو۔''

کینفر کمرے میں ٹھہر گیا اور اس کے باقی ساتھی کمرے سے چلے گئے۔

کینفر شہباز کے قریب آیا۔

شہباز صوفے پر براجمان ہو گیا اور کینفر سے بھی بیٹھنے کے لئے کہا۔ اس کے چہرے پہ شرمندگی کے تاثرات عیاں تھے۔

''ہمارا یہ پلان کیسے آؤٹ ہوا۔'' شہباز جلد پوائنٹ کی طرف آ گیا۔

''یقیناً ہمارے گروہ میں کوئی غدار ہے۔''

''تمہارے خیال میں کون ہو سکتا ہے۔''

''سر! پہلے آپ مجھے اپنے خیال سے آگاہ کریں پھر میں آپ کو اپنا خیال بتاؤں گا۔''

کچھ دیر شہباز خاموش رہا۔ کچھ دیر کے بعد اس نے کینفر کی بات کا جواب دیا۔

''میں جس بات پہ شک کر رہا ہوں۔ شاید کبھی اس پر شک نہ کرتا اگر عصام لاپتہ نہ ہوتا۔''

''آپ ساشا کی بات کر رہے ہیں۔'' کینفر نے شناسائی سے کہا۔

''تم ساشا پر مکمل نظر رکھو۔ صرف ساشا پر ہی نہیں پورے گروہ پر نظر رکھو۔ اگر کوئی مشتبہ شخص تمہاری نظر میں آ جائے تو مجھے اس سے آگاہ کرو۔ ساشا کی ہر حرکت تمہارے علم میں ہونی چاہئے وہ کہاں جاتی ہے، کس سے ملتی

ہے، اس کا رابطہ کس سے ہے۔ بس آج کل تمہاری یہی ڈیوٹی ہے۔'' شہباز نے پر اعتماد بھرے لہجے میں کہا۔

☆.....☆.....☆

ہارسن پاشا کی کوٹھی میں آیا۔ تو لان میں انعم فٹ بال کھیل رہی تھی۔ ماہ لقاء لان کی نرم نرم گھاس پر بیٹھی انعم کو کھیلتا دیکھ رہی تھی۔ ہارسن کو پاشا کی طرف سے یہ اجازت مل گئی تھی کہ وہ اس گھر کے ایک فرد کی طرح اس گھر میں رہ سکتا ہے۔ اس نے انعم کو دیکھا تو وہ ان کی طرف بڑھنے لگا۔ انعم نے فٹ بال ماں کی طرف پھینکا تو ماں نے فٹ بال جواباً اچھال دیا۔ فٹ بال ہارسن کے قدموں کے قریب آ گرا۔ ہارسن نے فٹ بال اٹھائی اور انعم کی طرف اچھال دی۔ ماہ لقاء کی نظر ہارسن پر پڑی تو غصے سے اس کی پیشانی پر لکیریں کھنچ گئیں۔ اس نے انعم کی طرف دیکھا۔

''چلو انعم۔ کھیل ختم کرو۔ تمہارے ہوم ورک کا ٹائم ہو رہا ہے۔''

انعم اپنی ماں کی جانب سے نظریں گھماتے ہوئے ہارسن کی طرف دیکھنے لگی اور پھر اس نے خوبصورت مسکراہٹ کے ساتھ اپنی ماں کی طرف دیکھا۔

''امی! انکل کے ساتھ کھیل لوں۔''

''میں نے کہا ہے کہ تمہارے ہوم ورک کا ٹائم ہو گیا ہے۔ جاؤ جا کے سٹڈی کرو۔''

ماہ لقا نے انعم کو ڈانٹ پلا دی۔ انعم منہ بسورتے ہوئے وہاں سے چل دی۔

ماہ لقاء بھی انعم کے پیچھے جانے لگی تو ہارسن نے اسے روکتے ہوئے کہا۔

''پلیز۔ میں آپ سے بات کرنا چاہتا ہوں۔''

''میں نے بچی کو ہوم ورک کروانا ہے۔ میرے پاس ٹائم نہیں ہے۔'' ماہ لقاء نے ترش روئی سے کہا۔

''میں آپ کا زیادہ ٹائم نہیں لوں گا۔'' ہارس نے کہا۔

''کہو کیا کہنا چاہتے ہو۔'' ماہ لقاء نے بیزاری سے بھرپور لہجے میں کہا۔

''آپ مجھ سے ایسی ڈیلنگ کیوں کر رہی ہیں۔ پاشا صاحب نے مجھے آپ کی اور انعم کی سیفٹی کی ذمہ داری سونپی ہے۔ میں آپ کا خیر خواہ ہوں۔''

ابھی الفاظ ہارسن کے منہ میں تھے کہ ماہ لقاء قطع کلامی کرتے ہوئے بولی۔

''آپ اچھے ہو یا برے ہمیں اس سے کوئی سروکار نہیں۔ ہم صرف اتنا جانتے ہیں کہ آپ پاشا صاحب کے آدمی ہیں۔ آپ کو جو نوکری ملی ہے آپ صرف اس سے غرض رکھیں۔ ہماری اچھی یا بری ڈیلنگ سے آپ کو کوئی غرض نہیں ہونی چاہئے۔'' ماہ لقاء نے چند الفاظ میں ہارسن کو شرمندہ کر کے رکھ دیا۔

ہارسن کچھ دیر ماہ لقاء کے چہرے کی طرف دیکھتا رہا اور پھر خاموشی سے وہاں سے چلتا ہوا لان کی دوسری جانب چلا گیا اور ایک گھنے درخت کے قریب پڑی ہوئی کرسی پر بیٹھ گیا۔ وہ ماہ لقاء کے معاملے میں کچھ زیادہ ہی دلچسپی لے رہا تھا۔ اسے ماہ لقاء کے رویے سے یہ محسوس ہو رہا تھا جیسے اس کے اس سخت رویے کے پیچھے تلخ حقائق پوشیدہ ہیں۔ جس کی اذیت نے اس کے لہجے میں کڑواہٹ گھول دی ہے۔

اس نے دل ہی دل میں یہ فیصلہ کیا کہ وہ بار ہا کوشش کرے گا کہ ماہ لقاء کی نظروں سے بے اعتباری کا یہ پردہ ہٹا دے اور ماہ لقاء کو اس بات کا یقین دلا دے کہ وہ اس کا اور اس کی بیٹی کا ہمدرد ہے۔

ہارسن کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا کہ اس گھر میں رہنے والے لوگ کیسے ہیں۔ پاشا کی پراسرار شخصیت، ماہ لقاء اور زاہد کی بے بسی سے یوں لگ رہا تھا کہ جیسے ان میں کہیں بہت بڑا راز پوشیدہ ہے۔

ساشا، شہباز اور کینفر کے شک کا نشانہ بن چکی تھی۔ کینفر سائے کی طرح ساشا کے پیچھے لگا ہوا تھا۔ ساشا اس واقعے سے پہلے جس دلیری اور اعتماد سے شہباز اور اس کے ساتھیوں کے خلاف ثبوت اکٹھے کر رہی تھی۔ اب اسے ہر قدم پھونک پھونک کے اٹھانا پڑ رہا تھا۔ وہ شدید ٹینشن کا شکار ہو گئی تھی۔ اسے ہر لمحے عصام کے فون کا انتظار تھا لیکن وہ شہباز کے ڈر سے اپنا مقصد کسی صورت میں بھی بھول نہیں سکتی تھی۔ فرق پڑا تھا تو اس کے اعتماد میں۔ اب اسے ہر کام انتہائی احتیاط سے کرنا پڑ رہا تھا۔ شہباز کی نظر میں آنے کے بعد اس مشن کو جاری رکھنا اس کے لئے اپنی جان کی بازی لگانے کے مترادف تھا لیکن وہ اپنے عزم کی پکی تھی۔

☆.....☆.....☆

ہارسن اپنی گاڑی لے کر انعم کے سکول پہنچا۔ یہ اس کے سکول کی چھٹی کا ٹائم تھا۔ انعم کے ہاتھ میں ایک گڑیا تھی۔ وہ اپنی سہیلی کا ہاتھ تھامے سکول کے گیٹ سے باہر نکلی بچوں کے ہجوم میں ان دو بچیوں کو کسی کی ہوش نہیں تھی۔ انعم کی سہیلی اسے ہاتھ کے اشارے سے بائے بائے کہتی ہوئی سڑک کے دوسرے کنارے تک چلی گئی۔ انعم کی سہیلی نے ہاتھ سے گڑیا کی طرف اشارہ کیا۔ اس کا اشارہ ملتے ہی انعم نے گڑیا اپنی سہیلی کی طرف اچھال دی۔

گڑیا اس کی سہیلی تک پہنچنے کے بجائے سڑک کے درمیان جا گری۔ انعم انتہائی معصومیت میں گڑیا کی طرف لپکی اس کے بچکانہ ذہن کو کچھ نہ سوجھا کہ وہ اردگرد نظر دوڑائے لیکن ہارسن کی نظر اس پر پڑ گئی۔

انعم گڑیا تک پہنچتے پہنچتے ایک تیز رفتار گاڑی کی زد میں آ گئی ہارسن نے ایک لمبی چھلانگ لگائی اور انعم کو اپنے بازوؤں میں چھپاتے ہوئے اپنے وجود کو سڑک پر گھسیٹتا ہوا سڑک کے دوسرے کنارے تک پہنچ گیا۔

انعم کو تو آنچ نہیں آئی لیکن ہارسن کا پورا جسم اس قدر زخمی ہو گیا کہ اس کے اندر اٹھنے کی ہمت تک نہ رہی۔

دو آدمی ہارسن کی طرف بڑھے اور اسے سہارا دیتے ہوئے اس کی گاڑی تک لے گئے۔

''آپ لوگوں کا شکریہ۔ اب آپ جائیں۔ میں اس قابل ہوں کہ اپنی ڈریسنگ کروا سکوں۔'' ہارسن نے ان لوگوں کو مطمئن کیا اور اپنی ایک ٹانگ پہ ہاتھ رکھتے ہوئے لنگڑاتا ہوا گاڑی کی طرف بڑھا۔

انعم اس واقعے سے خوفزدہ سی ہو گئی تھی۔ وہ سہمی سہمی سیٹ پر بیٹھ گئی۔ رستے میں ہارسن نے ایک کلینک سے

اپنی مرہم پٹی کروائی۔ ہارن کو اپنے زخموں کی ذرا سی بھی پروا نہیں تھی۔ وہ دل ہی دل میں شکر ادا کر رہا تھا کہ انعم کو کوئی چوٹ نہیں لگی۔ اس کی زندگی بچ گئی۔ ہارن اور انعم جب گھر پہنچے تو ہارن نے انعم کو ماہ لقاء کے پاس بھیج دیا اور خود گیسٹ روم میں بیٹھ گیا۔

ماہ لقاء کمرے کی سیٹنگ میں مصروف تھی۔

''ماما.....'' انعم کی گھبرائی ہوئی آواز کمرے میں گونجی۔

''اوہ۔ میری بیٹی سکول سے آ گئی ہے۔'' ماہ لقاء نے بانہیں پھیلاتے ہوئے اپنی بیٹی کا استقبال کیا۔

''مما۔ انکل ہارن بری طرح زخمی ہو گئے ہیں۔ انہیں بہت چوٹیں لگی ہیں۔'' انعم نے بلا تامل کہا۔

''کیوں کیا ہوا؟'' ماہ لقاء چونک سی گئی۔

''مما۔ میں گاڑی کے نیچے آنے لگی تھی۔ انکل ہارن نے مجھے بچاتے ہوئے اپنا پورا جسم زخموں سے بھر لیا۔'' انعم نے گلوگیر لہجے میں کہا۔

''ہائے میری جان۔'' ماہ لقاء نے انعم کو اپنے سینے سے لگا لیا اور اس کا پورا بدن ٹٹولنے لگی۔

''میری بیٹی تمہیں کہیں کوئی چوٹ تو نہیں آئی۔ ایسا کیوں ہوا۔ کیا تم سڑک پر دھیان سے نہیں چلتی۔''

انعم ماہ لقاء کی اس بات پر سر جھکائے کھڑی ہو گئی۔

''تمہارے انکل ہارن کہاں ہیں؟'' ماہ لقاء نے انعم سے پوچھا۔

''وہ گیسٹ روم میں ہیں۔''

''انہوں نے مرہم پٹی کروائی ہے؟''

''ہاں۔ راستے میں ایک کلینک سے کروائی تھی۔'' انعم نے سر جھکائے دبی دبی آواز میں کہا۔

ماہ لقاء نے کسی گہری سوچ میں چپ سادھ لی۔ وہ خاموش بیٹھی اس واقعے کے متعلق سوچ رہی تھی اسے اپنے ہارن کے ساتھ رویے پر انتہائی ندامت محسوس ہو رہی تھی۔

ماہ لقاء گیسٹ روم میں داخل ہوئی تو شرمندگی کے تاثرات اس کے چہرے پر عیاں تھے۔ ہارن صوفے پر بیٹھا ہوا تھا اس کے دونوں بازوؤں اور سر پر پٹیاں بندھی ہوئی تھیں۔ ماہ لقاء کمرے میں اس طرح دبے پاؤں

داخل ہوئی کہ ہارن کو اس کے آنے کا احساس تک نہ ہوا۔ وہ اپنے دھیان میں بیٹھا ہوا تھا کہ اس کی نظر ماہ لقاء کے پاؤں پے پڑی۔ اس نے سر اوپر اٹھایا تو ماہ لقاء اس کے سامنے کھڑی تھی۔

''آ.....آ.....آپ.....آئیں بیٹھیں۔'' ہارن احتراماً کھڑا ہو گیا۔

ماہ لقاء سامنے پڑے ہوئے صوفے پر براجمان ہو گئی۔ اس نے ہارن کی طرف دیکھا۔ اس کی نظروں میں خلوص اور ہمدردی تھی۔ کچھ دیر ہارن کی طرف دیکھتی رہی۔ اپنی خاموش نظروں سے جیسے وہ سب کچھ کہہ گئی۔ پھر وہ آنکھیں جھکائے اپنے ہاتھوں کی انگشت کو جنبش دینے لگی۔

''میں آپ سے بہت شرمندہ ہوں۔ اب تک نہ جانے میں آپ کو کیا کیا کہتی رہی اور آپ خاموشی سے سنتے رہے۔ میں نے آپ کو سمجھنے میں غلطی کی ہے۔ میری بیٹی کی جان بچا کر مجھ بدنصیب پر آپ نے بہت بڑا احسان کیا ہے۔''

''میرے جذبے کو احسان کا نام دے کر مجھے شرمندہ مت کریں۔ میں انعم سے پیار کرتا ہوں۔ اس کے لئے اگر میری جان بھی چلی جاتی تو مجھے کوئی پچھتاوا نہ ہوتا۔'' ہارن نے اپنے سینے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

''نہیں! آپ کی یہ بات غلط ہے۔ بے شک میری بیٹی کے لئے آپ کا جذبہ قابل تعریف ہے لیکن زندگی ہر انسان کی اہم ہوتی ہے۔ ہر انسان کی زندگی کا دم کوئی نہ کوئی بھر رہا ہوتا ہے۔'' ماہ لقاء نے ہارن کی بات کی تائید نہیں کی۔

''نہیں میڈیم۔ اس دنیا میں ہر انسان کو محبت نہیں ملتی۔ کوئی ایسا بھی ہوتا ہے جس کا دم بھرنے والا کوئی نہیں ہو۔ انسان کا کردار اسے چاہے جانے پے مجبور کر دیتا ہے لیکن بعض اوقات کسی انسان کا کردار ایسا ہو جاتا ہے کہ اس کے دم بھرنے والے بھی اس کے لئے زندگی کی دعا نہیں کرتے۔'' ہارن بات کرتے کرتے کہیں کھو سا گیا۔

''میں آپ کو نہیں جانتی لیکن آپ کے اس عمل سے کہ آپ نے جان جوکھوں میں ڈال کر میری بیٹی کی جان بچائی۔ میں نے آپ کی شخصیت کے بارے میں اندازہ لگا لیا ہے جبکہ آپ کا میرا اور میری بیٹی سے کوئی رشتہ بھی نہیں ہے۔ آپ ایک اچھے انسان ہیں۔'' ماہ لقاء نے ہارن کی بات کا جواب دیا۔

ماہ لقاء کی بات پر ہارن نے اپنائیت سے بھرپور نگاہوں سے ماہ لقاء کی طرف دیکھا۔

''سچے جذبے کسی تعلق کے محتاج نہیں ہوتے۔''

ہارن کے اس جملے پر ماہ لقاء کہیں کھو سی گئی۔ ان لفظوں کی خفیف لہریں جیسے اس کے دل کے تاروں کو چھو کے گزر گئیں۔ اس کی نظریں کسی ایک جگہ ٹھہر گئیں۔

''آپ کس سوچ میں پڑ گئیں۔'' ہارن نے ماہ لقاء کے چہرے کی طرف دیکھا۔

ماہ لقاء نے اپنے سر کو جھٹکتے ہوئے اپنے بالوں کی لٹ کو پیچھے کیا۔

''تمہارے جملے میں بہت پیچھے چلی گئی تھی۔ یہی جملہ کسی نے کہا تھا۔ وہ بہت نفیس انسان تھا۔ پاکباز، شریف، معاشرے کی برائیوں سے باغی، اس کی فیملی ہمارے پڑوس میں تھی۔ میں ان کی فیملی سے بہت قریب تھی۔ ان کی فیملی سے میرے تعلق کی وجہ اس لڑکے کی بہنیں تھیں۔ جن سے میری بہت دوستی تھی۔ میں بھی کیا باتیں لے کر بیٹھ گئی۔ آپ بتائیں کہ آپ نے اپنے زخموں کی ڈریسنگ تو ٹھیک سے کروائی ہے۔''

''وہ تو میں نے صحیح طرح سے کروالی تھی۔ آپ جو بات بتا رہی تھیں۔ مجھے اچھی لگ رہی تھی۔ آپ نے اپنی بات ادھوری کیوں چھوڑ دی۔'' ہارن کے لہجے میں ایک عجیب سا اضطراب تھا۔

ماہ لقاء نے ناشناسائی سے اپنی نظروں کو گھمایا۔ شاید اسے محسوس ہو گیا کہ وہ ایک اجنبی آدمی سے بے تکلف ہو گئی ہے۔ اس نے ہارن کی بات کا جواب دینا مناسب نہ سمجھا۔

''آپ ایسا کریں کہ کچھ روز کے لئے اپنے گھر چلے جائیں۔ جب طبیعت بحال ہو جائے تو واپس آ جائیں۔''

ہارن صوفے کا سہارا لیتا ہوا کھڑا ہو گیا۔

''نہیں۔ اس کی ضرورت نہیں ہے۔ میں اپنے کوارٹر میں ہی آرام کر لوں گا۔''

''چلیں جیسی آپ کی مرضی۔ میں فروٹ اور جوس آپ کے کوارٹر میں ہی بھجوا دوں گی۔'' ماہ لقاء نے کہا۔

''شکریہ۔ اس کی ضرورت نہیں۔ آپ کا دل میری طرف سے صاف ہو گیا میرے لئے اتنا ہی بہت ہے۔''

یہ کہہ کر ہارن لنگڑاتا ہوا کمرے سے باہر چلا گیا۔

ہارن کوارٹر میں جاتے ہی چارپائی پہ گر گیا۔ اسے زخموں کی تکلیف کی کوئی ہوش نہیں تھی۔ اس وقت وہ اپنے حال سے نکل کر ماضی کی بھول بھلیوں میں کھو گیا۔ وہ سیدھا لیٹا مسلسل چھت کی طرف دیکھنے لگا۔ شاید وہ کسی گہری

سوچ میں گم تھا۔ کچھ دیر کے بعد اس کی آنکھوں میں نمی تیرنے لگی۔ نہ جانے وہ کس غم میں سلگ رہا تھا کہ خیر دین بابا ہاتھ میں ٹرے اٹھائے اس کے کوارٹر میں داخل ہوئے۔ وہ پاشا کا ایک بوڑھا ملازم تھا جو پورے گھر کی دیکھ بھال کرتا تھا۔ خیر دین بابا نے ٹرے چارپائی کے قریب پڑی ہوئی ایک تپائی پر رکھ دی۔ ٹرے میں فروٹ اور جوس تھا جو ماہ لقاء نے بھجوائے تھے۔

ہارن اٹھ کے بیٹھ گیا۔ خیر دین نے ہارن کے سر پر ہاتھ پھیرا۔

''جیتے رہو بیٹا۔ تم نے میری بٹیا کی جان بچا کر مجھ پہ بہت بڑا احسان کیا ہے۔''

''آپ انعم سے بہت پیار کرتے ہیں۔'' ہارن نے مسکراتے ہوئے بزرگ کی طرف دیکھا۔

''بس یوں سمجھ لو بیٹا کہ تم نے انعم کی زندگی نہیں بچائی اس بوڑھے کو نئی زندگی دے دی ہے۔ خدا تمہیں اس کا اجر دے گا۔'' خیر دین بابا تسبیح کرتے ہوئے کمرے سے باہر جانے لگے تو جاتے جاتے رک گئے اور پلٹ کے ہارن کی طرف دیکھنے لگے۔

''اپنی نوکری کا جو مطلب تم سمجھ رہے ہو۔ پاشا نے تمہیں اس کے لئے نہیں رکھا۔ اگر تم میں انسانیت ہے تو پاشا کے غلط احکامات پر مت چلنا۔''

یہ کہہ کے خیر دین بابا وہاں سے چلے گئے۔ ہارن خاموش کھڑا سوچنے لگا کہ خیر دین کیا کہہ گیا ہے۔ اگر وہ رک بھی جاتا تو ہارن کے پاس اس کی اس بات کے بدلے میں کہنے کے لئے کچھ نہیں تھا۔

☆.....☆.....☆

ہارن صبح اٹھا تو اس کے زخم اکڑے ہوئے تھے جس کی وجہ سے اس کا پورا جسم پھوڑا بنا ہوا تھا۔ وہ تکلیف سے کراہتا ہوا بمشکل بستر سے اٹھا، اسے چائے کی طلب ہو رہی تھی۔ اس کے منہ سے سی سی کی آواز نکلی اور اس نے اپنی آنکھیں بند کر لیں۔ سورج کی کرنیں چھن چھن کر اس کے کمرے میں آ رہی تھیں۔ وہ آنکھیں بند کئے لیٹا ہوا تھا کہ کسی نے ایک ننھا سا ملائم سا ہاتھ اس کی پیشانی پہ رکھا۔ اس نے آنکھیں کھولیں تو انعم ہاتھ میں چائے کا کپ لئے اس کے سامنے کھڑی تھی۔ اسے دیکھ کر ہارن کے لبوں پہ مسکراہٹ بکھر گئی۔ ایک لمحے کے لئے وہ ساری اذیت بھول گیا اور انعم کے لئے اٹھ کے بیٹھ گیا۔ اس نے انعم کے ہاتھ سے چائے کا کپ لیا اور اسے اپنے

بازوؤں کے حصار میں لیتے ہوئے اپنے پاس چارپائی پہ بٹھالیا۔

''آپ کو کیسے پتا چلا کہ میں نے چائے پینی ہے۔''

''مما نے کہا کہ یہ چائے انکل کو دے آؤ۔'' انعم نے اٹک اٹک کے الفاظ ادا کیے۔

''آپ بھی بہت اچھی ہیں۔ اور آپ کی امی بھی۔'' ہارن نے انعم کے بال سہلائے۔

''تھینک یو۔'' انعم نے کہا۔

''آپ کو اتنی پیاری پیاری باتیں کون سکھاتا ہے۔'' ہارن نے پوچھا۔

''مما مجھ سے اچھی اچھی باتیں کرتی ہیں۔ بس ایک مما ہی تو ہیں جو مجھ سے باتیں کرتی ہیں۔ کھیلتی ہیں نہ ہی دادا ابو کوئی بات کرتے ہیں اور نہ ہی ڈیڈی۔'' انعم نے ہارن کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے لیا اور اس کے رخساروں پر پیار دیا۔

''بیٹی! آپ کے ابو بیمار ہیں اس لئے وہ کچھ نہیں بولتے۔ میں اب آ گیا ہوں نا۔ مجھ سے کھیل لیا کرو۔ باتیں کر لیا کرو۔''

''ٹھیک ہے۔ پھر آپ وعدہ کریں کہ آپ ہمیں چھوڑ کر کہیں نہیں جائیں گے۔'' انعم نے ہارن سے اتنی اپنائیت سے کہہ دیا کہ وہ سوچ میں پڑ گیا۔ اس نے محبت سے انعم کے معصوم چہرے کی طرف دیکھا۔

''جب تک ہو سکا آپ کے پاس رہوں گا۔''

یہ کہہ کر ہارن نے انعم کا سر اپنے سینے پہ رکھ لیا۔

''دعا مانگو بیٹا کہ خدا تمہارے انکل کا ساتھ دے۔''

''انکل آپ یہ چائے پی لیں۔ مما میرا ناشتے پر انتظار کر رہی ہیں۔''

پھر وہ آہستہ آہستہ اپنے بستر سے اٹھا۔ اس کے زخموں کا اکڑاؤ بہت تکلیف دہ تھا۔ اس نے ایک بیکار کپڑا ڈھونڈا اس میں ریت بھر کے اس کی پوٹلی بنالی اور پوٹلی لے کر اپنے کچن کی طرف بڑھا اور چولہے پر توا رکھ کے پوٹلی کو گرم کر لیا اور پھر اس پوٹلی سے اپنے زخموں کو حرارت دینے لگا۔

حرارت دینے سے اسے کافی سکون ملا۔ کچھ دیر کے بعد وہ ڈھیلے ڈھیلے قدموں سے چلتا ہوا کوارٹر سے باہر آ

گیا۔ وہ کوارٹر کے باہر کھڑے ہو کر صبح کے نکھرے ہوئے سبزے پر نظر دوڑانے لگا۔ اس نے صبح تازہ ہوا کو محسوس کرتے ہوئے لمبے لمبے سانس لئے۔ لان کے مخصوص حصے سورج کی سکون آویز دھوپ میں دمک رہے تھے۔

ہارن کا دل چاہا کہ وہ دھوپ میں بیٹھے۔ وہ ڈھیلے ڈھیلے قدم اٹھاتے ہوئے لان کی طرف بڑھنے لگا کہ اس کی نظر ایک کھڑکی پہ پڑی۔ یہ ماہ لقاء کے کمرے کی کھڑکی تھی جو کھلی ہوئی تھی۔

کھڑکی کے قریب واش بیسن تھا جہاں ماہ لقاء کھڑی صاف دکھائی دے رہی تھی۔ ماہ لقاء اپنے شوہر کے دانت برش کر رہی تھی۔ یہ منظر دیکھ کر ہارن کا دل اکٹھا سا ہو گیا۔ اس نے اپنی پیشانی پر ہاتھ رکھتے ہوئے اپنی آنکھیں بند کر لیں اور وہاں سے آگے چل پڑا۔ وہ دل میں سوچ رہا تھا کہ ماہ لقاء کس قدر صبر والی ہے اور زاہد کتنا بدنصیب ہے جو زندگی کی خوشیوں سے محروم ہے۔ اس کی بدنصیبی نے ماہ لقاء کو بھی بدنصیب بنا دیا ہے۔ وہ لان میں مناسب جگہ دیکھ کر بیٹھ گیا۔

لان میں خیر دین بابا پودے کی گوڈی کر رہے تھے۔ ہارن کو خیر دین بابا سے بات کرنے کا یہ وقت مناسب لگا۔ کیونکہ پاشارات سے گھر نہیں آیا تھا۔ ہارن اپنی جگہ سے اٹھ کر خیر دین بابا کے پاس بیٹھ گیا۔ خیر دین بابا نے شفقت بھرے انداز سے ہارن کی طرف دیکھا۔

''آؤ بیٹا اب کیسی طبیعت ہے؟''

''اب پہلے سے زیادہ برا حال ہے۔ زخموں میں اکڑاؤ سا آ گیا ہے۔''

''زخم پہلے سے اکڑیں گے پھر ہی ٹھیک ہوں گے۔ میں تمہیں ایک دیسی دوا دوں گا۔ انشاء اللہ افاقہ ہو گا۔'' خیر دین بابا نے مٹی میں کھرپا مارتے ہوئے کہا۔

''بابا آپ نے تو ایک عمر گزاری ہے۔ آپ تو چہرے پڑھ لیتے ہوں گے۔ میری طرف دیکھ کر بتائیں کہ میں آپ کو کیسا انسان لگتا ہوں۔'' ہارن نے خیر دین بابا سے کہا۔

خیر دین بابا نے کھرپا چھوڑا اور مٹی سے بھرے ہاتھ جھاڑتے ہوئے بولے۔

''اب تو کئی سالوں سے انگاروں سے بھری آنکھیں اور بارود سے بھرے سینے والے لوگوں میں رہ رہا ہوں۔ اب تو انسانوں پر سے اعتبار ہی اٹھ گیا ہے۔ لیکن پھر بھی اس بوڑھے دماغ میں اتنی عقل ہے کہ اچھے

برے میں تمیز کر سکے۔ جب تمہیں پہلی بار دیکھا تھا تو تمہاری شکل سے میں تمہیں انہیں لوگوں جیسا تصور کیا تھا جو پاشا کے غلام ہیں۔ اس کے اشاروں پے کام کرتے ہیں۔ لیکن تمہارے لب ولہجہ اور تمہارے عمل سے مجھے اندازہ ہو گیا کہ تم ایک اچھے انسان ہو۔ لب ولہجہ میں انسان کی شخصیت کی باس ہوتی ہے۔"

"بابا۔ اگر آپ مجھ پر اعتبار کرتے ہیں تو میں آپ سے کچھ پوچھنا چاہتا ہوں۔"

"کیا پوچھنا چاہتے ہو....." خیر دین بابا نے ایک بار پھر کھرپا پکڑ لیا۔

"پاشا کیسا آدمی ہے اور میڈم اس گھر میں قیدیوں کی طرح کیوں رہتی ہے اور پاشا کے مجھے اس ملازمت دینے پر میڈم خفا کیوں تھیں۔"

ہارن کے ان سوالوں پر خیر دین بابا نے سکتہ بھری نظروں سے ہارن کی طرف دیکھا۔ کھرپا اس کے ہاتھ سے چھوٹ گیا۔ بجائے اس کے کہ وہ ہارن کی بات کا جواب دے اس کی قوت گویائی سلب ہو کے رہ گئی۔

"آپ چپ کیوں ہو گے۔ آپ کو کیا مجھ پہ اعتبار نہیں ہے۔" ہارن نے اس کی خاموشی کو توڑنا چاہا۔

"نہیں بیٹے ایسی کوئی بات نہیں ہے تم نے سوال ہی ایسے کر ڈالے۔" خیر دین بابا سوچ میں پڑ گئے۔

"مجھے ایسا لگ رہا ہے کہ جیسے آپ کے سینے میں کوئی بہت بڑا راز چھپا ہے۔ آپ مجھے اپنا سمجھ کے میرے سوالوں کا جواب دے دیں۔ شاید میں آپ کے کچھ کام آسکوں۔" ہارن کی اس بات پہ خیر دین بابا کی آنکھیں بھر آئیں۔

"بیٹے یہ رشتے ناطے جو تمہارے سامنے ہیں سب ڈراما ہے۔ ماہ لقاء اور زاہد تو پاشا کے قیدی ہیں۔" حقائق خیر دین بابا کی زبان سے پھسل پھسل کر نکل رہے تھے کہ گیٹ پر پاشا کی جیپ کے ہارن کی آواز گونجنے لگی۔ کبیر نے گیٹ کھولا۔ جونہی پاشا کی جیپ کوٹھی میں داخل ہوئی خیر دین بابا کھٹ سے اپنے کام میں مشغول ہو گیا۔

پاشا جیپ سے اتر کے ہارن کے قریب آیا اور بولا۔ "کیا حالت بنا رکھی ہے جوان! ہم تو تمہیں گھر کی رکھوالی کے لئے چھوڑ کے گئے تھے تم تو خود بیمار بن کر بیٹھ گئے۔"

"بس جی! برا وقت کبھی بتا کر تھوڑی آتا ہے۔" ہارن نے پاشا کی بات کا جواب دیا۔

"اور تم سناؤ خیر دین! کام ٹھیک جا رہا ہے۔"

''ہاں جی! سب ٹھیک جا رہا ہے۔'' خیر دین نے لڑکھڑاتی ہوئی آواز میں کہا۔

خیر دین کے چہرے پر دہشت تھی جس سے ہارن نے اس بات کا اندازہ لگا لیا کہ اس کوٹھی کے ملازم پاشا سے کس قدر ڈرتے ہیں۔

پاشا اپنے بندوں کے ساتھ اپنے کمرے کی طرف بڑھا تو اس نے پلٹ کر پیچھے دیکھا۔

''ہارن آؤ۔''

ہارن نے چبھتی ہوئی نگاہوں سے خیر دین بابا کی طرف دیکھا۔

''بابا! سچائی کے تو اپنے ہتھیار ہوتے ہیں یہ انسان کو بہادر بنا دیتی ہے۔ جھوٹ کے آگے کبھی نہیں جھکنا چاہئے۔'' یہ کہہ کر ہارن پاشا کے پاس چلا گیا۔

''بیٹھو ہارن!'' پاشا نے اپنے لانگ شوز اتارتے ہوئے کہا۔

''معمولی سا ایکسیڈنٹ ہو گیا تھا چند روز تک مکمل ٹھیک ہو جاؤں گا۔'' ہارن نے کہا۔

''اگر تم چند روز کے لئے اپنے گھر جانا چاہتے ہو تو بے شک چلے جاؤ اور اگر ادھر مطمئن ہو تو یہیں رہ لو۔''

''سر آپ نے مجھے چھٹی کے لئے کہہ دیا میرے لئے اتنا ہی بہت ہے، میں یہاں مطمئن ہوں اپنا علاج کر وا رہا ہوں۔'' ہارن نے کہا۔

چند روز تک ہارن کے زخم بھر گئے اور اس قابل ہو گیا کہ چل پھر سکے۔

☆.....☆.....☆

لاہور میں شہباز کے ایک دوست نے ایک بہت بڑی پارٹی ارینج کی تھی۔ پارٹی میں شہباز کے ساتھ کام کرنے والے اس کے چند ساتھی بھی آئے جن میں کنیفر اور ساشا بھی شامل تھے۔ پارٹی میں بہت سے لوگ موجود تھے جو اس پارٹی کو انجوائے کر رہے تھے۔ رنگا رنگ اور دلفریب خوشبوؤں سے مہکتی فضا اپنے جوبن پر تھی۔ خواتین کے ڈریسز دیکھ کر پارٹی پر کسی فیشن شو کا گمان ہو رہا تھا۔ ان سب خواتین میں ایک انتہائی پیاری سی لڑکی مشرقی لباس زیب تن کئے خراماں خراماں چل رہی تھی۔ اس نے ایک بڑا سا دوپٹہ اوپر لیتے ہوئے اسے اپنے دونوں بازوؤں پے بل دیتے ہوئے چھوڑ دیا تھا۔ یہ منفرد لڑکی ساشا تھی۔ جسے مشرقی لباس اور زیورات نے پہلی

والی ساشا سے بالکل مختلف کر دیا تھا۔ اس لباس کی ایک اور خاص بات یہ تھی کہ یہ لباس عصام کا تحفہ تھا۔

مہمان ابھی آ رہے تھے۔ ان مہمانوں میں ہارن بھی داخل ہوا۔ ہارن کی شخصیت تو زبردست لگ رہی تھی لیکن شہباز کا دوست اس سے ایسے ملا جیسے وہ اسے جانتا نہیں۔ شاید ہارن بن بلایا مہمان ہو۔ ہارن نے یہی کہا کہ وہ کسی فیملی کے ساتھ آیا ہے۔ ہارن کے اس طرح پارٹی میں آنے کی خاص وجہ ہی ہوگی۔ وہ مختلف لوگوں سے ملا۔ ان سے مختلف موضوعات پر بحث و تمحیص کی۔ سٹیج پر سنگر مختلف دھنوں پر گانے گا کر اپنا فن دکھا رہے تھے۔ لوگ کرسیوں پر بیٹھے موسیقی سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔ کرسیوں کے آگے گول ٹیبل پڑے ہوئے تھے۔ ساشا ٹیبل کے پاس تنہا بیٹھی گانے میں محو تھی کہ اس کے کانوں میں مانوس آواز ابھری۔

''ساشا۔''

وہ تڑپ کے رہ گئی۔ اس نے تیزی سے پیچھے مڑ کے دیکھا تو ہارن اس کے سامنے کھڑا تھا۔

ہارن کو دیکھ کے اس کے چہرے پر بکھری خوشی غائب ہوگئی اس کا چہرہ یکلخت اتر گیا۔

وہ خود کو سنبھالتے ہوئے پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ بولی۔ ''سوری میں نے آپ کو پہچانا نہیں۔''

''جسے دیکھا نہ ہو اسے انسان کیسے پہچان سکتا ہے۔'' ہارن نے ہنستے ہوئے کہا۔

''پھر آپ میرا نام کیسے جانتے ہیں۔'' ساشا نے کہا۔

''کسی کا نام جاننا کون سا مشکل کام ہے۔ شہباز صاحب جب آپ سے بات کر رہے تھے تو میں وہیں کھڑا تھا۔'' ہارن نے کندھے اچکاتے ہوئے چھچھورے سے انداز میں کہا۔

ساشا نے تیکھی نظروں سے ہارن کو سرتاپا دیکھا۔

''مجھے اس طرح کے بے تکلف لوگ بالکل پسند نہیں ہیں۔''

یہ کہہ کر ساشا وہاں سے جانے لگی کہ ہارن نے دھیمے سے لہجے میں بولا۔ ''کچھ دیر تو رک جاؤ۔''

اس کی آواز سن کر ساشا کے دل میں ایک ہوک سی اٹھی۔ اس نے پلٹ کے ہارن کی طرف دیکھا۔ اس کی اداس اور ویران آنکھیں ہارن کی جگہ کسی اور کو دیکھنا چاہتی تھیں۔ وہ بے ساختہ بولی۔

''آپ کی آواز بہت اچھی ہے۔'' ساشا کی بات سن کے ہارن کہیں کھو سا گیا۔ تھوڑی دیر کے لئے اس کی

نظریں ساشا کے چہرے پر مرکوز ہو گئیں۔

ساشا نے نہ جانے کس سوچ میں یہ جملہ کہہ دیا۔ اس کا بس نہیں تھا کہ وہ اپنے الفاظ واپس لے لے۔ وہ ہارسن کو نظر انداز کر کے ادھر ادھر دیکھنے لگی۔ ہارسن اپنے کوٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے ساشا کے قریب آیا۔

''میں جانتا ہوں کہ اس محفل میں جتنے بھی لوگ ہیں ان کا تعلق جرم کی دنیا سے ہے۔ میں یہ بھی جانتا ہوں کہ آپ ان لوگوں میں شامل ضرور ہیں لیکن آپ کا مشن گناہوں کے ان تاجروں کو ان کے انجام تک پہنچانا ہے۔'' ہارسن کی گفتگو سن کے ساشا کے خم دار بھنوؤں میں مزید بل آ گئے۔

''آپ پولیس کے آدمی ہیں یا کوئی بلیک میلر۔''

''میں وہ ہو جو آپ کا دل کہہ رہا ہے.....م.....م.....میرا مطلب ہے کہ آپ مجھے سمجھنے کی کوشش کریں کہ آپ کہ میں کیسا انسان لگ رہا ہوں۔''

''مسٹر! مجھے آپ میں کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ اپنی من گھڑت کہانیاں اپنے پاس رکھیں۔ یہ لوگ جیسے بھی ہیں میں ان کی ساتھی ہوں۔ میں جن لوگوں میں رہتی ہوں وہاں آپ جیسے بہروپیوں سے آئے دن کا واسطہ رہتا ہے۔'' ساشا نے تلخ روئی سے کہا۔

ہارسن کچھ دیر خاموشی سے ساشا کی طرف دیکھتا رہا۔ اس کی آنکھوں میں جذبات کا ساگر موجزن تھا۔ اس کا ساشا سے کیا رشتہ تھا کہ وہ محسوسات کی زنجیروں میں جکڑا جا رہا تھا۔ اس کے چہرے کے تاثرات اس کا ساتھ نہیں دے رہے تھے۔ وہ بے ڈر و خوف ساشا کی طرف بڑھا اور اس کے سامنے بیٹھ گیا۔ ہارسن کی نگاہوں میں ایک عجیب سا اپنا پن آ گیا۔ اس کے لہجے سے مروت کی باس آنے لگی۔ الفاظ بے لگام اس کی زبان سے کھسکنے لگے۔

''حالات اور واقعات نے تمہارے مزاج میں کڑواہٹ بھر دی ہے ورنہ اپنے کسی بھٹکے ہوئے ساتھی کی کہیں آواز سننے پر انسان اس آواز کے پیچھے بھٹکتا ہوا اپنے ساتھی تک پہنچ جاتا ہے لیکن تم نے تو میری طرف ایک قدم بھی نہ بڑھایا۔''

ساشا جہاں کھڑی تھی وہیں ساکت ہو کے رہ گئی۔ اس کی پتھرائی ہوئی نگاہیں ہارسن کے چہرے پے جم گئیں۔ ہارسن کی بات سن کے وہ محفل سے کٹ کے رہ گئی اور اس کی ساری توجہ ہارسن کی طرف مرکوز ہو گئی۔

ہارسن کا چہرہ تو اس کی بھیگی ہوئی نگاہوں میں دھندلا سا ہو گیا۔ اسے یہی محسوس ہو رہا تھا کہ اس سے عصام بات کر رہا ہے۔

ساشا نے اکھڑے اکھڑے لہجے میں کہا۔ ''تم کون ہو۔''

''م.....م.....میں.....'' ہارسن کے لبوں پہ ہلکی سی جنبش ہوئی کہ شہباز ساشا کی طرف بڑھا۔ شہباز کو دیکھتے ہی ہارسن وہاں سے غائب ہو گیا۔

شہباز ساشا کے قریب آیا۔

''ساشا تم ایسا کرو.....'' ابھی شہباز نے اپنا جملہ مکمل نہیں تھا کہ ساشا بوکھلاتے ہوئے ادھر ادھر دیکھنے لگی۔

''سر! اس وقت میں آپ کی کوئی بات نہیں سن سکتی۔ میری انتہائی قیمتی رنگ کہیں گر گئی ہے۔ میں وہ ڈھونڈ لوں۔'' یہ کہہ کر ساشا وہاں سے رفو چکر ہو گئی اور اپنی رنگ کے بہانے وہ ادھر ادھر نظر دوڑاتے ہوئے پوری پارٹی میں ہارسن کو ڈھونڈنے لگی۔ اس کے دل کو نہ جانے کیا ہوا کہ وہ پاگلوں کی طرح ہارسن کو ڈھونڈتی رہی۔ مگر ہارسن تو کب کا وہاں سے نکل گیا۔

ساشا نے کچھ دیر کچھ سوچا پھر وہ تیز تیز قدم بڑھاتے ہوئے کوٹھی سے باہر جانے لگی۔ جونہی وہ گیٹ سے باہر نکلی ہارسن اپنی گاڑی ہوا میں اڑتا ہوا وہاں سے نکل گیا۔

ساشا نے اپنے ہینڈ بیگ سے گاڑی کی چابی نکالی اور برقی سرعت سے اپنی گاڑی کی طرف بڑھی۔ اس نے گاڑی سٹارٹ کی اور ہارسن کی گاڑی کے پیچھے لگا دی۔ ہارسن نے بیک مرر میں ساشا کی گاڑی دیکھی تو اس نے اپنی گاڑی کی سپیڈ بڑھا دی اور سیدھے راستے میں جانے کی بجائے مختلف گلیوں سے گزرنے لگا۔ ساشا اپنی گاڑی ان گلیوں سے گزارتی ہوئی اس کا تعاقب مسلسل کرتی رہی۔ تقریباً آدھے گھنٹے کے بعد دونوں گاڑیاں مین روڈ پہ دوڑنے لگیں۔ ایک لمحے کے لئے تو ساشا کی گاڑی ہارسن کی گاڑی کی سائیڈ پہ جا لگی۔ اس نے ہارسن کو ہاتھ سے رکنے کا اشارہ کیا لیکن ہارسن نے جان بوجھ کے اپنی نظر سامنے کی طرف ہی رکھی اور ساشا کی گاڑی کو کراس کرتے ہوئے آگے نکل گیا۔ لیکن ساشا اپنے دل کے کہنے پہ چل رہی تھی۔ وہ ہارسن کا مسلسل تعاقب کرتی رہی۔

دونوں گاڑیاں ایک دوسرے سے کافی فاصلے پے دوڑ رہی تھی کہ آئل ٹینکر دونوں گاڑیوں کے بیچ آ گیا۔ ٹینکر کی سلوموونگ کی وجہ سے ساشا کو بھی اپنی گاڑی کی رفتار انتہائی کم کرنی پڑی۔

''اوشٹ۔'' اس نے سٹیرنگ پر اپنا سر پٹخ دیا۔

بہت دیر کے بعد جب وہ ٹینکر ساشا کی گاڑی کے آگے سے ہٹا تو دور دور تک ہارسن کی گاڑی کا نام ونشان تک نہ تھا۔ ساشا نے ایک لمبا سانس کھینچا اور اپنے ہاتھ کو بھینچتے ہوئے سٹیرنگ پر ضرب ماری۔ ساشا کے پاس کوئی ٹھوس وجہ نہیں تھی کہ وہ ہارسن کا تعاقب کیوں کر رہی ہے۔ بس اس کے لاشعور سے کوئی آواز ابھری کہ جیسے ہارسن کے پیچھے چلتی ہوئی وہ عصام تک پہنچ جائے گی۔ ساشا عصام کے بغیر بکھر کے رہ گئی تھی۔ وہ جس زمین پے کھڑی تھی اس کے قدم بھی وہاں مضبوط نہیں تھے۔ اسے کس راستے پہ چلنا تھا اس کی کون سی منزل تھی اور وہ کتنی دور تھی اسے کچھ پتہ نہ تھا۔

☆.....☆.....☆

ہارسن نے پاشا کی نظر میں خود کو ایک بااعتماد دلیر اور چست باڈی گارڈ ثابت کر دیا تھا۔ پاشا نے ہارسن کو اپنے کمرے میں بلایا۔ ہارسن کمرے میں داخل ہوا تو پاشا ہاتھ میں کارڈ لئے ہارسن کی طرف بڑھا۔

''ہارسن! تمہیں میرا ایک کام کرنا ہے۔''

''آپ حکم کریں سر۔'' ہارسن نے کہا۔

''یہ کارڈ لو یہ آدمیوں کے ایڈریس ہیں۔ میرے کچھ روپے رہتے ہیں ان کی طرف تم نے وہ وصول کرنے ہیں۔''

شرافت سے وصول کرنے ہیں یا.....'' ہارسن نے کلاشنکوف پے ہاتھ رکھا۔

''نہیں ایسی بات نہیں، ان سے عزت سے بات کرنی ہے، وہ ہمارے جاننے والوں میں سے ہیں۔ تم کل صبح ہی فیصل آباد روانہ ہو جاؤ۔''

ہارسن ہر وقت اس موقع کی تلاش میں رہتا تھا کہ وہ خیر دین بابا سے کچھ پوچھ سکے لیکن ہر مرتبہ موقع اس کے ہاتھ سے نکل جاتا تھا۔ اس روز ہارسن نے طے کر لیا تھا کہ آج رات وہ خیر دین بابا سے اصل حقائق معلوم کر کے رہے گا۔ لیکن اس رات ماہ لقاء انعم کو لے کر ڈاکٹر کے پاس چلی گئی۔ خیر دین بابا بھی ان کے ساتھ تھے۔ رات

گئے تک ہارن ان کا انتظار کرتا رہا۔ انہیں آنے میں کافی وقت لگ گیا۔ وہ جب واپس آئے تو پاشا نے ہارن کو اپنے ساتھ کہیں جانے کے لئے کہا۔ پھر ہارن نے سوچا کہ وہ فیصل آباد سے آتے ہی خیر دین بابا سے حقائق معلوم کرے گا۔

صبح صبح وہ فیصل آباد کے لئے روانہ ہوگیا۔ فیصلہ آباد پہنچ کر اس نے ان اشخاص کے گھر تلاش کئے، جن کے ایڈریس پاشا نے اسے دیئے تھے۔ ان دونوں اشخاص میں سے ایک سے اسے رقم وصول ہوئی، دوسرے نے رقم کی ادائیگی کے لئے مہلت طلب کی۔

ہارن نے اپنا وقت ضائع نہیں کیا۔ اس نے جلد از جلد اپنے کام نبٹائے اور واپسی کے لئے چل پڑا۔ رات کے گیارہ بجے وہ پاشا کے گھر پہنچا تو پاشا کی کوٹھی کے باہر لاتعداد گاڑیاں کھڑی دیکھ کر پریشان ہوگیا۔ اس نے اپنی گاڑی ایک طرف کھڑی کی۔ جونہی کوٹھی میں داخل ہوا اس کا دل دہل کے رہ گیا۔ کوٹھی کے اندر دریاں بچھی ہوئی تھیں اور ان دریوں پے لوگ بیٹھے افسوس کر رہے تھے۔ ہارن کا حلق خشک ہونے لگا۔

اس میں اتنی ہمت نہیں ہو پا رہی تھی کہ وہ کسی سے پوچھے کہ کون مر گیا ہے۔ اس ڈر نے اس کی قوت گویائی سلب کر دی تھی کہ کہیں اسے کوئی ایسا نام سننے کو نہ مل جائے کہ جسے وہ برداشت نہ کر سکے۔ وہ اکھڑے اکھڑے قدموں سے لوگوں کے ہجوم میں سے گزر رہا تھا۔ وہ کسی سے کچھ نہیں پوچھ رہا تھا۔ وہ اندر کمروں کی طرف بڑھا تو وہاں خواتین دانے پڑھ رہی تھیں۔ وہ تھوڑا اور آگے گیا تو اسے ماہ لقاء کی چیخیں سنائی دیں۔ وہ ماہ لقاء کے کمرے کی طرف دوڑا تو اس کی آنکھوں نے جو منظر دیکھا اس کے جسم سے جیسے اس کی جان نکل گئی۔ بہت سی عورتوں نے ماہ لقاء کو پکڑا ہوا تھا اور وہ دیوار سے اپنی چوڑیاں توڑے بین ڈال رہی تھیں۔ زاہد کی لاش اس کے سامنے پڑی تھی۔ انعم ایک کونے میں بیٹھی سسکیاں لے رہی تھی۔ ماہ لقاء کو انعم کا کچھ ہوش نہیں تھا۔ وہ کسی کے قابو نہیں آ رہی تھی۔ وہ اپنے آپ میں نہیں تھی وہ اس طرح رو رہی تھی کہ جیسے اس کا سب کچھ لٹ گیا ہے۔ یوں لگ رہا تھا کہ جیسے ماہ لقاء سے اس کا بہت قریبی تعلق ہے۔ وہ اپنی بھیگی ہوئی آنکھوں سے ماہ لقاء کی طرف مسلسل دیکھ رہا تھا لیکن اسے ڈھارس دینے کے لئے اس کے پاس الفاظ نہیں تھے۔ اس نے انعم کی طرف دیکھا وہ سہمی سہمی ایک کونے میں لگی رو رہی تھی۔

ہارسن اس کی طرف بڑھا اور اسے گود میں اٹھا کے پیار کرنے لگا۔ انعم، ہارسن سے لپٹ گئی۔

''انکل ابو کو کیا ہو گیا ہے۔''

ہارسن اس معصوم کو اس کے سوال کا کیا جواب دیتا وہ اسے اپنے سینے سے لگائے کمرے سے باہر آ گیا۔

''آپ نے کچھ کھایا ہے؟'' ہارسن نے انعم سے پوچھا۔

''نہیں۔'' انعم اپنی آنکھیں مٹھیوں سے مسلنے لگی۔

ہارسن انعم کو لے کر کچن میں چلا گیا اور اسے کھانا کھلانے لگا۔

ہارسن نے آہ بھرتے ہوئے اوپر کی طرف دیکھا.....

''میرے خدایا! میں اس بچی کو اس کے سوال کا کیا جواب دوں۔''

انعم کھانا کھاتے ہی ہارسن کی گود میں سو گئی۔ نہ جانے وہ کتنی دیر سے پریشان بھٹک رہی تھی۔ یہ افسوسناک منظر دیکھ کے ہارسن کی آنکھیں بھیگ گئیں۔ وہ آہستہ آہستہ چلتا ہوا کمرے میں داخل ہوا اور زاہد کی لاش کے پاس بیٹھ کے اس کا آخری دیدار کرنے لگا۔ ماہ لقاء کی نظر ہارسن پے پڑی تو وہ اشتعال میں آ گئی۔

''اب آ گئے ہو تم جب ہمارا سب کچھ لٹ گیا ہے۔ تم تو میری رکھوالی کے لئے آئے تھے نا، یہ دیکھو! یہ کی ہے تم نے ہماری رکھوالی۔'' ماہ لقاء رو رو کے زاہد کی لاش کی طرف اشارہ کرنے لگی۔

''حوصلہ کرو بیٹی! یہ تو خدا کی مرضی ہے۔ اس میں کسی انسان کا کیا قصور ہے۔'' ایک بوڑھی عورت ماہ لقاء کو سمجھانے لگی لیکن ماہ لقاء کے یہ الفاظ ہارسن کے دل پے جا کے لگے۔ ماہ لقاء کا رونا ایک پل کے لئے بھی بند نہیں ہو رہا تھا۔

''کوئی نہیں ہے میرا اور میری بیٹی کا جو اپنا تھا وہ اس دنیا سے چلا گیا۔ مجھے اور میری بیٹی کو بے سایہ کر گیا ہے۔ ان درندوں کے پاس اکیلا چھوڑ گیا ہے۔''

ماہ لقاء کے آنسو ہارسن کے دل پے نشتر کی طرح لگ رہے تھے۔ ماہ لقاء کو سسکتا دیکھ کے وہ دل ہی دل میں بلک رہا تھا۔

زاہد کا جنازہ اٹھ جانے کے بعد لوگ بھی آہستہ آہستہ اپنے گھروں کو لوٹنے لگے۔ لوگوں کے آنے جانے کا

یہ سلسلہ رات گئے تک چلتا رہا۔ جب سب لوگ اپنے اپنے گھروں کو لوٹ گئے تو پوری کوٹھی میں ایک خوفناک خاموشی چھا گئی۔

ماہ لقاء انعم کو لے کر اپنے کمرے میں بند ہو گئی۔ پاشا انتہائی بے فکری سے اپنے کمرے میں بیٹھا سگار پی رہا تھا۔ خیر دین اپنے گھٹنوں پر سر رکھے ماہ لقاء کے ساتھ والے کمرے میں بیٹھے ہوئے تھے۔

ہارن کی طبیعت میں ایک عجیب سی بے چینی تھی۔ وہ کوارٹر میں مسلسل چکر کاٹ رہا تھا۔ بالآخر وہ کوارٹر سے باہر آ گیا۔ وہ لان کے گھپ اندھیروں سے گزرتا ہوا کمروں کی طرف بڑھا۔ پوری کوٹھی میں ہیبت ناک سناٹا چھایا ہوا تھا۔ یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے اس کوٹھی میں کوئی بھی نہیں رہتا۔ اسے اپنے ہی قدموں کی گونج سے خوف محسوس ہو رہا تھا۔ یوں لگ رہا تھا جیسے کوئی اس کے آس پاس ہے۔

ہارن کو خود پر حیرت ہو رہی تھی کہ وہ تو بہت بہادر انسان ہے تو پھر یہ خوف کیا ہے۔ اس کی نگاہوں کے سامنے بار بار زاہد کی شکل آ رہی تھی۔

وہ ایک بڑے کمرے میں داخل ہوا جس کے اندر دو کمروں کے دروازے کھلتے تھے۔

وہ اپنے خوف میں لپٹے وجود کے ساتھ دبے دبے قدموں سے چل رہا تھا۔ وہ خیر دین بابا کو ڈھونڈ رہا تھا۔

خوف کا ایک عجیب سا احساس اس کی رگوں میں سرایت کر رہا تھا کہ جیسے اس گھر سے زاہد کا صرف جسم رخصت ہوا ہے، اس کی روح تو یہیں کہیں بھٹک رہی ہے۔ اس احساس میں سہما ہوا وہ اردگرد دیکھ رہا تھا کہ چٹاک سے سامنے والے کمرے کا دروازہ کھلا جبکہ اس کمرے میں گھپ اندھیرا تھا۔ وہاں کوئی نہیں تھا۔

ہارن سرتاپا کانپ کے رہ گیا۔ شدید سردی میں بھی اس کا چہرہ پسینے سے شرابور ہو گیا۔

''یہ..... کون ہے؟'' اس کی آواز پر ''میاں'' کی آواز آئی۔

ہارن نے ایک لمبا سانس کھینچا کہ یکلخت کسی نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھا۔

ہارن نے چونکتے ہوئے پیچھے دیکھا تو خیر دین بابا اس کے سامنے کھڑے تھے۔

خیر دین بابا کو دیکھ کر ہارن کے دل کو حوصلہ ہوا۔ وہ اپنے حلق کو تر کرتے ہوئے بولا۔

''بابا! یہ خوف کیسا ہے؟''

ہارسن کے اس سوال پر خیر دین بابا سر جھکائے کچھ سوچنے لگے اور پھر انہوں نے اپنی بزرگانہ نگاہ ہارسن کے چہرے پر ڈالی۔

''میرے ساتھ میرے کوارٹر میں آؤ۔''

ہارسن خیر دین بابا کے پیچھے پیچھے ان کے کوارٹر تک چلا گیا۔

خیر دین بابا اپنے کمرے میں بچھی چٹائی پر آلتی پالتی مار کے بیٹھ گئے۔ ہارسن بھی ان کے قریب بیٹھ گیا۔ خیر دین بابا تسبیح مسلسل پڑھ رہے تھے۔ ان کی انگلیوں کی جنبش ایک پل کے لئے بھی رکی نہیں۔

ہارسن نے ان کی تسبیح کی طرف دیکھا تو تسبیح پوری ہونے میں چند دانے باقی تھے۔ ہارسن انتظار کرنے لگا۔ خیر دین بابا کی تسبیح پوری ہوئی تو انہوں نے بات شروع کی۔

''بیٹا! کوٹھی کی فضا میں خوف ہے لیکن اس خوف کو صرف وہی محسوس کر سکتا ہے جس کے من میں سچائی ہو۔ یہ روح کا روح سے رابطہ ہے۔ دنیا کی رونقوں میں گم ہو جانے والا انسان اس آواز کو نہیں سن سکتا۔ مرنے والے کی روح اپنے گھر میں بھٹکتی ہے اور جو انسان بے موت مر جائے اس کی روح کو تو چین ہی نہیں آتا۔ اس گھر میں خوف اور آہوں کا بسیرا ہے۔ یہاں بھی کئی روح بھٹک رہی ہیں۔'' یہ کہہ کر خیر دین بابا نے اپنے ہاتھوں سے اپنا چہرہ ڈھانپ لیا اور رونے لگے۔

خیر دین بابا کی یہ بات سن کر ہارسن کا ماتھا ٹھنکا۔

''زاہد کو کیا ہوا تھا؟'' ہارسن نے خیر دین بابا کے شانے پر ہاتھ رکھا۔

''آج میں تم سے کچھ نہیں چھپاؤں گا۔ لیکن اس سے پہلے تم مجھ سے وعدہ کرو کہ تم ماہ لقاء اور انعم کے محافظ بنو گے۔'' خیر دین بابا نے اپنی بھیگی ہوئی نگاہوں سے ہارسن کی طرف دیکھا۔

''بابا جی! میں تو کافی دنوں سے آپ سے پوچھنا چاہ رہا تھا۔ گھر کا ماحول دیکھ کر مجھے شک ہو رہا تھا کہ میڈم ماہ لقاء کسی گہری سازش کا شکار ہے۔ سازش کے جال میں پھنسے ہوئے پرندے کی تڑپن کو محسوس کر سکتا ہوں۔''

خیر دین بابا نے اپنے ہاتھ اپنی آنکھوں پر رکھتے ہوئے آنکھیں بند کر لیں۔

''پاشا سب لوگوں سے کہہ رہا تھا زاہد کی موت Madeness کے دورے کے دوران ہوئی ہے جو دورہ

اسے اکثر پڑتا تھا جبکہ ایسا نہیں ہے اس معذور کو تو قتل کر دیا گیا ہے۔ پاشا ایک درندہ صفت انسان ہے۔ اس نے ماہ لقاء کی آنکھوں کے سامنے زاہد کے منہ پر تکیہ رکھ کر اسے موت کی نیند سلا دیا۔ ماہ لقاء بے بس چیختی ہوئی پاشا کے مضبوط ہاتھوں کو زاہد کے چہرے سے ہٹانے کی کوشش کرتی رہی لیکن وہ زاہد کو بچا نہیں سکی۔ اس معذور نے ماہ لقاء کے سامنے تڑپ تڑپ کر اپنی جان دے دی۔"

"اوہ! مائی گاڈ۔" ہارن نے افسوس ناک انداز میں اپنی آنکھیں بند کر لیں اور پھر اس نے خیر دین بابا کی طرف دیکھا۔

"پاشا نے یہ سب کیوں کیا، کیا وہ زاہد کا باپ نہیں تھا۔ آپ مجھے پوری بات بتائیں۔ میں ساری حقیقت جاننا چاہتا ہوں۔"

خیر دین بابا نے اپنا سر جھکا لیا اور دھیرے دھیرے بولے۔

"ماہ لقاء کی زندگی کے رستے کے دونوں اطراف پر راہزن کھڑے ہیں اور جس منزل پر یہ رستہ ختم ہوتا ہے وہاں بھی موت کا راج ہے۔ ماہ لقاء کو موت کے اس شکنجے سے صرف اسی طرح بچایا جا سکتا ہے کہ کوئی مسیحا بن کے اس کی زندگی کے رستے میں آئے اور ان راہزنوں کا خاتمہ کر دے تا کہ ماہ لقاء اس رستے سے فرار ہو سکے۔ زاہد پاشا کا بیٹا نہیں تھا۔ وہ اس کا بھتیجا تھا۔ زاہد کا باپ زاہد کے نام کروڑوں کی جائیداد کر کے اس دنیا سے رخصت ہو گیا۔ یہ مکان یہ سب کچھ زاہد کا ہے۔ زاہد کے باپ کی وصیت کے مطابق زاہد کے بیمار ہونے کی وجہ سے شادی کے فوراً بعد ساری جائیداد اس کی بیوی کے نام منتقل ہونی تھی۔ وصیت کے مطابق باپ کی وفات کے فوراً بعد ہی اس کی شادی کر دی گئی۔ جائیداد ماہ لقاء کے نام منتقل ہو گئی لیکن پیسہ زاہد کے اکاؤنٹ میں ہی تھا۔ پاشا زاہد کے انگوٹھے کے نشان پر لاکھوں روپے بینک سے نکلواتا رہا اور اب شاید اس کا مقصد پورا ہو گیا تھا۔ ہمیں دولت جانے کا افسوس نہیں ہے لیکن کاش ہمیں پاشا کے ناپاک ارادے کی خبر ہو جاتی تو ہم تمہیں فیصل آباد جانے نہ دیتے۔" یہ کہہ کر خیر دین بابا پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے۔

خیر دین بابا کی بات سن کر ہارن ساکت ہو کے رہ گیا۔ اس کی نگاہیں جہاں تھیں وہیں ٹھہر گئیں۔

"انسانیت کے سوداگروں کے رحم و کرم پہ یہ لوگ کب تک ان کے ہاتھوں کی کٹھ پتلیاں بنے رہیں گے۔ ماہ

لقاء درد وغم کے اس سمندر میں ڈوبتی رہی اور مجھے علم ہی نہ ہوا۔ کیسی ہے میری محبت جو ماہ لقاء کا چہرہ نہ پڑھ سکی۔ پاشا تجھے میری دستبرد سے کوئی نہیں بچا سکتا۔'' وہ منہ ہی منہ میں بڑبڑایا۔

اس کے اندر ایک الاؤ سلگ رہا تھا اس نے اپنی دہکتی ہوئی آنکھوں سے خیر دین بابا کی طرف دیکھا۔

''بابا! آپ کی ان باتوں سے مجھے وہ سب کچھ دکھائی دے رہا ہے جو پاشا آئندہ کرنے والا ہے۔ بس اب آپ سب کچھ مجھ پر چھوڑ دیں۔ میرے ہوتے ہوئے ماہ لقاء اور انعم کا کوئی کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ آپ مطمئن ہو کے سو جائیں۔''

''خدا تمہاری عمر لمبی کرے بیٹا۔ تمہاری باتوں سے مجھے ڈھارس ملی ہے۔ دل کو ایک اطمینان سا ہو گیا ہے لیکن بیٹا، جو بھی کرنا اس میں اپنا دھیان کرنا۔ پاشا بہت خطرناک آدمی ہے۔'' خیر دین بابا نے انتہائی شفقت سے ہارن کے سر پر ہاتھ پھیرا۔

ہارن نے پھیکی مسکراہٹ کے ساتھ اوپر کی طرف دیکھا۔ ''یہ زندگی تو اس کی امانت ہے۔ وہ آج لے لے یا کل۔ بس یہ دعا ہے کہ مرتے مرتے کوئی اچھا کام کر لیں۔''

''خدا تمہیں تمہارے مقصد میں کامیابی دے۔'' یہ کہہ کر خیر دین بابا اپنی جگہ سے اٹھ کر باورچی خانے کی طرف بڑھے۔ ''میں تمہارے لئے کچھ کھانے کے لئے لے آؤں تم نے تو کچھ بھی نہیں کھایا ہوگا۔''

''نہیں بابا! آپ یہ تکلیف نہ کریں۔ مجھے بھوک نہیں ہے۔ آپ جو بھی لائیں گے وہ ایسے ہی پڑا رہے گا۔'' ہارن کی بات سن کر خیر دین بابا رک گئے۔

''میں اپنے کوارٹر میں جاتا ہوں۔'' یہ کہہ کر ہارن وہاں سے چلا گیا۔

خیر دین بابا کی باتوں نے ہارن کے دماغ پر بہت گہرا اثر ڈالا۔ وہ رات بھر سوچتا رہا۔ اس کی پوری رات انتہائی بے چینی میں گزری۔

صبح ہوئی تو ہارن اپنے کوارٹر سے نکلا۔

وہ دبے پاؤں چلتا پاشا کے کمرے کی طرف بڑھا۔ پاشا سو رہا تھا۔

اسے سوتا دیکھ کر ہارن آہستہ آہستہ چلتا ہوا ماہ لقاء کے کمرے کی طرف بڑھا۔ ماہ لقاء کے کمرے کا دروازہ

کھلا ہوا تھا۔ کچن سے برتنوں کی کھنک کی آواز آ رہی تھی۔ غالباً ماہ لقاء انعم کے لئے ناشتا تیار کر رہی تھی۔ ہارن کچن میں داخل ہو گیا۔ ماہ لقاء انعم کے لئے سلائس گرم کر رہی تھی۔ ماہ لقاء اپنے کام میں مصروف تھی۔ اسے ہارن کے آنے کی خبر تک نہ ہوئی۔

ہارن چپ چاپ کھڑا ماہ لقاء کا چہرہ دیکھتا رہا۔ ماہ لقاء کے بال بکھرے ہوئے تھے، آنکھیں سوجی ہوئی تھیں جیسے رات بھر روتی رہی ہو۔ اس کا چہرہ اس کے غم کی داستان سنا رہا تھا۔

ماہ لقاء کو اس حال میں دیکھ کر ہارن کا دل غم سے لبریز تھا۔ اس کی نظریں ماہ لقاء کے چہرے پر اس طرح ٹھہر جاتیں جیسے وہ اس کا کوئی اپنا ہو۔ وہ اس احساس سے غافل ہو جاتا کہ وہ غیر ہے۔ ماہ لقاء نے نظر اوپر اٹھائی تو اس نے حیرت سے ہارن کی طرف دیکھا۔

''تم کب آئے، مجھے تو علم ہی نہ ہوا۔''

''آپ کو اپنی خبر نہیں تو کسی دوسرے کی کیا خبر ہو گی۔ خود کو غور سے دیکھا ہے کہ آپ نے اپنا کیا حال بنا رکھا ہے۔'' ہارن نے ماہ لقاء کو سرتاپا دیکھا۔

''جو حالات میرے ساتھ پیش آئے ہیں، اس کے بعد میں نے خود کو بہت سنبھالا ہے۔ میری جگہ کوئی اور ہوتی تو کب سے ٹوٹ چکی ہوتی۔ یہ محبتیں بہت عجیب ہوتی ہیں۔ ایک طرف تو یہ انسان کو کمزور بنا دیتی ہیں اور دوسری طرف اس کے اندر بڑی سے بڑی مصیبت برداشت کرنے کا حوصلہ پیدا کر دیتی ہیں۔ انعم ہی ہے جس کی وجہ سے خود کو مضبوط بنانے کی کوشش کرتی ہوں۔

زاہد کی موجودگی میں خود کو تنہا محسوس نہیں کرتی تھی۔ شادی کے بعد کچھ ماہ تک زاہد کو صرف دورے پڑتے تھے، وہ اس طرح معذور نہیں تھا۔ ان دنوں اس کے ساتھ گزرا ہوا وقت میری زندگی کا خوبصورت اثاثہ ہے۔ آہستہ آہستہ ان دوروں کی شدت بڑھنے لگی اور ایک روز زاہد کو شدید اٹیک آیا جس میں اس کی Brain nerve پھٹ کر کلوز ہو گئی۔ جس میں زاہد کے جسم کا دایاں حصہ معذور ہو گیا۔ اس کی قوتِ گویائی بھی ختم ہو گئی۔

میں اس معجزے کا انتظار کرتی رہی کہ شاید زاہد ٹھیک ہو جائے۔ لیکن خدا نے تو اس اپنے پاس ہی بلا لیا۔'' ماہ لقاء کی آنکھیں ایک بار پھر بھیگ گئیں۔

''جس نے ہمیں زندگیاں بخشی ہیں، ان زندگیوں پر اسی کا اختیار ہے۔ وہ جب چاہے ہمارے جسم سے روح کو کھینچ لے۔ ہم سوائے صبر کے کچھ نہیں کر سکتے۔ آپ اپنی بیٹی کے لئے خود کو سنبھالیں۔ مجھے خیر دین بابا نے سب کچھ بتا دیا ہے۔'' یہ کہہ کر ہارن نے گہری نظر سے ماہ لقاء کی طرف دیکھا۔ ''میں نے پاشا کی نوکری ضرور کی ہے مگر میرا مقصد آپ کو اور انعم کو تحفظ فراہم کرنا تھا۔ آپ مجھے نہیں جانتیں، بس آپ اتنا اپنے ذہن میں رکھیں کہ میں انعم سے بہت پیار کرتا ہوں۔ اس لئے آپ کی اور انعم کی حفاظت کرنا چاہتا ہوں۔

گزشتہ تین ماہ سے میں حقائق معلوم کرنے کی کوشش کر رہا ہوں لیکن ان حقائق تک پہنچنے میں مجھ سے بہت دیر ہو گئی۔ میں نہیں جانتا تھا کہ پاشا اتنی جلدی اپنی شیطانیت پر اتر آئے گا۔ میں پہلے پاشا کی نظر میں اپنا اعتماد قائم کرنا چاہتا تھا تاکہ میں آپ لوگوں کے لئے کچھ کر سکوں لیکن اس درندہ صفت آدمی کا ذہن کیا پلان کر رہا ہے۔ کاش میں اس کے ارادوں کو بھانپ سکتا۔ لیکن اب میں آپ سے وعدہ کرتا ہوں کہ میرے جیتے جی پاشا آپ کا اور انعم کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔''

ماہ لقاء نے اپنا آنسوؤں سے بھرا چہرہ پونچھتے ہوئے کہا۔

''آپ ہمارے لئے اپنی زندگی خطرے میں کیوں ڈالیں۔''

''آپ مجھ سے یہ بات پہلے بھی کہہ چکی ہیں اور میں آپ کو اس کا جواب دے چکا ہوں۔''

''میں جانتی ہوں لیکن یہ سب آپ سے اس لئے کہہ رہی ہوں کہ پاشا سے ٹکر لینے کا مطلب آپ کے لئے خودکشی کے مترادف ہوگا۔''

''آپ یوں سمجھ لیں کہ میرے اندر ایک ناسور ہے جو مجھے لمحہ بہ لمحہ ختم کر رہا ہے۔ اس ناسور کے ہاتھوں میں نے مرنا ہی ہے تو کیوں نہ کوئی اچھا کام کر کے مر جائیں۔''

''ہارن! مجھے تو غموں نے برباد کیا ہی ہے لیکن اندر سے توڑ دینے والے کسی ایسے ہی غم کی جھلک میں آپ کی آنکھوں میں بھی دیکھ رہی ہوں۔''

ماہ لقاء کی اس بات پر ہارن کسی گہری سوچ میں ڈوب گیا اور پھر اس نے بات کا رخ بدل دیا۔

''انعم جاگ رہی ہے، میں ذرا اس کو دیکھ لوں؟''

''ہاں وہ جاگ رہی ہے۔آپ اس سے مل لیں۔وہ بہت سہمی ہوئی ہے۔آپ سے خاصی مانوس ہے۔کچھ بہل جائے گی۔'' ماہ لقاء نے کہا۔

ہارن کچن سے نکل کر ماہ لقاء کے کمرے میں داخل ہوا جہاں انعم بیڈ کے ایک کونے میں کمبل اوڑھے بیٹھی تھی۔اس کے چہرے کا رنگ زرد پڑ گیا تھا۔

''انعم بیٹی میرے پاس آؤ۔'' ہارن نے انعم کے قریب بیٹھتے ہوئے کہا۔

انعم پتھرائی ہوئی آنکھوں سے ہارن کی طرف دیکھ رہی تھی۔

اس کے چہرے کے تاثرات اور بیٹھنے کے طریقہ کار سے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ کمرے میں نہیں کسی اجاڑ جنگل میں بیٹھی ہے۔حالات کی ستم ظریفی نے اس کے چہرے سے مسکراہٹ چھین لی تھی۔

اس کو اس طرح دیکھ کر ہارن کا دل اکٹھا سا ہو گیا۔اس نے لپک کر انعم کو اپنے سینے سے لگا لیا۔

''بیٹی آپ اس طرح خاموش کیوں بیٹھی ہو۔بابا کو ہم نے علاج کے لئے بڑے ہسپتال بھیج دیا ہے۔وہ جلدی واپس آ جائیں گے۔''

انعم نے ہارن کے شانے سے ہٹتے ہوئے اس کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

''انکل تو پھر فوت ہونے کا مطلب کیا ہوتا ہے۔''

انعم کے اس سوال نے ہارن کو پریشان کر دیا۔اس نے انعم کے بالوں کو سہلایا۔

''فوت ہونے کا مطلب تو مجھے نہیں پتا البتہ میں تو اتنا جانتا ہوں کہ تمہارے ابو کو ڈاکٹر علاج کے لئے بڑے ہسپتال لے گئے ہیں۔وہ ٹھیک ہو کے واپس آ جائیں گے۔''

ہارن کی بات سن کر انعم کے لبوں پر مسکراہٹ بکھر گئی۔

''سچ انکل! پھر وہ مجھ سے کھیلا کریں گے۔''

''ہاں بھئی۔وہ تو بعد میں کھیلا کریں گے ابھی تو میں ہوں نا آپ کے ساتھ کھیلنے کے لئے۔''

ہارن کی اس بات پر انعم نے مسکراتے ہوئے ہارن کو اپنی بانہوں کے ہالے میں لے لیا۔

☆.....☆.....☆

ساشا تیز تیز قدم اٹھاتی ہوئی گیراج کی طرف بڑھ رہی تھی۔ کینفر بھی اس کے ساتھ تھا۔ ساشا نے اپنے قدم روکے بغیر چلتے چلتے موبائل اٹنڈ کیا۔ موبائل پر کسی کی آواز سن کے اس کے قدم یکلخت رک گئے۔ وہ بوکھلا سی گئی۔ اس کی زبان میں جیسے بل آ گیا۔

''ک۔ک۔ کون شہلا۔ اس وقت تو میں مصروف ہوں تم ایسا کرو، ٹھیک پندرہ منٹ بعد مجھے فون کرنا۔ میں تمہارے فون کا انتظار کروں گی۔'' ساشا نے یہ کہہ کر موبائل بند کر دیا۔

کینفر ساشا سے تھوڑے فاصلے پر ہی تھا۔ اپنے قدموں کی رفتار سست کرنے کے باعث اس نے ساشا کی ساری گفتگو سن لی۔

ساشا ایک بار پھر اس کے ہمراہ چلنے لگی۔ کینفر نے شک بھری نگاہ سے ساشا کی طرف دیکھا۔

''یہ تم نے باہر کے لوگوں سے دوستانہ کب سے شروع کر دیا۔''

''مائینڈ یور بزنس مسٹر۔ تمہیں میرے معاملات میں دخل اندازی کرنے کا حق نہیں ہے۔'' ساشا ڈھیلے لہجے میں بولی۔

''تم شاید یہ بھول رہی ہو کہ ہمارے اس بزنس میں اپنا معاملہ نہیں ہوتا۔''

کینفر کے اس فقرے سے ساشا جل بھن کے رہ گئی۔ اس نے تضحیک آمیز مسکراہٹ کے ساتھ کینفر کی طرف دیکھا۔ ''مائی فٹ۔'' ساشا اس کے منہ پر جیسے پتھر مار گئی۔ ٹھیک پندرہ منٹ کے بعد ساشا اپنے کمرے میں موجود تھی۔ اسے کسی کال کا بے چینی سے انتظار تھا۔

ساشا نے کمرے سے باہر نکل کے دور دور تک نظر دوڑائی۔ دور دور تک کوئی نہیں تھا۔ وہ مطمئن ہو کے کمرے میں داخل ہوئی اور صوفے پر براجمان ہو گئی۔ وہ ابھی صوفے پر بیٹھی ہی تھی کہ موبائل کی رنگ ہوئی اس نے جھٹ سے موبائل کان سے لگا لیا۔

موبائل سے عصام کی آواز ابھر رہی تھی۔ جذبات کی شدت سے ساشا کی نگاہیں بھیگ گئیں۔ اس کی زبان گنگ ہو گئی۔ جذبات کے اظہار کے لئے اس کے الفاظ بے معنی ہو گئے۔

''ساشا! کیا بات ہے۔ میں نے تم سے تمہارا حال پوچھا ہے۔ تم بولتی کیوں نہیں۔''

عصام کی بات سن کے بھی ساشا چپ رہی۔

''ساشا! تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے نا۔''

''ہاں۔ زندہ ہوں۔'' ساشا نے مرمری آواز میں کہا۔

''مجھے اپنے بارے میں ٹھیک طرح سے بتاؤ کہ تم کسی مشکل میں تو نہیں ہو۔''

''یہ تم کیسا سوال کر رہے ہو۔ تمہیں معلوم نہیں ہے کہ میں کس قدر مشکل میں ہوں۔''

''وہ تو میں سمجھتا ہوں۔ میں صرف یہ جاننا چاہتا ہوں کہ حالات تمہارے قابو میں ہیں؟''

''تم میری آواز سن رہے تو سمجھ لو کہ ابھی حالات میرے قابو میں ہیں۔ کسی روز تم مجھے فون کرو گے اور تمہیں ساشا کی آواز سنائی نہیں دے گی۔ شہباز کو مجھ پر شک ہو گیا ہے۔ اس نے کیفر کو سائے کی طرح میرے پیچھے لگا رکھا ہے۔ جس دن اس کا یہ شک یقین میں بدل گیا۔ اس نے مجھے موت کے گھاٹ اتار دینا ہے لیکن میں مروں یا جیوں۔ تمہیں اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔''

''کیسی بات کرتی ہو۔ میرے لئے تمہاری ذات کی کیا اہمیت ہے اس کا تمہیں اندازہ نہیں ہے۔ اگر تمہیں اندازہ ہو تو تم کبھی بھی ایسی بات نہ کہو۔

میں نے تمہیں یہی بتانے کے لئے فون کیا تھا کہ میں عنقریب تمہیں لینے آؤں گا۔ بس ایک ضروری کام ہے جونہی میرا وہ کام ختم ہو گا میں تمہیں رنگ کر دوں گا اور پھر تمہیں گنا ہوں کی اس دنیا سے دور لے جاؤں گا۔''

عصام کی یہ بات سن کے ساشا کے چہرے پر بشاشت دوڑ گئی۔ اس نے بے چینی سے پوچھا۔

''کب تک آؤ گے؟''

''دوست! بس ایک دو ہفتہ میرا مزید انتظار کر لو۔''

''عصام! جب تمہاری آواز سنتی ہوں نا تو اپنے سارے رنج و غم بھول جاتی ہوں۔ دل چاہتا ہے کہ آنکھیں بند کئے، کچھ بولے بغیر مسلسل تمہاری آواز سنتی رہوں۔''

''ٹیپ کروا کے بھیج دیتا ہوں۔'' عصام نے تمسخرانہ انداز میں کہا۔

ساشا اس کی اس بات پر ہنس پڑی۔

''شکر ہے تمہاری ہنسی کی آواز تو سنی۔'' عصام نے کہا۔

''ہم کتنا ہی خوش ہولیں۔ ہمیں اپنی خوشی عارضی اور غم مسلسل نظر آتے ہیں۔ امید کا کوئی بھی دروازہ ایسا نہیں ہے جو خوشیوں کے راستے کھلتا ہو۔ ایسا لگتا ہے کہ اگر کوئی ایسا دروازہ نظر بھی آیا تو وہ ہماری خود فریبی کا کوئی خواب ہوگا جسے کھولنے پر ہم موت کے گہرے کنویں میں گر جائیں گے۔'' بات کرتے کرتے ساشا کا لہجہ گلوگیر ہوگیا۔

''مایوسی کی باتیں مت سوچو۔ انشاء اللہ ہم دونوں ایسا کوئی نہ کوئی رستہ ضرور نکال لیں گے جو ہمیں زندگی کی حقیقی خوشیوں کی طرف لے جائے، بس تم خدا سے دعا کرو کہ میں جلد اپنا کام پورا کرلوں پھر تم سے ملوں گا۔ اس وقت تک اپنا خاص دھیان رکھنا۔ کینفر اور شہباز سے ایسی ڈیلنگ رکھو کہ انہیں تم پر شک نہ ہو۔ ان کا کام پوری دلچسپی اور دھیان سے کرو۔ تمہاری عدم دلچسپی کے باعث وہ تم سے مشکوک ہوجاتے ہیں۔''

''میں کوشش کروں گی مگر تم زیادہ دیر مت لگانا۔'' ساشا نے کہا۔

کچھ دیر اور بات کرنے کے بعد عصام نے فون بند کردیا۔

عصام سے بات کرنے کے بعد ساشا کے دل و دماغ میں اطمینان کی ایک لہر دوڑ گئی۔ کافی دیر تک وہ عصام کے تصور میں من ہی من میں مسکراتی رہی۔ وہ خوشی کے اس احساس میں جھوم رہی تھی کہ عصام نے اس سے ایک یا دو ہفتوں تک ملنے کا وعدہ کیا ہے۔

اس دھیان میں مگن ہونے کی وجہ سے وہ یہ دیکھ نہ سکی کہ جونہی اس کی اور عصام کی بات ختم ہوئی دروازے کے نیچے سے کوئی سایہ تیزی سے گزرا۔ وہ کینفر تھا جو عصام اور ساشا کی ساری گفتگو سن گیا۔

ساشا کو اچانک خیال آیا کہ کسی نے ان کی باتیں سنی تو نہیں۔ وہ صوفے سے اٹھی اور دروازہ کھول کر باہر جھانکنے لگی۔

کینفر پلک جھپکتے ہی کہیں غائب ہوگیا۔ دور دور تک کوئی نہیں تھا۔ ساشا مطمئن ہوکر واپس اپنی جگہ بیٹھ گئی۔ ساشا نے اپنا سر صوفے کی پشت سے لگالیا۔

یہ بات کینفر کے لئے قیامت خیز تھی کہ عصام زندہ ہے اور اپنے کمرے میں ٹہل رہا تھا۔ اس کے ذہن میں ایک بھونچال برپا تھا۔ اس کا ذہن اس حقیقت کی جانکاری کررہا تھا کہ عصام اور ساشا مل کے ان کے گرد جال

بن رہے ہیں۔ وہ اس معمے کو خاموش سازش کے طور پے لے رہا تھا جس میں اس کو اپنی اور اپنے ساتھیوں کی موت صاف دکھائی دے رہی تھی۔

شہباز ان دنوں اڈے پر موجود نہیں تھا وہ اپنی فیملی کے ساتھ کوٹھی میں تھا۔ کنیفر نے شدید بے چینی میں شہباز کا نمبر ڈائل کیا۔ شہباز نے فون رسیو کیا تو کنیفر نے اسے ساری بات بتادی۔

کنیفر کی بات سن کر شہباز بھی غصے میں لال پیلا ہو گیا۔

''یہ سب تم لوگوں کی سستی کا نتیجہ ہے۔ میں نے کہا تھا کہ مجھے ہر حال میں عصام چاہئے۔ زندہ یا مردہ۔ لیکن تم لوگ کس کام کے ہو جو ایک بندے کا پتہ نہیں لگا سکے۔ اب میری بات غور سے سنو۔ ساشا کو بالکل خبر نہ ہو کہ ہم نے اس کی باتیں سن لی ہیں۔ ہمیں اس کے ذریعے عصام تک پہنچنا ہے۔ وہ ہم سے بچ کے کہیں نہیں جا سکتا۔ اب ہر قدم انتہائی ہوشیاری سے اٹھانا ہے۔ عصام اور ساشا کی غداری ہمیں موت کے منہ تک لے جا سکتی ہے۔''

''اور ہمارے پشاور سے لاہور شفٹنگ کا پروگرام اس کے.....''

ابھی الفاظ کنیفر کی زبان سے ادا نہیں ہوئے تھے کہ شہباز گرج کے بولا۔

''ہم لوگ اتنے کمزور نہیں کہ ان دونوں کے ڈر سے اپنا پروگرام ملتوی کر لیں۔ تم ساشا پے نظر رکھو۔ پھر شہباز طنزیہ مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔ عصام کے پاس ہماری کتنی ہی کمزوریاں کیوں نہ ہوں۔ وہ ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتا کیونکہ ہمارے اوپر پھینکے گئے جال کا پہلا شکار عصام خود ہوگا۔''

''یہ تو میں جانتا ہوں کہ آپ پر ہاتھ ڈالنا کوئی آسان کام نہیں۔'' کنیفر نے کہا۔

شہباز نے کنیفر کی بات کاٹتے ہوئے دوبارہ بات شروع کی۔

''میں دو روز تک پہنچ رہا ہوں اس دوران ساشا کہیں نہ جائے۔''

''او کے سر۔'' کنیفر نے وفادار غلام کی طرح سر ہلایا۔ شہباز سے بات کرنے کے بعد کنیفر کو کچھ تسلی ہوئی اور وہ اطمینان سے بیٹھ گیا۔

☆.....☆.....☆

شہباز حویلی پہنچا تو اس نے ساشا کو بہت اچھی طرح ڈیل کیا۔ لیکن اندرون خانہ گروہ کے تمام اراکین کو

آگاہ کر دیا کہ عصام اور ساشا مل کے ان کے خلاف کوئی گہری چال چل رہے ہیں۔ اس لئے گروہ کے ہر ممبر کی نظر ساشا پر مرتکز ہو گئی۔ ساشا اس بات سے لاعلم تھی۔

گروہ کے ان ممبرز میں ساشا کے علاوہ تین لڑکیاں اور بھی شامل تھیں۔ جن میں سے آبیر سے ساشا کی دوستی تھی۔ لیکن یہ دوستی اتنی گہری نہیں تھی کہ ساشا اس نازک موڑ پر اس سے کسی قسم کے تعاون کی امید کرتی۔ لیکن ابیر ساشا کے خلاف اس خوفناک کھیل میں شہباز کا ساتھ نہ دے سکی۔ اس نے موقع پاتے ہی ساشا کو سب کچھ بتا دیا۔ اس وقت ساشا اپنے کمرے میں موجود تھی۔

''مہ، مہ، چلتی ہوں۔ اگر کسی کو شک ہو گیا تو شہباز مجھے جان سے مار دے گا۔'' وہ خوف سے تھر تھر کانپ رہی تھی۔

''تم جاؤ۔'' ساشا نے مہین سی آواز میں کہا۔ جیسے منہ ہی میں بول گئی ہو۔ اس کا ذہن اس کا ساتھ نہیں دے رہا تھا۔ اس خوفناک حقیقت نے اسے سرتاپا سن کر کے رکھ دیا۔ اس کی پھٹی پھٹی بھیگی آنکھیں جہاں تھیں وہیں ٹھہر گئیں۔ اس کی نگاہوں میں خوف و دہشت کا سمندر موجزن تھا۔ وہ اپنے دونوں ہاتھوں کو آپس میں بھینچتے ہوئے گھٹنوں کے بل زمین پر بیٹھ گئی۔ اس کے صبر کے جیسے سارے بند ٹوٹ گئے۔ وہ پھوٹ پھوٹ کے رونے لگی۔

''میں نے تم سے کہا تھا نہ عصام جلدی کرو۔ لیکن تم نے بہت دیر کر دی۔''

وہ امید کے اجالوں سے مایوس کسی تاریکیوں میں کھونے لگی۔ وہ دیوار سے پشت لگائے جبیں پیائی کرنے لگی اور انتہائی تشنگی میں بار بار اپنے سر کو جھٹکتی رہی۔ اسے کچھ سجھائی نہیں دے رہا تھا۔ لیکن سوچ کا ہر رستہ موت کے دروازے پے جا کھلتا۔

ساشا نے اپنے دونوں بازوؤں میں شانوں کو سکیڑتے ہوئے اپنی گردن کو ڈھیلا چھوڑ دیا۔ پھر سوچتے سوچتے اس کی آنکھوں کی پتلی میں تیزی سے جنبش ہوئی۔ اس نے خود کلامی کے انداز میں سر ہلایا۔

''ہوں اس سے کوئی بہتر صورت سامنے آسکتی ہے۔ وہ ابیر کے متعلق سوچ رہی تھی۔

اگلے روز لیبارٹری میں کچھ کیمیکلز کا تجربہ ہو رہا تھا۔ ساشا فلاسک لینے کے بہانے ابیر کے ٹیبل کے قریب آئی اور اسے سرگوشی کے انداز میں کہنے لگی۔

''تم میری مدد کرو گی۔''

''جتنی ہو سکی کروں گی۔''

''تو پھر مجھے تمہارا موبائل چاہئے۔''

''میں سمجھی نہیں۔''

''یہ میرا موبائل تم اپنے پاس رکھو۔ جونہی عصام تمہیں رنگ کرے۔ اسے تمام حالات سے آگاہ کر دینا۔'' یہ کہہ کے ساشا نے ابیر سے موبائل تبدیل کر لیا۔

☆.....☆.....☆

زاہد کی تعزیت کے لئے ماہ لقاء کے پاس لوگ آتے رہتے تھے۔ پاشا کا ہارن کو سخت آرڈر تھا کہ وہ ماہ لقاء سے ملنے والوں لوگوں پر سخت نظر رکھے۔ ہارن کا کوارٹر گیٹ کے قریب تھا۔ اس لئے ہارن پاشا کے آرڈر پر چاک و چوبند تھا۔

صبح دس بجے کا وقت تھا۔ آسمان پے سرمئی رنگ کے گھنے بادل چھائے ہوئے تھے۔ سورج کی تمازت تو کیا دن کی چلچلاتی روشنی بھی مدہم پڑی گئی تھی۔ یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے غروب آفتاب کا وقت ہو۔ انعم سکول گئی ہوئی تھی۔ ہارن لان میں بیٹھا اپنی گن کی صفائی کر رہا تھا۔ وہ بظاہر گن کی صفائی کر رہا تھا۔ لیکن اس کی نظر ماہ لقاء پے ٹھہری ہوئی تھی۔ ماہ لقاء اپنے کمرے کے باہر بیٹھی کسی گہری سوچ میں گم تھی۔ وہ کچھ دیر سامنے کی طرف دیکھے کچھ سوچتی رہی اور پھر اپنا ہاتھ پیشانی پر رکھ کے سر جھکا دیا۔

ہارن اس کی طرف مسلسل دیکھتا رہا۔ وہ تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد اپنی آنکھیں پونچھتی۔ جس سے ہارن من ہی من میں ٹوٹتا رہا۔ کچھ دیر ماہ لقاء اسی کیفیت میں بیٹھی رہی پھر یکلخت وہ اپنی جگہ سے اٹھی اور پودوں کی کیاریوں کی طرف بڑھی۔ پودوں کی کیاریاں پانی میں ڈوبی ہوئی تھیں۔ کیونکہ مالی صبح انہیں پانی دے چکا تھا۔

ماہ لقاء کچھ دیر خاموشی سے کھڑی پودوں کی طرف دیکھتی رہی۔ پھر اس نے پودوں کو پانی دینا شروع کر دیا۔ ہارن ماہ لقاء کی غیر شعوری حرکت دیکھ کے متعجب ہو کے رہ گیا۔ وہ اٹھا اور ماہ لقاء کے پاس گیا۔ ماہ لقاء اپنے دھیان میں مگن پودوں کو پانی دے رہی تھی۔

ہارسن نے اس کے چہرے کی طرف دیکھا۔اس کی بھیگی ہوئی نگاہیں دہک رہی تھیں۔

''آپ دیکھ رہی ہیں کہ پودے پانی میں بھیگے ہوئے ہیں پھر بھی آپ انہیں پانی دے رہی ہیں۔

ہارسن نے تعجب بھرے انداز میں ماہ لقاء سے پوچھا۔

''پتہ نہیں میں ایسا کیوں کر رہی ہوں۔''

ماہ لقاء نے گردن ایک طرف کو گرالی۔ہارسن سمجھ رہا تھا کہ ماہ لقاء کسی نفسیاتی دباؤ کا شکار ہے۔اسی لئے اس نے اسے ٹٹولنا چاہا۔

''یہ کیسے ہوسکتا ہے۔کہ آپ کام کر رہی ہیں اور آپ کو یہی نہ علم ہو کہ وہ کام آپ کیوں کر رہی ہیں۔''

ماہ لقاء نے گہری نظر سے ہارسن کی طرف دیکھا اور پھر سر جھکا کے خفیف سے انداز میں بولی۔

''میں ان سے تھوڑا زندگی کا احساس لے رہی ہوں۔یہ مجھ سے بہتر ہیں۔میں تو قبر میں ہوں۔کبھی لگتا ہے مرگئی ہوں اور کبھی لگتا ہے کہ زندہ ہوں۔''

ہارسن اس کی یہ بات سن کے رنجیدہ ہوگیا۔وہ ماہ لقاء کی طرف بڑھا اور اس کے انتہائی قریب کھڑا ہوگیا۔اس کی آنکھیں بھیگی ہوئی تھیں۔اس نے اپنی جاذبیت بھری نگاہیں ماہ لقاء کی نگاہوں میں سمودیں اور اپنے ہاتھوں سے اس کے آنسو پونچھنے لگا۔

ماہ لقاء سکتے کی سی کیفیت میں ہارسن کی طرف دیکھ رہی تھی۔وہ جذبات کی رو میں اس طرح بہہ رہا تھا کہ ماہ لقاء کے سوا دنیا کی ہر چیز اس کی نگاہوں سے اوجھل ہوگئی۔

''مت کرو اپنے ساتھ ایسا ماہ لقاء میں تو تمہیں خوشیوں میں نہال دیکھنے کے لئے تم سے پیچھے ہٹ گیا تھا۔مجھے کیا معلوم تھا کہ زندگی غموں کی تپتی دھوپ میں تمہیں بے سایہ کردے گی۔''

ماہ لقاء کو کچھ سمجھ نہیں آرہا تھا کہ ہارسن یہ سب کیا کہہ رہا ہے۔وہ ششدر سے ہارسن کی طرف دیکھ رہی تھی۔

''یہ تم کیا کہہ رہے ہو۔تمہارا دماغ تو ٹھیک ہے۔تمہیں جرأت کیسے ہوئی میرا نام لینے کی۔دور ہو جاؤ۔میری نظروں سے۔تم وہ ہارسن نہیں ہو۔آج تمہارے اندر نہ جانے کون بول رہا ہے۔''

ہارسن نے ندامت سے اپنا سر جھکا دیا۔وہ نہیں جانتا تھا کہ وہ یہ سب کیسے کہہ گیا۔اپنے ہی کہے ہوئے

لفظوں میں وہ الجھ کے رہ گیا۔اس نے جبیں پیائی کرتے ہوئے ماہ لقاء کی طرف دیکھا۔

''سوری۔ پتہ نہیں میں یہ سب کیسے کہہ گیا۔آپ کا غصہ برحق ہے۔کیونکہ آپ میرے ان لفظوں کے حقائق نہیں جانتیں۔اگر جان سکتیں تو کبھی غصہ نہ کھاتیں۔'' یہ کہہ کے ہارن وہاں سے چلا گیا۔

وہ کوارٹر میں جا کے بیٹھ گیا۔وہ جانتا تھا کہ ماہ لقاء ان دنوں کس ذہنی دباؤ کا شکار ہے۔اس کے باوجود ماہ لقاء کی باتوں سے اسے دلی صدمہ پہنچا۔لیکن کچھ سوچتے ہوئے اس نے خود کلامی کے انداز میں کہا۔

''میری غلطی ہے۔میں نے ماہ لقاء سے یہ سب کس حق سے کہا۔''

وہ خود کو الزام دیتا ہوا چارپائی پر چت لیٹ گیا۔

☆.....☆.....☆

ابیر کے موبائل کی رنگ ہوئی۔اس وقت وہ اپنے بستر میں گھسی سو رہی تھی۔اس نے اونگھتے ہوئے اپنا ہاتھ لحاف سے نکالا اور سائیڈ ٹیبل سے موبائل اٹھایا۔اس نے موبائل اٹنڈ کیا تو عصام بات کر رہا تھا۔عصام کی آواز سن کے اس نے جھٹ سے اپنی آنکھیں کھول لیں۔

''ہیلو۔میں ابیر بول رہی ہوں۔''

ابیر کی آواز سن کے عصام چونک پڑا۔

''تم.....؟ ساشا کہاں ہے۔''

''تم نے جو کچھ کہنا ہے مجھ سے کہہ دو۔میں تمہارا پیغام ساشا تک پہنچا دوں گی۔ساشا نے مجھے اعتماد میں لے کے مجھ سے موبائل چینج کر لیا ہے۔تمہاری اور ساشا کی گفتگو ٹریس ہو گئی ہے۔ساشا کی جان خطرے میں ہے۔کوئی پتہ نہیں کہ کون سا پل اس کی موت کا ہو۔اگر اب تک وہ زندہ ہے تو صرف اس لئے کہ وہ اس کے ذریعے تم تک پہنچنا چاہتے ہیں۔''

''وہ.....وہ اب تو ٹھیک ہے نا۔'' گھبراہٹ سے عصام کی آواز کانپ گئی۔

''اس نے تمہارے لئے ایک پیغام دیا ہے۔''

یہ کہہ کے ابیر رک گئی۔

''اس نے کہا ہے کہ تم اسے ملنے نہ آنا۔ نہ ہی اس سے ملنے کی کوشش کرنا۔ اگر تم اس سے ملو گے تو تمہاری موت یقینی ہے۔ تم اسے اس کے حال پہ چھوڑ دو۔ وہ کہتی ہے کہ خود تو مر سکتی ہے لیکن تمہیں مرتا نہیں دیکھ سکتی۔''

''پاگل ہوگئی ہے وہ اسے کہنا کہ میں آج رات ہی اس کے پاس پہنچ جاؤں گا۔ وہ میرے پہنچنے تک کے وقت کا اندازہ لگا کے حویلی سے باہر آجائے۔ اس وقت نو بجے ہیں۔ میں یہاں سے ابھی نکل رہا ہوں۔''

''یہاں تک کیسے پہنچو گے۔''

''ساشا سے میں نے پتہ سمجھ لیا تھا۔ میں پہنچ جاؤں گا۔''

''تمہیں یہاں تک پہنچنے میں بہت احتیاط کرنی ہوگی۔ ذرا سی کوتاہی تمہاری موت بن سکتی ہے۔'' ابیر نے عصام کو سمجھایا۔

''اوکے۔'' یہ کہہ کے عصام نے بات ختم کردی۔

☆.....☆.....☆

ماہ لقاء اپنے کمرے میں بیٹھی انعم کو پڑھا رہی تھی کہ دین بابا دھیرے دھیرے چلتے ہوئے اس کے کمرے تک آئے۔ ماہ لقاء نے دین بابا کو دیکھا۔

''جی بابا۔ کیا بات ہے۔''

''بیٹی میں ہارن کے لئے کھانا لے گیا تھا۔ لیکن اس نے یہ کہہ کے کھانا واپس کر دیا کہ اسے بھوک نہیں ہے۔ میں نے کھانا باورچی خانے میں رکھ دیا ہے۔'' دین بابا نے کہا۔

''آپ بھی کمال کرتے ہیں بابا جی۔ کھانا واپس لانے کی کیا ضرورت تھی۔ وہیں رکھ دینا تھا۔ جب بھوک لگتی خود کھا لیتا۔'' ماہ لقاء نے انعم کی کاپی بند کرتے ہوئے کہا۔

دین بابا نے بے اعتنائی سے اپنے دائیں ہاتھ کو حرکت دی۔

''تو بیٹی اس سے کون سا تکلف ہے۔ جب بھوک لگے گی آ کے لے جائے گا۔''

''ٹھیک ہے۔ آجائیں۔'' ماہ لقاء نے مثبت انداز میں سر ہلایا اور انعم کو دوبارہ پڑھانے میں مصروف ہوگئی۔ کچھ دیر پڑھانے کے بعد وہ ہارن کے متعلق سوچنے لگی۔

''شاید وہ صبح کی بات کی وجہ سے ایسا کر رہا ہے۔لیکن اس نے بھی تو غلط بات کی تھی۔ٹھیک ہے۔غصہ اپنی جگہ پے،اس میں کھانا چھوڑنے کی کیا ضرورت تھی۔''

یہ سوچ کے ماہ لقاء اپنی جگہ سے اٹھی،اور کچن کی طرف بڑھی۔اس نے کھانا دوبارہ گرم کیا۔

''انعم بیٹی جلدی آؤ۔'' ماہ لقاء نے انعم کو پکارا۔

انعم اس کے پاس کچن میں گئی تو اس نے ہارن کا کھانا انعم کے ہاتھوں میں تھما دیا۔

''جاؤ یہ کھانا انکل کو دے آؤ۔''

انعم کھانا لے کے ہارن کے کوارٹر میں گئی تو وہ اپنے کوارٹر میں موجود نہیں تھا۔انعم نے ٹرے میز پے رکھ کے،اسے سارے کمرے میں تلاش کیا۔لیکن وہ کوارٹر میں موجود نہیں تھا۔وہ کھانا لے کر واپس ماہ لقاء کے پاس پہنچی۔

''امی!انکل اپنے کوارٹر میں نہیں ہیں۔میں نے انہیں سارے کمروں میں ڈھونڈا۔لیکن وہ وہاں نہیں ہیں۔''

''باہر لان میں ہوگا،چلو آؤ دیکھتے ہیں۔'' یہ کہہ کے ماہ لقاء اور انعم باہر لان میں آئے۔

گیراج میں ہارن کی گاڑی نہیں تھی۔ماہ لقاء نے گیٹ کیپر سے پوچھا۔

''ہارن کہیں گیا ہے۔''

جی بیگم صاحبہ!وہ کہیں گئے ہیں۔'' یہ کہہ کے گیٹ کیپر ماہ لقاء کی طرف بڑھا۔اس کے ہاتھ میں ایک رقعہ تھا وہ رقعہ اس نے ماہ لقاء کی طرف بڑھایا۔

''یہ کاغذ دے گیا ہے۔کہہ رہا تھا کہ آپ کو دے دوں۔'' ماہ لقاء نے رقعہ اس کے ہاتھ سے لیا اور انعم کو لے کر اپنے کمرے میں چلی گئی۔

انعم اپنے کمرے میں جاتے ہی بستر میں گھس گئی اور ماہ لقاء صوفے پے بیٹھ گئی اور رقعہ پڑھنے لگی۔خط چار سطروں پے مشتمل تھا۔ہینڈ رائیٹنگ بھی ایسی تھی جیسے بہت جلدی میں لکھا گیا ہو۔

''میں نے آپ سے جو کہا اس کے لئے معذرت چاہتا ہوں۔میں جا رہا ہوں کب واپس آؤں گا نہیں کہہ سکتا۔لیکن اتنا کہہ رہا ہوں کہ آپ سے کیا ہوا وعدہ ضرور پورا کروں گا۔بس آپ دعا کریں کہ خدا اس کام کی تکمیل کے لئے مجھے زندہ رکھے۔اپنا اور انعم کا خیال رکھنا۔خدا حافظ۔''

''خدا تمہیں اپنے امان میں رکھے۔'' ماہ لقاء کے لبوں سے بے ساختہ دعا نکل گئی۔

''مما ہارسن انکل کہاں گئے ہیں۔'' انعم نے اپنے چہرے پر سے لحاف ہٹاتے ہوئے کہا۔

ماہ لقاء اس کے بالوں کو سہلانے لگی۔

''وہ کچھ دنوں کے لئے اپنے گھر گئے ہیں۔'' پھر فکر مندانہ انداز میں اس کی نظریں کسی ایک جگہ ٹھہر گئیں۔

''انعم ہارسن سے کس قدر مانوس ہو چکی ہے۔ کاش میری طرح یہ بھی تسلیم کر سکتی کہ ہمارا ایک دوسرے کے علاوہ اور کوئی نہیں ہے۔''

☆.....☆.....☆

صبح ہونے والی تھی۔ رات کی تاریکی دھندلی سی روشنی میں بدل گئی تھی۔ اس دھیمی روشنی میں ہی کوئی چیز بھی واضح دکھائی نہیں دے رہی تھی۔ ساشا بے چینی سے اپنے کمرے میں ٹہل رہی تھی۔ وہ جانتی تھی کہ عصام پہنچنے والا ہوگا۔ لیکن وہ ابھی تک حویلی سے باہر نہیں نکل سکی تھی۔ وہ ابھی منصوبے ہی بنا رہی تھی کہ باہر کیسے نکلا جائے۔ کیونکہ گیٹ پر دو گارڈز کا پہرا تھا اور اسے پکڑے جانے کا شدید خطرہ تھا۔ بالآخر اس نے کہیں سے رسی تلاش کی اور اسے اپنے کمرے کی کھڑکی سے باہر کی طرف لٹکا دیا اور رسی سیدھی حویلی کی دیوار کے باہر جا لٹکی کیونکہ ساشا کا کمرہ اوپر کی منزل میں تھا۔

رسی نیچے لٹکی تو ساشا کے دل کی دھڑکن تیز ہو گئی۔ خوف و دہشت کی تھرتھراہٹ اس کے پورے وجود میں دوڑ گئی۔ اس نے خود کو سنبھالتے ہوئے حوصلے کا ایک لمبا سانس لیا اور کھڑکی سے جھانکتے ہوئے نچلی پوزیشن دیکھنے لگی۔ وہ دیوار گیٹ کی پچھلی جانب تھی۔ لیکن ساشا کی وجہ سے ایک آدمی ہاتھ میں گن لئے اس دیوار کے قریب بیٹھا ہوا تھا۔

ساشا جھٹکے سے پیچھے ہٹی، زبان کو دانتوں میں دباتے ہوئے اس کے منہ سے ''سی'' کی آواز نکلی۔ لیکن تعجب خیز بات تھی کہ وہ آدمی اپنے کسی دھیان میں اس طرح گم تھا کہ اسے رسی کے لٹکنے کا علم تک نہ ہوا اور ساشا کی جان پر بنی ہوئی تھی۔ اس کے دل کی دھڑکنیں موت کی گھڑیاں گن رہی تھیں۔ اسے یہ گمان ہو چلا تھا کہ لٹکی ہوئی رسی اب اس کے گلے کا پھندا بنے گی۔ وہ اس، خیال میں کچھ دیر سہمی ہوئی کھڑی رہی۔ پھر اس نے کھڑکی سے دوبارہ

جھانکا۔ وہ گن مین اپنی جگہ سے غائب تھا۔ کافی فاصلے تک کوئی نہیں تھا۔

ساشا بے ربط سانسیں لیتی ہوئی کن پٹی پے ہاتھ رکھے سوچنے لگی۔ اس کے ہاتھ کانپ رہے تھے۔ وہ بہت نروس تھی۔ ایک بہت بڑے فیصلے کے لئے اس کے پاس تھوڑا سا وقت تھا۔ بالآخر اس نے سوچا کہ وہ موت کو تو دعوت دے ہی چکی ہے تو کیوں نہ ہمت کر کے اس دیوار کو پھلانگ دے۔ جو ہوگا دیکھا جائے گا۔

یہ سوچتے ہی وہ برقی سرعت سے رسی سے لٹکی اور اپنے پیروں سے دیوار پے ضرب لگاتے ہوئے دیوار کے قریبی حصے پے کود پڑی۔

اس نے کوئی وقت ضائع کئے بغیر گن مین کی کرسی کی مدد سے دیوار پھلانگ دی۔

اس نے اپنے کپڑے جھاڑتے ہوئے پیچھے دیکھا۔ اس کے پیچھے کوئی نہیں تھا۔ وہ اردگرد دیکھتے ہوئے دبے پاؤں آگے بڑھنے لگی۔

رات اور صبح کے درمیان کا یہ حصہ تقریباً اندھیرے میں ڈوبا ہوا تھا۔ درختوں کے گھنے جھنڈ اور جنگلی جھاڑیاں انتہائی خوفناک دکھائی دے رہی تھیں۔ ساشا کی نظریں کسی کی متلاشی بھی تھیں اور خوف کے اس احساس سے سہمی ہوئی بھی تھیں کہ کہیں کوئی اس کے تعاقب میں نہ ہو۔ اپنے قدموں کی ہر آہٹ پے وہ موت کی سرسراہٹ کو محسوس کر رہی تھی کہ یکلخت کسی نے اسے شانوں سے پکڑا۔ اس سے پہلے کہ وہ چیخ مارتی۔ اس شخص نے اس کے منہ پے اپنا ہاتھ رکھ دیا اور اسے زبردستی کھینچتا ہوا گھنی جھاڑیوں کی طرف لے گیا۔

ساشا اپنے ہاتھ پاؤں مارتے ہوئے خود کو چھڑوانے کی کوشش کرتی رہی لیکن اس شخص کی گرفت بہت مضبوط تھی۔

وہ شخص ہارسن تھا۔ ساشا اندھیرے کی وجہ سے اسے پہچان نہ سکی لیکن وہ یہ جان گئی کہ یہ عصام نہیں ہے۔ اس لئے وہ خود کو اس سے چھڑوانے کی بھرپور کوشش کرتی رہی۔ جب اس نے خود کو بے بس محسوس کیا تو اس نے ہارسن کے پیٹ میں ایک لات رسید کی۔ ہارسن کندھے سکیڑتا اپنا پیٹ پکڑ کے رہ گیا۔

ساشا تیزی سے اس کے بازوؤں کی گرفت سے نکل گئی۔ ہارسن جلدی سے اس کی طرف لپکا اور اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ ہارسن نے جونہی اس کا ہاتھ پکڑا ان دونوں نے بیک وقت ایک دوسرے پے گنز تان لیں۔ ابھی ان کی

محاذ آرائی جاری تھی کہ انہیں بہت سے لوگوں کے دوڑنے کی آواز سنائی دی۔

یہ آواز سنتے ہی ہارن نے ساشا کا ہاتھ مضبوطی سے پکڑا اور اسے ساتھ لئے وہ دوڑنے لگا۔ ساشا بھی ان لمحوں میں بھول گئی کہ ہارن کون ہے۔ وہ بھی اس کے ساتھ بھاگنے لگی۔

وہ دونوں سرپٹ بھاگ رہے تھے کہ وہ اسلحہ سے لیس اشخاص ان کے قریب پہنچ گئے۔ انہوں نے ان دونوں پر فائر کھول دیئے۔

ہارن اور ساشا پیچھے کی طرف چلتے ہوئے جوابی فائر کرنے لگے لیکن ان دونوں کی فائرنگ کے سامنے کی طرف سے ہونے والی گولیوں کی بوچھاڑ کا مقابلہ نہ کر پا رہی تھی۔ وہ دونوں تناور درختوں کے پیچھے چھپتے ہوئے برقی سرعت سے اپنی جگہ بدل کر اپنا دفاع کرتے لیکن اس تیز قدمی میں ہارن نے ایک لمحے کے لئے بھی ساشا کا ہاتھ نہیں چھوڑا۔ موت کے اس کھیل میں وہ ساشا کا خیال خود سے زیادہ رکھ رہا تھا۔ اس جاں فسوں مقابلے میں وہ جواں مردی سے آگے بڑھ رہا تھا۔ اس کی گاڑی تھوڑے فاصلے پے رہ گئی تھی کہ ایک دم گولی اس کے بازوؤں کو چیرتی ہوئی گزر گئی۔ ہارن تکلیف سے چیخ اٹھا۔ پسٹل اس کے ہاتھ سے چھوٹ کے گر گئی۔ وہ نظریں دوڑاتے ہوئے اپنی پسٹل ڈھونڈنے لگا لیکن اندھیرے کی وجہ سے کچھ صحیح دکھائی نہیں دے رہا تھا۔

''یہ میری پسٹل پکڑو اور جلدی یہاں سے نکلو۔'' ساشا نے اس کے بازو کو تھام لیا۔

''اس سے کچھ نہیں بنے گا۔''

یہ کہہ کر ہارن تیزی سے اپنی گاڑی کی طرف بڑھا۔ اس نے گاڑی سے ایک بیگ نکالا اور اس میں سے کلاشنکوف نکالی۔ اسی دوران اسے کسی گاڑی کے سٹارٹ ہونے کی آواز آئی۔ ایک سیکنڈ بھی ضائع کئے بغیر وہ دونوں گاڑی میں سوار ہو گئے۔ ساشا ڈرائیونگ سیٹ پے بیٹھ گئی اور ہارن دوسری سیٹ پے بیٹھ گیا۔ اس نے کلاشنکوف کا رخ ونڈو کی طرف کر دیا۔ ساشا گاڑی ہوا میں اڑاتی ہوئی وہاں سے نکل گئی۔ شہباز اور اس کے ساتھی جیپ لئے انہیں ڈھونڈتے رہے لیکن وہ دونوں کسی دوسرے رستے سے وہاں سے نکل چکے تھے۔

آدھے گھنٹے میں ہی دونوں کافی دور نکل چکے تھے۔ ہارن کے بازوؤں سے خون مسلسل بہہ رہا تھا۔ ساشا نے کئی جگہوں پر گاڑی روکنے کی کوشش کی کہ اس کے بازوؤں کی مرہم پٹی کر سکے لیکن ہارن نے اسے کہیں بھی

گاڑی روکنے نہ دی۔ ان کی گاڑی ایک پہاڑی سلسلے کے قریب پہنچی تو ساشا نے پہاڑیوں کی سنگلاخ اور غیر ہموار زمین پر گاڑی اتار دی۔

''یہ کیا کر رہی ہو.....ہم ان لوگوں کی رینج سے نکل جائیں۔'' ہارسن نے ساشا سے گاڑی موڑنے کے لئے کہا۔

''ان کی رینج سے نکلتے نکلتے تم اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھو گے۔ رہی گاڑی کی بات تو اسے بھی کہیں چھپا دیں گے۔'' ساشا ایسے رستوں پہ گاڑی دوڑانے لگی جو اس کے لئے غیر مناسب تھے۔ گاڑی ہچکولے کھاتی ہوئی اس پہاڑی سلسلے میں داخل ہو گئی۔

ساشا نے گاڑی ایسی جگہ کھڑی کی جہاں سے وہ سڑک سے تو کیا اس پہاڑی سلسلے میں داخل ہونے کے بعد بھی دکھائی نہیں دے رہی تھی۔ دونوں گاڑی سے اترے تو ہارسن گاڑی میں کچھ تلاش کرنے لگا۔

''کیا ڈھونڈ رہے ہو۔'' ساشا نے سوال کیا۔

''اوہ شٹ۔'' ہارسن نے افسوس ناک لہجے میں کہا۔

''کیا ہوا۔''

''میرا بیگ ادھر ہی رہ گیا ہے۔''

''اس میں کوئی خاص چیز تھی۔''

ہارسن نے گہری نظر سے ساشا کی طرف دیکھا۔

''چلو اب اس بیگ کو بھول جاؤ اب تک تو وہ ان لوگوں کے ہاتھ بھی لگ چکا ہو گا۔'' ساشا نے کہا اور پھر وہ دونوں آگے بڑھنے لگے اور پھر دونوں اونچے نیچے رستوں پہ چلتے ہوئے کوئی مناسب جگہ ڈھونڈنے لگے۔ ایکدم ساشا کی نظر ایک پہاڑ کے دہانے پہ پڑی جہاں اسے ایک چھوٹا سا رستہ دکھائی دے رہا تھا۔ دونوں اس کی طرف بڑھے ساشا نے گھٹنوں کے بل بیٹھتے ہوئے اس رستے سے اندر جھانکا تو اندر ایک بڑی غار تھی۔

ہارسن نے ٹارچ آن کی اور وہ دونوں غار میں داخل ہو گئے۔

ہارسن نے ٹارچ کا رخ غار کے ایک کونے کی طرف کرتے ہوئے اسے ایک پتھر پہ رکھ دیا۔

ان دونوں کو اندازہ نہیں تھا کہ غار اندر سے اس قدر کھلی ہو گی۔

کسی مناسب جگہ پہ بیٹھتے ہی ہارن نے اپنے لانگ شوز کی زپ کھولی اور اس میں ایک نوکدار خنجر نکالا۔

''تم یہ ٹارچ اٹھاؤ گولی نکالنے میں میری تھوڑی مدد کرو۔'' یہ کہتے ہوئے ہارن نے خنجر اپنے بازوؤں کی طرف بڑھایا۔

''یہ تم کیا کر رہے ہو۔اس طرح تو تمہارا زخم سپٹک ہو جائے گا۔''

''تو کیا کروں خنجر گرم کرنے کے لئے آگ جلانا ہمارے لئے کسی خطرے سے خالی نہیں۔''

''کیا تم نہیں جانتے کہ زخم سپٹک ہو گیا تو تمہارا بازو کٹ بھی سکتا ہے۔تم ایک منٹ رکو۔'' یہ کہہ کر ساشا غار سے باہر گئی۔

وہ تھوڑی ہی دیر میں خشک جھاڑیاں اور درختوں کی سوکھی ٹہنیاں لے آئی۔

ٹہنیوں اور جھاڑیوں کو اکٹھا رکھتے ہوئے اس نے ہارن سے پوچھا۔

''لائٹر تو ہو گا نہ تمہارے پاس۔''

ہارن نے اپنی پاکٹ سے لائٹر نکالا اور ساشا کو تھما دیا۔

ساشا نے لائٹر سے آگ جلائی آگ بھڑک گئی تو ہارن آگ میں خنجر گرم کرنے لگا۔خنجر تپ گیا تو اس نے ایک لمبا سانس کھینچتے ہوئے خنجر اپنے زخم میں گھونپ دیا۔تکلیف کے مارے اس کے حلق سے ''آہ'' کی آواز نکلی اور اس نے بے ساختگی میں ساشا کا ہاتھ مضبوطی سے تھام لیا۔وہ اپنے زخم کو چیرتے ہوئے گولی کو باہر کی طرف کھینچنے لگا۔بہت تکلیف کے بعد وہ گولی نکالنے میں کامیاب ہو گیا۔گولی نکلتے ہی اس کے بازوؤں سے خون تیزی سے بہنے لگا۔

ساشا نے انتہائی گھبراہٹ میں اپنے دوپٹے کا پہلو پھاڑ لیا اور اس کے بازو کی پٹی کرنے لگی۔

ان لمحوں میں جب ساشا ہارن کے بازوؤں پہ پٹی باندھ رہی تھی ہارن تھوڑی دیر کے لئے ساری تکلیف بھول گیا۔اس کی نگاہیں بے اعتنائی سے ساشا کے چہرے کا دیدار کرنے لگیں۔ارگرد کی ہر چیز جیسے غائب ہو گئی۔اسے ساشا کے چہرے کے علاوہ کچھ بھی دکھائی نہیں دے رہا تھا۔اس کی نگاہوں میں ساشا کے لئے ایک عجیب سا احساس تھا اور یہ احساس بے زبان ساشا کے لئے کسی انجان آدمی کی ہمدردی کے سوا کچھ نہ تھا۔اس لئے ہارن

نے اس کی نگاہیں اوپر اٹھنے سے پہلے اپنا دھیان بدل دیا لیکن اس ساعت میں ساشا نے ہارسن کو پہچان لیا وہ بلا تامل بولی۔

''تم وہی ہو نا جو مجھے پارٹی میں ملے تھے۔''

''ہاں میں وہی ہوں۔'' ہارسن نے اثبات میں سر ہلایا۔

ساشا نے سوالیہ نظروں سے ہارسن کی طرف دیکھا اس کے چہرے پر شدید تکلیف کے شدید آثار تھے۔ اس لئے ساشا نے اس سے کوئی سوال پوچھنا مناسب نہ سمجھا لیکن ہارسن اس کی طرف مسلسل دیکھ رہا تھا۔

ساشا کو اس کی نگاہیں جیسے چبھنے لگیں۔ وہ اپنی جگہ سے اٹھ کے تھوڑے فاصلے پر بیٹھ گئی۔

ہارسن نے ایک پتھر سے پشت لگاتے ہوئے اپنے سر کو پیچھے کی طرف ٹیک دیا اور اپنی آنکھیں بند کر لیں۔ گہرے زخم کے باعث وہ شدید اذیت سے دوچار تھا۔

صبح کی ٹھنڈی ٹھنڈی روشنی جلوہ افروز ہو رہی تھی۔ یہ روشنی ان کے غار میں چھن چھن کے آ رہی تھی جس سے غار میں تھوڑی سی روشنی ہو گئی تھی۔ ساشا اپنے ذہن میں اٹھنے والے سوالوں میں کھوئی لائٹر سے کھیل رہی تھی کہ ایک دم اس کی آنکھیں لائٹر پر جم سی گئیں۔ پھر چند ہی ساعتوں میں اس کی کیفیت عجیب ہو گئی وہ تعجب خیز انداز میں اپنے ہاتھوں کو حرکت دیتی ہوئی لائٹر کو قریب سے دیکھنے لگی۔ اس نے ہارسن کی طرف دیکھا اس کی آنکھیں بند تھیں وہ کانپتے لبوں سے ہارسن سے کچھ پوچھنا چاہ رہی تھی لیکن سوال کے الفاظ اس کی زبان پر آنے سے پہلے ہی دم توڑ رہے تھے۔

وہ اپنی جگہ سے اٹھ کے ہارسن کے قریب جا کے بیٹھ گئی اور بے چینی سے بولی۔

''یہ لائٹر تمہیں کہاں سے ملا۔''

ساشا کے اس سوال پہ اس نے اپنی آنکھیں کھول لیں اور اپنے سر کو سیدھا کرتے ہوئے اس کی طرف دیکھنے لگا اس کے لبوں پر معنی خیز مسکراہٹ بکھری ہوئی تھی اور آنکھیں کسی انجانے سے خلوص کے نور سے دمک رہی تھیں۔

''آپ یہ کیوں پوچھ رہی ہیں۔'' ہارسن نے کہا۔

''کیونکہ یہ لائٹر عصام کا ہے۔''

''آپ اس تک پہنچنا چاہتی ہیں۔''

''کیسی بات کہہ رہے ہو۔اس تک پہنچنے کے لئے تو میں موت کے میدان میں اتری ہوں۔''

''لڑائی کے دوران جو بیگ مجھ سے گر گیا اسی میں عصام کا پتہ تھا۔'' عصام سر جھکائے کھوئے کھوئے سے لہجے میں بولا۔

''تمہیں ویسے اس کا پتہ یاد نہیں۔'' ساشا مضطرب لہجے میں بولی۔

''تم اس سے ملو گی تو اسے پہچانو گی نہیں کیونکہ اس نے فیس سرجری کروالی ہے۔''

ہارسن کی اس بات پر ساشا متعجب نظروں سے اس کی طرف دیکھنے لگی۔

''تم کیا کہہ رہے ہو مجھے کچھ سمجھ نہیں آ رہا۔''

''تم یہ جانتی ہو نا کہ کینفر نے عصام کو موت کے گھاٹ اتارنے میں کوئی کمی نہیں چھوڑی تھی مگر عصام بچ گیا۔اس کے جسم کے گہرے زخموں کو بھی آہستہ آہستہ آرام آ گیا لیکن اس کا چہرہ بری طرح سے مسخ ہو چکا تھا۔ اس نے فیس سرجری کے ذریعے ایک نیا چہرہ لے لیا اور اپنا نام بھی چینج کر لیا۔

اس بیگ میں اس کی فیس سرجری کی رپورٹس تھیں جس میں اس کی فیس سرجری سے پہلے کی اور بعد کی دونوں تصاویر موجود تھیں۔عصام چاہتا تو اپنے اس نئے چہرے کے ساتھ اس مصائب سے بھرپور زندگی سے فرار حاصل کر سکتا تھا لیکن وہ اپنا مقصد حاصل کرنے کے لئے مختلف جگہوں پہ بھٹک رہا ہے۔''

ساشا سکتے کی سی کیفیت میں ہارسن کی ساری گفتگو سن رہی تھی۔شدید ذہنی الجھاؤ کے باوجود اسے ہارسن کی بات کا یقین آیا تھا۔

ساشا نے رشک بھری نظروں سے ہارسن کی طرف دیکھا۔

''تم عصام کے بارے میں اتنا کچھ جانتے ہو تم تو اس کے بہت قریب ہو گئے۔''

ہارسن نے جذبات سے بھرپور نگاہوں سے ساشا کی طرف دیکھا اور پھر اپنی آنکھیں بند کرتے ہوئے اپنے ہونٹوں کو بھینچتے ہوئے اپنا حلق تر کیا اور پھر مسکراتے ہوئے ایک بار پھر ساشا کی طرف دیکھا۔

''تم میری بات چھوڑو اپنی بات کرو۔تم اس وقت عصام سے صرف ایک منٹ کے فاصلے پر ہو۔''

ہارن کے الفاظ سن کر ساشا حواس باختہ ہوگئی۔ اس کا ذہن الجھنے لگا وہ پھٹی پھٹی نگاہوں سے ہارن کی طرف دیکھ رہی تھی ہارن نے اپنے بائیں ہاتھ سے ساشا کا ہاتھ تھاما اور اپنا دایاں ہاتھ اس کے سامنے کھول دیا۔

''یہ میری ہتھیلی کا تل بھی نہیں پہچانتی۔''

ہارن کی ہتھیلی دیکھ کے یقین کا ایک دلفریب جھونکا اسے چھو کے گزر گیا۔ اسی احساس میں اس نے ہارن کے ہاتھ کو چھوتے ہوئے اس کا ہاتھ دیکھا لیکن پھر کچھ سوچتے ہوئے اپنا ہاتھ پیچھے کھینچ لیا۔

ہارن نے ٹھنڈی آہ بھرتے ہوئے اپنا ہاتھ پیچھے کھینچ لیا۔

''تمہیں اندازہ نہی ہے..... کہ میں کس کیفیت سے دوچار ہوں اتنے عرصے کے بعد تم سے ملا ہوں اور تم مجھے پہچان نہیں رہی کیسی دوست ہو؟''

یہ کہہ کے ہارن نے اپنا سر جھکایا اور اپنے دونوں ہاتھوں کی ایک انگلی اپنی آنکھوں کی طرف بڑھاتے ہوئے اپنی آنکھوں کی پتلیوں پر سے لینز اتار دیے۔ اس نے اپنا سر اوپر اٹھایا اور ساشا کی طرف دیکھا۔

''دوست۔ میری ان آنکھوں میں عصام کو تلاش کرو شاید وہ تمہیں مل جائے۔''

ساشا نے ہارن کی نگاہوں میں جھانکا تو اس کے دل کے ویران خانے میں ہلچل سی مچ گئی۔ اس کی آنکھیں بھیگ گئیں۔ اس کے دل و دماغ نے اس بات کی گواہی دے دی کہ عصام اس کے سامنے ہے۔ اس نے بے اختیار ہارن کا ہاتھ اپنے دونوں ہاتھوں میں دبوچ لیا اور اس پر سر رکھے پھوٹ پھوٹ کے رونے لگی۔

☆.....☆.....☆

پاشا ناشتے سے فارغ ہو کے گیراج کی طرف گیا تو اس نے چوکیدار سے کہا۔ ''ہارن کو بلا کے لاؤ۔''

''سر! وہ تو رات کو کہیں چلے گئے ہیں۔''

''کہاں گیا ہے۔''

''پتہ نہیں صاحب بیگم صاحبہ کو بتا کے گیا ہے۔''

''وہ کیا اس گھر کی مالکن ہے۔'' پاشا منہ ہی منہ میں بڑبڑایا۔

''جی صاحب۔'' چوکیدار نے عاجزی سے کہا۔

''کچھ نہیں، کسی کو آسائشیں دو تو سر پہ ہی چڑھ جاتے ہیں۔'' پاشا تلخ روئی سے بولتا ہوا اندر چلا گیا۔

وہ ماہ لقاء کے پاس گیا اور ماتھے پر شکن ڈالتے ہوئے بولا۔ ''ہارن کہاں گیا ہے۔''

''میں نہیں جانتی بس اس نے صرف یہ کہا تھا کہ وہ کسی ضروری کام سے جا رہا ہے واپسی کا نہیں بتا سکتا۔''

''اسے تم نے میرے پاس کیوں نہیں بھیجا۔''

''وہ مجھ سے بھی کب ملا ہے وہ تو اس قدر جلدی میں تھا کہ چوکیدار کو پیغام دے کر چلا گیا۔''

''ٹھیک ہے آنے دو اس کو اب وہ یہاں کام نہیں کرے گا۔'' یہ کہہ کر پاشا چلا گیا۔

''وہ ہارن انعم سے تو بہت پیار کرتا تھا یقین نہیں آتا کہ وہ ہمارا ساتھ اس طرح چھوڑ دے گا۔ نہ جانے وہ اس طرح کیوں چلا گیا۔ وہ جانتا تھا کہ پاشا مجھے نوکری سے کبھی بھی سبکدوش کر سکتا ہے۔'' وہ سوچ کی زبان میں خود سے باتیں کر رہی تھی۔

☆.....☆.....☆

عصام اور ساشا چھپتے چھپاتے دشمنوں کی حدود سے نکلنے میں کامیاب ہو گئے۔ رات کے نو بجے تک وہ لاہور مضافات میں داخل ہو گئے۔ دونوں نے صبح سے کچھ نہیں کھایا تھا۔ انہیں شدت سے بھوک لگی ہوئی تھی۔ عصام نے ساشا کی طرف دیکھا۔

''اب کوئی ہوٹل آیا تو وہاں سے کھانا کھا لیں گے۔''

ساشا نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔ ''ٹھیک ہے کھانا تم لے لینا لیکن ہم گاڑی میں ہی کھائیں گے۔ بہت احتیاط کی ضرورت ہے شہباز کے کارندے ہر شہر میں پھیلے ہوئے ہیں۔ خاص طور پر لاہور اور کراچی میں اس نے سب کو ہمارے متعلق آگاہ کر دیا ہوگا۔''

''میں بھی یہی سوچ رہا ہوں۔ ٹھہرنے کے لئے بھی یہی موزوں ہے کہ ہم کسی دیہاتی علاقے میں ٹھہر جائیں۔'' عصام نے کہا۔

سڑک کے دونوں اطراف کھڑی فصلوں کے کھیت رات کی تاریکی میں انتہائی ہولناک محسوس ہو رہے تھے۔ درختوں اور کھیتوں کی وجہ سے ہوا بھی بہت سرد تھی۔

ساشا نے اپنے کندھے سکیڑ لئے وہ سردی سے ٹھٹھر رہی تھی۔ عصام نے اپنی جیکٹ اتار کے ساشا کے شانوں پے ڈال دی۔ ساشا نے مسکراتے ہوئے جیکٹ میں اپنے آپ کو چھپا لیا۔ کچھ فاصلے کے بعد عصام کو ایک خستہ حال سا ہوٹل دکھائی دیا۔ اس نے اپنی گاڑی ہوٹل سے کچھ فاصلے پر روک لی۔

''بی کیئر فل۔'' عصام نے ساشا سے کہا اور پھر گاڑی سے اتر گیا۔

اس نے ہوٹل سے کھانا لیا اور تیز تیز قدم چلتا ہوا گاڑی تک پہنچ گیا۔ اس نے کھانا ساشا کے ہاتھ میں تھمایا اور گاڑی سٹارٹ کر لی۔ عصام اتنے لمبے سفر میں بغیر کسی آرام کے گاڑی مسلسل چلا رہا تھا۔ اس کا پورا وجود اکڑ سا گیا تھا۔ وہ اپنی تھکی ہوئی گردن کو بار بار پیچھے کی طرف جھٹک دیتا۔

ساشا نے شاپر کھولا اس میں روٹی اور چنے تھے۔ اس نے عصام کی طرف دیکھا۔

''تم کیسے کھاؤ گے۔''

''تم تو کھاؤ ایک نوالہ میرے ہاتھ میں پکڑا دیا کرنا۔'' عصام کی نظر سامنے سڑک پر تھی۔

ساشا عصام کی سیٹ کے تھوڑا قریب ہو گئی۔ اس نے ایک لقمہ خود لیا اور دوسرا لقمہ لے کے عصام کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ عصام نے اپنا ہاتھ آگے بڑھایا تو ساشا نے نوالہ اس کے منہ میں ڈال دیا۔ عصام نے مسکراہٹ سے بھرپور نگاہوں سے ساشا کی طرف دیکھا۔ ساشا کے لبوں پہ بھی مسکراہٹ بھر گئی۔

''کتنے دنوں کے بعد ہمیں یہ سکون کے لمحات ملے ہیں۔''

مشکلات و پریشانیوں کی ساری تھکان جیسے ایک پل کے لئے ہوا ہو گئی ہو۔ آدھے گھنٹے کے سفر کے بعد کچی آبادی کا سلسلہ شروع ہو گیا عصام ڈرائیونگ کے ساتھ ساتھ اردگرد کی آبادی کا جائزہ لینے لگا۔

''اب کیا سوچ رہے ہو۔'' ساشا نے پوچھا۔

''میرا خیال ہے کہ ہمیں اسی گاؤں میں اپنے لئے کہیں پناہ ڈھونڈ لینی چاہئے۔''

''اس وقت تو دس بج رہے ہیں ہمیں پناہ کون دے گا۔''

''دیکھتے ہیں خدا کوئی نہ کوئی وسیلہ بنا ہی دے گا۔'' عصام نے اپنی گاڑی کی رفتار تھوڑی آہستہ کر لی۔

اگر یہ شہر ہوتا تو تمام گھر لائٹوں سے جگمگا رہے ہوتے لیکن یہاں تو نصف رات کا منظر تھا۔ عصام اور ساشا

مسلسل اردگرد نظر دوڑا رہے تھے لیکن ہر طرف اندھیرا ہی چھایا ہوا تھا پھر اچانک ان دونوں کی نظر ایک ہی جگہ پہ ٹھہری۔ وہ ایک مسجد تھی جو اندھیرے میں ڈوبی ہوئی آبادی میں جگمگا رہی تھی۔

انہوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا ان کا ذہن ایک ہی خیال کی طرف مرکوز تھا کہ یہ خدا کا گھر ہے اس کا دروازہ تو ہر ایک کے لئے کھلتا ہے۔

سڑک کے دائیں طرف ایک پگڈنڈی تھی جو اس مسجد تک جاتی تھی۔ عصام نے اپنی گاڑی اس پگڈنڈی پہ اتار دی دھول اڑاتی ہوئی گاڑی مسجد کے قریب جا کے روکی۔ مسجد کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ عصام اور ساشا دونوں گاڑی سے اترے اور مسجد کے دروازے کی طرف بڑھے۔ اندر مسجد میں بالکل سامنے چار لڑکے بیٹھے قرآن پاک پڑھ رہے تھے۔ ان کے قریب ایک بزرگ بیٹھے ہوئے تھے غالباً وہ اس مسجد کے امام تھے۔ عصام اور ساشا خدا پہ بھروسہ کر کے مسجد میں داخل ہو گئے۔ وہ امام صاحب کے قریب گئے اور انہیں سلام کیا۔

''وعلیکم السلام۔'' امام صاحب نے پراثر انداز میں جواب دیا۔ اس نے عصام اور ساشا کی طرف دیکھا تو اپنے شاگردوں کو جانے کا اشارہ کیا۔

شاگردوں کے اٹھنے کے بعد امام صاحب ان دونوں کی کی طرف متوجہ ہوئے۔ ''جی فرمایئے۔''

''ہمیں آپ سے ضروری بات کرنی ہے۔'' عصام نے کہا۔

امام صاحب نے اپنے تجربے کی روشنی میں ان کو مشکوک نگاہوں سے دیکھا اور اٹھ کے مسجد کا دروازہ بند کر دیا۔ ''آؤ اندر کمرے میں آ جاؤ۔'' امام صاحب نے ان کے قریب آتے ہوئے کہا۔

ساشا اور عصام اس کے پیچھے چلتے ہوئے کمرے میں چلے گئے۔

بابا جی نے ان دونوں کو بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ وہ دونوں چٹائی پہ بیٹھ گئے۔

''مسافر لگتے ہو۔ تم دونوں کے لئے کچھ کھانے کو لاؤں۔'' بابا جی نے انتہائی خلوص سے کہا۔

یہ ٹھٹھرتی رات عصام اور ساشا کے لئے انتہائی بھیانک تھی۔ خوف و دہشت کے سائے ہر گھڑی ان کا پیچھا کر رہے تھے۔ کچھ دور پیدل چلنے کے بعد تینوں ایک خستہ حال ٹوٹی پھوٹی کچی گلی میں داخل ہوئے۔ گلی کے پہلے چار گھر چھوڑ کے وہ تینوں پانچویں گھر کے قریب کھڑے ہو گئے۔

باباجی نے دروازے پر دستک دی۔اندر سے ایک نسوانی آواز ابھری۔"کون ہے۔"

"میں ہوں بیٹا۔"

باباجی کی آواز سن کے کسی نے دروازہ کھولا۔

باباجی اندر داخل ہوئے تو عصام اور ساشا بھی ان کے ساتھ ساتھ چل دیئے۔دروازے پر ایک خوبرو لڑکی کھڑی تھی عصام کو دیکھتے ہی اس نے آنچل سے اپنا چہرہ چھپالیا۔تینوں گھر میں داخل ہو گئے۔

"میمونہ! یہ ہمارے مہمان ہیں۔ان کا خاص خیال رکھنا۔" باباجی لڑکی سے مخاطب ہوئے۔تاکہ وہ پریشان نہ ہو۔

باباجی ایک کوٹھڑی نما کمرے کی طرف بڑھے اس چھوٹے سے گھر کے تقریباً تمام کمرے اسی نوعیت کے تھے۔باباجی نے ان دونوں کو کمرے میں بٹھایا۔میمونہ کمرے کے باہر کھڑی متجسس نگاہوں سے اندر جھانک رہی تھی۔باباجی کمرے سے باہر آئے تو میمونہ بے چینی سے سرگوشی کرنے لگی۔

"یہ کون ہے ابا۔"

"مسافر ہیں بیٹی چند روز ہمارے گھر ہی قیام کریں گے۔"

"کیسی باتیں کرتے ہیں ابا.....نہ جانے یہ کون ہیں۔اس لڑکے کو دیکھا ہے دیو، شکل سے ہی سمگلر لگتا ہے۔"

بابا نے ہاتھ سے اشارہ کرتے ہوئے اس کو روک دیا۔

"تم بچی ہو۔تم میں ابھی انسان کو پہچاننے کی صلاحیت پیدا نہیں ہوئی۔فی الحال تم ان کے لئے چائے بناؤ بعد میں تسلی سے بات کریں گے۔" باباجی کی بات سننے کے بعد میمونہ کچن کیطرف بڑھی تو باباجی نے اسے کہا۔

"باہر کوئی آئے تو ان مہمانوں کے بارے میں کسی سے ذکر نہیں کرنا۔اول تو میرے بنا پوچھے دروازہ نہ کھولنا۔"

"بہتر....." یہ کہہ کے میمونہ باورچی خانے کی طرف بڑھی۔جو صرف نام کا ہی باورچی خانہ تھا صحن کی دو دیواروں کے کونوں کے اوپر ٹین کے چھت ڈال رکھی تھی اور اس کے سائے تلے میمونہ نے مٹی کا چولہا بنا رکھا تھا۔میمونہ نے عصام اور ساشا کے لئے چائے بنائی۔

چائے کے بعد تینوں بہت دیر تک گفتگو کرتے رہے۔

''میرا خیال ہے کہ تم لوگ بہت تھکے ہوئے ہو تھوڑا آرام کرلو.....'' بابا جی نے اٹھتے ہوئے کہا۔ ساشا نے عصام کی طرف دیکھا۔

''عصام! تم آرام کرلو میں میمونہ کے کمرے میں جاتی ہوں۔''

عصام کی آنکھیں نیند سے سرخ اور بوجھل ہو رہی تھیں۔ اس نے مضمحل سی آواز میں کہا۔

''نیند تو بہت آرہی ہے لیکن ان حالات میں خود سے بے خبر ہونے کو جی نہیں چاہ رہا۔''

عصام کی اس بات پر ساشا ایک بار پھر اس کے پاس آ کے بیٹھ گئی۔

''میں جاگ رہی ہوں نا تم بے فکر ہو کے سو جاؤ ویسے بھی تم مسلسل ڈرائیونگ کرنے کی وجہ سے بہت تھکے ہوئے ہو۔''

''ویسے اتنی جلدی تو وہ لوگ ہم تک نہیں پہنچ سکتے۔ تم بھی کچھ دیر کے لئے آرام کرلو۔'' عصام نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

عصام کی بات سن کے ساشا اپنی جگہ سے اٹھ کے دوسرے کمرے میں جانے لگی تو عصام نے ہاتھ کے اشارے سے اسے روکا۔

''بابا اور اس کی بیٹی کے علاوہ اس گھر میں کوئی اور تو نہیں ہے نا۔''

''بابا جی نے تو یہی بتایا ہے کہ وہ اس کی بیٹی اس گھر میں تن تنہا رہتے ہیں۔''

''پھر بھی ہوشیار رہنا۔ اپنی پسٹل لوڈ رکھنا اس کی بیٹی پر زیادہ اعتبار نہیں کرنا۔''

''مجھے تو خدا پے بھروسہ ہے۔ جس رب کا وہ شخص دم بھرتا ہے اس رب کے لئے تو وہ ہمیں دھوکہ نہیں دے گا۔'' ساشا کے لہجے میں اعتماد کی پختگی تھی۔

''خدا کرے کہ ایسا ہی ہو.....'' عصام نے ایک لمبا سانس کھینچا اور تکیے سے سہارا لے کر بیٹھ گیا۔

''تم بھی اپنا خیال رکھنا۔'' ساشا نے لبوں پر خفیف سی مسکراہٹ بکھیرتے ہوئے کہا۔

''جو حکم جناب کا۔'' عصام نے حسب معمول وہی فقرہ دہرایا جو ساشا کی ایسی باتوں کے جواب میں اکثر کہتا

تھا۔ان کے چار روز اس گھر میں بہت سکون سے گزر گئے انہیں کسی قسم کی پریشانی کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔میمونہ اور مولوی صاحب نے ان کا ہر طرح سے خیال رکھا۔مولوی صاحب نے گاؤں بھر میں یہ کہہ دیا کہ اس کے شہری مہمان آئے ہوئے ہیں۔

مولوی صاحب کی شخصیت کی وجہ سے کوئی بھی عصام اور ساشا پہ شک نہ کر سکا۔

شام کے چار بجے تھے۔مولوی صاحب اور عصام سکھ چین کے گھنے درخت کی چھاؤں تلے چارپائی بچھائے بیٹھے ہوئے تھے۔

''ابا جی چائے لے جائیں۔'' کچن سے میمونہ نے آواز دی۔

''آرہا ہوں بیٹی۔'' مولوی صاحب نے چارپائی سے اٹھتے ہوئے خاصا وقت لگا دیا۔

دو چائے لے کے عصام کے پاس آگئے اور دونوں بیٹھ کے چائے پینے لگے۔

''بیٹا تمہارا آگے کیا ارادہ ہے۔'' مولوی صاحب نے چائے کا گھونٹ لیتے ہوئے کہا۔

''ہمیں آپ کی دعاؤں کی ضرورت ہے آپ ہمارے لئے دعا کریں کہ خداوند کریم ہمیں ہمارے مقصد میں کامیاب کرے۔''

''فی الحال میں کل کسی ضروری کام سے شہر جا رہا ہوں ساشا ادھر آپ کے گھر ہی رہے گی۔''

''واپس کب تک آؤ گے؟'' مولوی صاحب قدرے پریشان ہو گئے۔

''میں نے وہاں قیام نہیں کرنا۔رات تک لوٹ آؤں گا۔'' عصام کے اس جواب سے مولوی صاحب کو تسلی ہوئی اور انہوں نے کہا۔

''تم بے فکر رہو۔ساشا کا ہم مکمل خیال رکھیں گے۔''

''خیال رکھنے سے مراد یہ ہے کہ کوئی مشتبہ شخص آپ کے گھر نہ آئے کیونکہ ہمارا دشمن مختلف بہروپوں میں ہمارا تعاقب کر رہا ہے۔'' عصام نے مولوی صاحب سے تفصیلاً بات کی۔

مولوی صاحب نے عصام کی بات سن کے اس کی طرف شفقت بھری نظر سے دیکھتے ہوئے اسے دلاسہ سا دیا۔''تمہارے اور ساشا کے حالات جاننے کے بعد میں بخوبی اندازہ لگا سکتا ہوں کہ تم دونوں کس طرح خطروں

سے دوچار ہو۔لیکن بیٹا میری ایک بات یاد رکھنا، خداوند کریم پر بھروسہ پختہ ایمان کی دلیل ہے۔تم کتنا ہی خطروں سے دوچار ہو جاؤ اس پروردگار کے بھروسے پہ اگر میدان میں کود پڑو گے تو فتح تمہارا نصیب ہوگی۔''

مولوی صاحب کی باتوں نے عصام کی سوچوں کو ایک نقطے پر یکجا کر دیا۔

عصام کا دل چاہ رہا تھا کہ مولوی صاحب کہتے رہیں اور وہ دنیا سے بے نیاز ان کی باتیں سنتا رہے۔

عصام پوری توجہ سے مولوی صاحب کی بات سن رہا تھا کہ اچانک وہ کہیں کھو سا گیا۔

ماضی کے کرب آمیز جھگڑوں نے اس کے ذہن کو جیسے بکھیر کر رکھ دیا۔اس نے خود کلامی میں بے ساختہ کہا۔

''یہی بات میں پانچ سال پہلے سمجھا ہوتا تو اس طرح درندوں کے شکنجے میں نہ پھنستا۔ان درندوں کو سپر پاور سمجھ کے گناہ پہ گناہ کرتا رہا۔اپنے لئے اپنے ہاتھوں سے دلدل تیار کرتا رہا اور اور اپنی منزل سے بہت دور نکل گیا۔آج بھی میرا پورا وجود اسی دلدل میں دھنسا ہوا ہے اگر آزاد ہے تو صرف میرا یہ ذہن جس سے میں نت نئے منصوبے بنا رہا ہوں۔کوئی پتہ نہیں کب میرا یہ ذہن بھی اس دلدل کی نظر ہو جائے۔'' عصام نے مولوی صاحب کی طرف دیکھتے ہوئے ایک لمبا سانس کھینچا۔

''آپ کی باتوں نے میرے اندر ایک نیا حوصلہ پیدا کیا ہے۔انشاءاللہ ان درندوں کو ان کے اعمال کی سزا ضرور ملے گی۔معصوم لوگ ان کے ظلم سے بری الذمہ ضرور ہوں گے۔'' عصام اپنے دماغ میں اٹھنے والے بھونچال کو لفظوں کی شکل دے رہا تھا۔

''بیٹا جو ہوا اسے بھول جاؤ جو کرنا ہے وہ یاد رکھو۔ماضی کے غموں کو یاد کرو گے تو ذہن تھک جائے گا۔نہ جانے تمہیں ابھی اور کتنے مصائب کا سامنا کرنا ہے۔'' مولوی صاحب نے عصام کو سمجھایا۔

وہ دونوں کچھ دیر باتیں کرتے رہے۔پھر عصام نے مولوی صاحب سے کہا۔

''آپ ذرا ساشا کو بلوا دیں۔مجھے اس سے مشورہ کرنا ہے۔''

مولوی صاحب نے وہیں بیٹھے بیٹھے میمونہ کو پکارا۔''بیٹی! ساشا کو باہر بھیجو۔''

مولوی صاحب جانتے تھے کہ ساشا میمونہ کے ساتھ باورچی خانے میں بیٹھی ہوئی ہے۔

ساشا کو آتے دیکھ کر مولوی صاحب نے عصام سے اجازت چاہی۔

''تم دونوں باتیں کرو میں ذرا پودوں کو پانی دے دوں۔''

مولوی صاحب کے جانے کے بعد ساشا چارپائی کے سامنے پڑی ہوئی کرسی پر بیٹھ گئی۔

''کیسی ہو؟'' عصام نے پوچھا۔ ساشا نے منہ بسورتے ہوئے بے رخی کا اظہار کیا۔

''تمہیں خیال آ گیا ہے میرا۔''

''کیسی بچوں جیسی بات کر رہی ہو۔ انسان کو حالات اور ماحول کے حساب سے چلنا پڑتا ہے۔ ایسا کیسے ہو سکتا ہے کہ مجھے تمہارا خیال نہ ہو۔''

''تمہیں کسی قسم کی الجھن تو نہیں ہے یہاں۔ تم مطمئن ہو۔''

''مجھے یہاں کسی قسم کی تکلیف نہیں ہے۔ ایک عرصے کے بعد ایسا سکون نصیب ہوا ہے۔''

ساشا کو مطمئن دیکھ کے عصام نے اپنی بات شروع کی۔

''میں کل لاہور جا رہا ہوں۔ رات تک واپس لوٹ آؤں گا۔ تم نے گھبرانا نہیں ہے چوکنا ہو کے رہنا ہے۔ میں تمہیں تمہاری حفاظت میں چھوڑ کے جا رہا ہوں۔ اپنا دھیان تم نے خود کرنا ہے۔ اس پناہ گاہ میں خود کو محفوظ مت سمجھنا۔ شہباز کا آدمی کسی بھی وقت یہاں پہنچ سکتا ہے۔'' یہ کہہ کے عصام نے اپنی جیب سے ایک شاپر نکالا اور ساشا کے ہاتھ میں تھما دیا۔

''یہ میگزینز ہیں اپنی پسٹل ہر وقت لوڈ رکھنا۔''

ساشا تعجب سے عصام کی طرف دیکھ رہی تھی۔

''ہم ایک ہی مشن پہ اکٹھے نکلے ہیں۔ پھر ایسا کون سا کام ہے جو تمہیں میرے بغیر کرنا ہے۔ ایسی کیا مجبوری ہے جو تم مجھے اس طرح تنہا چھوڑ کے جا رہے ہو۔''

عصام نے خلوص اور مروت سے بھرپور نظروں سے ساشا کی طرف دیکھا۔ ''مجبوری ہی ہے ساشا۔ کسی کی زندگی بچانی ہے۔ ہم دونوں کی طرح کوئی اور بھی درندوں کے چنگل میں بھٹک رہا ہے۔''

''جو خود زندگی اور موت کا کھیل، کھیل رہے ہو وہ کسی دوسرے کو کیسے بچا سکتا ہے۔'' الفاظ ساشا کی زبان سے ٹوٹ ٹوٹ کے ادا ہو رہے تھے۔

''مجھے اسے ہر حال میں بچانا ہے۔ بس تم یہ دعا کرو کہ میں زندہ سلامت واپس آجاؤں لیکن خدانخواستہ مجھے کچھ ہو گیا تو تم اپنے مقصد پہ ڈٹے رہنا۔''

''خدا نہ کرے..... کیسی باتیں کر رہے ہو۔ اگر ایسے کہو گے تو میں تمہیں جانے نہیں دوں گی۔'' ساشا نے اپنی بھنویں سکیڑتے ہوئے عصام کی طرف دیکھا۔ عصام نے اس کی پیشانی پر کھنچی لکیریں پڑھتے ہوئے اس کے آگے ہاتھ جوڑ دیئے۔

''اچھا بابا! غلطی ہو گئی۔ میں اپنا پورا پورا دھیان رکھوں گا۔ انشاء اللہ جلد تمہارے پاس پہنچوں گا۔''

''خدا تمہیں اپنی حفاظت میں رکھے۔'' دعا دیتے دیتے ساشا کی آنکھیں بھیگ گئیں۔ وہ اپنے ہاتھ سے اپنی آنکھوں کو چھپاتی ہوئی جلدی سے وہاں سے اٹھ گئی۔

عصام اسے پکارتا ہی رہا۔ لیکن وہ خاموشی سے اندر کمرے میں چلی گئی۔

عصام پریشان ہو گیا۔ وہ ساشا کی آنکھوں میں آنسو نہیں دیکھ سکتا تھا۔ وہ اپنے ساشا سے وابستہ جذبات کو کبھی بھی کوئی نام نہ دے سکا۔ ساشا ان جذبات کو محبت کا نام دینا چاہتی تھی لیکن شاید عصام کے لئے یہ جذبات محبت سے بالاتر تھے۔

ماہ لقاء اپنے غموں کو بھول کر انعم کی خوشی کا پورا پورا خیال رکھ رہی تھی اس وقت انعم کے ہاتھ میں فٹ بال تھا اور وہ بضد تھی۔

''امی آپ میرے ساتھ کھیلیں نا۔''

''بیٹی دو منٹ انتظار کر لو میں ابھی آتی ہوں۔'' ماہ لقاء پردے کی رولنگ سیٹ کر رہی تھی۔

''رہنے دیں آپ' میں کھیلتی ہی نہیں۔ انعم نے لاڈ دکھاتے ہوئے فٹ بال ہوا میں اچھال دی۔ اچانک انعم کے خفگی بھرے چہرے پہ مسکراہٹ بکھر گئی۔ عصام اس کی فٹ بال لئے اس کے سامنے کھڑا تھا۔

ماہ لقاء اس کے قریب آئی۔ ''تم اچانک کہاں چلے گئے تھے۔ میں نے سوچا تھا کہ شاید تم یہاں سے ہمیشہ کے لئے چلے گئے ہو۔''

عصام نے ماہ لقاء کے چہرے پہ نظر ڈالی تو کچھ دیر تک مسلسل اسے دیکھتا ہی رہا۔ اس کی نگاہوں میں

اپنائیت کا غیر معمولی اظہار تھا جسے ماہ لقاء کبھی سمجھ نہ پائی۔

چند لمحوں کے لئے عصام وقت اور حالات کے پیدا کردہ ان سارے فاصلوں کو بھول گیا جو اس کے اور ماہ لقاء کے بیچ حائل ہو چکے تھے۔ ماہ لقاء کو دیکھتے دیکھتے کسی پرانی یاد کا سایہ اسے چھو کے گزر گیا۔ وہ اپنی ایک طرفہ محبت کے آئینے میں ماہ لقاء کا عکس ڈھونڈنے لگا۔ لیکن پھر کسی تلخ حقیقت نے اس کی نگاہیں بھگو دیں اور وہ عکس اس کی بھیگی ہوئی نگاہوں میں ماند پڑنے لگا۔ اس نے اپنے سر کو جھٹکتے ہوئے اپنی نگاہیں نیچے کر لیں۔

''وقت کے ظالم دھارے نے ہمیں کہاں سے کہاں پہنچا دیا ہے۔''

''میں سمجھی نہیں تم کس کی بات کر رہے ہو۔'' ماہ لقاء نے اس کے چہرے کی طرف بغور دیکھا۔

''حقیقت زیادہ دیر نہیں چھپتی۔ بہت جلد آپ کو میری باتیں سمجھ آ جائیں گی۔ پھر آپ مجھ سے کچھ کہنا چاہیں گی لیکن میں آپ کو نہیں ملوں گا۔'' عصام کی کھوئی کھوئی سی آنکھیں ماہ لقاء کے سپاٹ چہرے پہ ٹھہر سی گئیں۔

''ہارن تم اس طرح کی باتیں کیوں کرتے ہو۔'' ماہ لقاء اس کی پیچ دار باتوں میں الجھ کے رہ گئی۔

عصام نے اس کی ذہنی حالت کو سمجھتے ہوئے اپنی بات بدل دی۔

''انعم بیٹی ٹھیک ہے نا۔'' عصام نے انعم کو اپنے بازوؤں میں لے لیا۔

''انعم تمہیں یاد کرتی تھی۔ بعض اوقات تو میں یہ سوچ کے پریشان ہو جاتی ہوں کہ تم نے انعم کو اپنے ساتھ اس قدر مانوس کیوں کیا ہے۔''

عصام انعم کو چھوڑ کے ایک بار پھر ماہ لقاء کی طرف متوجہ ہو گیا۔

''ابھی چھوٹی ہے اس کی معصومیت زندگی کے تلخ مراحل کو نہیں سمجھ سکتی۔ اسے کیا معلوم کہ خلوص کی تلاش میں ہم اکثر ان سایوں کے پیچھے دوڑ پڑتے ہیں جن کا کوئی وجود نہیں ہوتا۔''

''زندگی کے تجربات سوچ کا رخ بدل دیتے ہیں۔ جنہیں زندگی میں ناکامیوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے ان کی باتوں میں کسک کی باس ہوتی ہے۔ تمہاری باتوں میں بھی ویسی ہی باس ہے۔'' ماہ لقاء نے کہا۔

ماہ لقاء کی بات سن کے ہارن کچھ دیر تک خاموش رہا۔ پھر اس نے پاشا کے متعلق پوچھا۔

''پاشا نے آپ کو نقصان پہنچانے کی کوشش تو نہیں کی۔''

''وہ کوشش نہیں کرتا۔ ڈائریکٹ عمل کرتا ہے۔ ابھی اسے میرے دستخط کی ضرورت ہے۔ جب میری ضرورت ختم ہوگئی اسی روز وہ مجھے موت کے گھاٹ اتار دے گا۔'' ماہ لقاء نے مایوس کن انداز میں اپنے سر کو خفیف سا جھٹکا دیا۔

ماہ لقاء کی اس بات پر وہ تضحیک آمیز انداز میں مسکرایا۔

''خدا نے اس سفاک آدمی کو اتنی مہلت ہی نہیں دینی۔''

ماہ لقاء نے کچھ سوچتے ہوئے ہارسن کے چہرے پر گہری نظر ڈالی۔ کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد اس نے انعم کو اپنی طرف بلایا۔ ''بیٹی انکل تھکے ہوئے آئے ہیں کچھ دیر انہیں آرام کرنے دو۔''

عصام نے ایک بار پھر انعم کو اپنے بازوؤں میں لے لیا۔

''اگر آپ کو کوئی ضروری کام یاد آ گیا ہے تو جائیں۔ انعم سے مل کر تو ہشاش بشاش ہو گیا ہوں۔ ہم دونوں تو یہیں کھیلیں گے۔'' اس نے ماہ لقاء سے کہا۔

عصام کی بات سن کر ماہ لقاء مسکرا دی۔

''تم انعم سے کھیلو میں تمہارے لئے چائے بنا کے لاتی ہوں۔''

یہ کہہ کے ماہ لقاء چائے بنانے کے لئے کچن میں چلی گئی۔ رات کے دس بجے پاشا گھر آیا تو اسے ہارسن (عصام) کے آنے کی اطلاع ملی تو اس نے فوراً اسے بلوایا۔ عصام پاشا کے سامنے حاضر ہو گیا۔ پاشا نے اس سے اس طرح تلخ لہجے میں بات کی جیسے کہ وہ اس کا زر خرید غلام ہو۔ شاید کہ پاشا اسے اپنا غلام ہی سمجھتا تھا۔ پاشا اسے مسلسل ذلیل کر رہا تھا۔ عصام نے اپنا غصہ ضبط کرتے ہوئے زہر کے گھونٹ پی لئے۔

اس نے اپنے محسوسات کو نظر انداز کرتے ہوئے لجاجت سے کہا۔

''اس بار غلطی ہو گئی۔ آئندہ آپ کو شکایت کا موقع نہیں دوں گا۔'' ٹھنڈا ہونے کے بعد پاشا نے اسے بیٹھنے کو کہا۔ کچھ دیر پاشا نے اس سے باتیں کیں۔ تقریباً آدھا گھنٹہ بیٹھنے کے بعد وہ کھڑا ہو گیا۔

''سر آپ آرام کریں میں چلتا ہوں۔''

''صبح میری ایک پارٹی سے اپوائنٹمنٹ ہے۔ تم میرے ساتھ جاؤ گے۔'' پاشا نے سگار جلاتے ہوئے کہا۔

''اوکے!'' یہ کہہ کے عصام وہاں سے چلا گیا۔

صبح ساڑھے چھ بجے کے قریب پاشا نے ملازم سے بیڈ ٹی طلب کی اور چائے پینے کے بعد وہ جانے کے لئے تیار ہو گیا پھر اس نے ملازم سے ہارن کو جگانے کے لئے کہا۔ ملازم اسے جگانے اس کے کوارٹر گیا تو وہاں ہکا بکا واپس آ گیا۔ وہ خاموشی سے پاشا کی طرف دیکھنے لگا۔

''ہارن کو جگا دیا۔'' پاشا نے اس سے پوچھا۔

''سر! وہ تو کوارٹر میں نہیں ہے۔'' ملازم نے بوکھلائے ہوئے لہجے میں کہا۔

''یہ کیا بات ہوئی۔ کوارٹر میں نہیں تو غسل خانے میں ہو گا یا پھر کوٹھی میں ہی کہیں بیٹھا ہو گا۔'' پاشا نے ملازم کو جھاڑ دیا۔

''سر میں نے اچھی طرح سے دیکھا ہے وہ کوارٹر میں نہیں ہے۔ کوٹھی میں بھی ہر جگہ ڈھونڈا ہے۔ لیکن وہ یہاں نہیں ہے۔''

ملازم کی بات سن کر پاشا سوچ میں پڑ گیا اس کے شیطانی ذہن میں عجیب عجیب سے خیال آنے لگے۔ وہ ڈھیلے ڈھیلے قدموں سے کمرے میں چہل قدمی کرنے لگا۔ پھر وہ ایک جگہ رک گیا۔ اس کا ہاتھ بے اختیار اپنی پسٹل کی طرف بڑھا۔ اس کی گول گول پھٹی ہوئی آنکھیں باہر کو ابل پڑیں۔ ملازم جہاں کھڑا تھا وہیں تھر تھر کانپنے لگا۔

پاشا کی قہر آلود نگاہوں نے اس غریب کے ہاتھوں پیروں سے جیسے جان ہی نکال لی۔ وہ ہاتھ جوڑتا ہوا اس کے قدموں میں جا گرا۔

''سر، مجھے اپنے بچوں کی قسم۔ میں کچھ نہیں جانتا۔ وہ کب اور کیسے یہاں سے نکل گیا۔''

''اس کوٹھی میں کوئی نہ کوئی ضرور جانتا ہوگا کہ وہ اس کوٹھی سے کب اور کیوں گیا ہے۔ فی الحال تو مجھے فوری کہیں پہنچنا ہے۔ آ کے دیکھتا ہوں کہ یہاں کیا کھیل کھیلا جا رہا ہے۔ میرے آنے تک یہاں سے کوئی کہیں نہیں جائے گا۔''

پاشا نے اپنا بریف کیس اٹھایا اور تیز تیز قدم بڑھاتا ہوا وہاں سے نکل گیا۔

ماہ لقاء نیند سے بیدار ہوئی تو اس نے انعم کو جگایا۔

''بیٹا! جلدی سے اٹھ کے ہاتھ منہ دھولو ورنہ سکول سے لیٹ ہو جاؤ گی۔''

انعم گہری نیند میں بے چینی سے کروٹیں لیتے ہوئے لاڈ دکھا رہی تھی۔ ماہ لقاء اس کے بالوں کو سہلاتے ہوئے اسے ایک بار پھر جگانے لگی۔ بالآخر انعم آنکھیں ملتے ہوئے اٹھ بیٹھی۔ ماہ لقاء اسے باتھ روم میں لے گئی۔ اسے ٹوتھ برش پر پیسٹ لگا کے دی۔ وہ باتھ روم سے نکلی تو اس کی نظر بیڈ کے سائیڈ ٹیبل پر پڑی۔ وہاں ایک کاغذ پڑا تھا۔

ماہ لقاء ٹیبل کی طرف بڑھی اور کاغذ اٹھایا اس نے کاغذ کھولا تو اس پہ چند سطریں درج تھیں۔

''نئی زندگی کی ایک پر امید صبح مبارک۔ ہارن۔''

وہ سوچ میں پڑ گئی۔ ''ہارن نے ایسا کیوں لکھا ہے۔'' وہ ابھی یہ سوچ ہی رہی تھی کہ ٹیلی فون کی رنگ ہوئی۔ سننے کے لئے ٹی وی لاؤنج میں گئی۔ رقعہ اس کے ہاتھ میں ہی تھا۔ اس نے ریسیور اٹھایا تو ایک ایسی خبر اس کے کانوں سے ٹکرائی کہ اسے رقعے میں لکھے جملے کا مطلب سمجھ میں آ گیا۔ کوئی فون پہ اطلاع دے رہا تھا کہ پاشا بم بلاسٹ میں ہلاک ہو گیا ہے۔ اس کی گاڑی میں بم تھا۔ اس نے تشکر آمیز نگاہوں سے رقعے کی طرف دیکھا۔

شکریہ ہارن۔ تم نے مجھے ایک کربناک عذاب سے نجات دلا دی ہے۔ پھر اس نے سکون کی ایک لمبی

سانس کھینچتے ہوئے آسمان کی طرف دیکھا۔

''شکر ہے تیرا میرے پروردگار۔اس نے مجھے ایک سفاک انسان نما درندہ سے نجات دلا دی ہے۔''

ماہ لقاء رقعہ پھاڑ کے ہارسن کے کوارٹر میں گئی۔کوارٹر خالی تھا۔وہ ہارسن کو پکارتی رہی لیکن وہاں کوئی نہیں تھا۔ اس نے گیٹ کیپر سے پوچھا۔

''ہارسن کہاں ہے؟''

''بی بی جی،وہ تو پتہ نہیں کب یہاں سے نکل گئے اور شامت ہم غریبوں کی آ گئی ہے۔''

''نہ جانے ہارسن نے ایسا کیوں کیا۔'' ماہ لقاء لاعلمی کا اظہار کرتے ہوئے خاموشی سے اندر چلی گئی۔

وہ انتہائی بے چینی میں کمرے میں ٹہل رہی تھی اور سوچ رہی تھی کہ کہیں ہارسن اس کی وجہ سے کسی مصیبت میں نہ پڑ جائے۔اسے اس جرم کی پاداش میں سزائے موت بھی ہو سکتی ہے۔اس تصور سے ماہ لقاء کی پیشانی پسینے سے تر ہو گئی۔دوپہر کے دو بجے ہوئے تھے۔انعم بھی سکول سے آ گئی۔ماہ لقاء انعم کے لئے کچن سے لنچ لینے گئی تو ہاسپٹل سے فون آیا کہ وہ پاشا کی ڈیڈ باڈی گھر لا رہے ہیں۔فون سنتے ہی ماہ لقاء کے دل کی دھڑکن انتہائی تیز ہو گئی۔اس کی رگوں میں ایک عجیب سا خون سرایت کر گیا۔اس نے انعم کو کھانا دیا۔

''مما! آج آپ میرے ساتھ کھانا نہیں کھائیں گی۔''

''بیٹا! مجھے بھوک نہیں ہے۔آپ کھا لو۔''

''اگر آپ نہیں کھائیں گی تو میں بھی نہیں کھاؤں گی۔'' انعم نے منہ بسورتے ہوئے کہا۔

ماہ لقاء نے انعم کی ضد پر اس کی پلیٹ سے ایک نوالہ لے لیا۔ابھی نوالہ اس کے منہ کے قریب تھا کہ ایمبولینس کی گاڑی شور مچاتی ہوئی ان کے گھر میں داخل ہوئی۔ماہ لقاء کے ہاتھ سے نوالہ چھوٹ گیا۔گاڑی گیٹ کے قریب رک گئی کہ تھوڑی دیر بعد سفید وردی میں ملبوس افراد سٹریچر میں پاشا کی لاش لئے کوٹھی میں داخل ہوئے۔کوٹھی کے ملازمین نے پاشا کی لاش دیکھتے ہی ماتم کرنا شروع کر دیا۔

''انعم! باہر کچھ لوگ اپنے بیمار بیٹے کو لے کر آئے ہیں۔ہم اسے ہسپتال لے کر جائیں گے۔تم نے اس کمرے سے باہر نہیں آنا۔چپ کر کے سو جانا۔کچھ دیر کے بعد میں تمہارے پاس آ جاؤں گی۔دیکھو تمہیں اپنی مما

کی قسم باہر نہیں آنا۔'' ماہ لقاء نے انعم کو سمجھایا اور کمرے کا دروازہ بند کر کے باہر آ گئی۔

باہر شور برپا تھا۔ ملازمین اونچی اونچی آواز میں رو رہے تھے۔ ماہ لقاء جانتی تھی کہ یہ سب دکھاوا ہے۔ ایسے شر پسند انسان کے مرنے پہ کس کو رونا آتا ہے۔ پولیس افسر نعش کے پاس کھڑے ماہ لقاء کا انتظار کر رہے تھے۔ ماہ لقا نے انہیں دیکھا تو خوف نے اس کے پورے وجود میں سنسنی پیدا کر دی۔ اس نے خود کو مستحکم کرتے ہوئے ایک لمبا سانس کھینچا اور اپنے اعتماد کو بحال کرنے کی کوشش کرنے لگی۔ جب پولیس افسران کی طرف بڑھی تو اس کی شخصیت انتہائی سلجھی ہوئی اور جاذب نظر دکھائی دے رہی تھی۔ اس نے پاشا کی نعش دیکھی تو اس کی آنکھیں باہر کو ابل پڑیں۔ اس کے دل میں ہول سا اٹھا جس سے اس کا دل سکڑ کے رہ گیا۔ سر پاتا کپکپاہٹ کے ساتھ اس نے چیخ ماری اور دونوں ہاتھوں سے اپنا چہرہ ڈھانپ لیا۔ پاشا کی نعش بری طرح جلی ہوئی تھی۔ پوسٹ مارٹم کے بعد اس کے جلے ہوئے وجود کو بھی کئی ٹکڑوں میں سیا گیا تھا۔ ایک ادھیڑ عمر پولیس افسر اس کے قریب آیا اور اسے حوصلہ دینے لگا۔

''بیٹی صبر سے کام لو۔'' اسی لمحے ایک دوسرے پولیس افسر کی آواز ماہ لقاء کے کانوں سے ٹکرائی۔ ''اب آپ کو ہمت کی ضرورت ہے بی بی۔ آپ کے تعاون سے ہی ہم اصل مجرم تک پہنچ سکتے ہیں۔''

''ج..... ج..... جی میں آپ لوگوں کے ساتھ جتنا تعاون کر سکی کروں گی۔'' ماہ لقاء نے بوکھلاتے ہوئے تیزی سے کہہ دیا۔

پولیس انسپکٹر نے اردگرد دیکھتے ہوئے کہا۔

''آپ نے ان کے عزیز و اقارب کو اطلاع نہیں دی۔''

''ان کے عزیز و اقارب میں صرف ان کی بوڑھی ماں ہی تھی۔ وہ بھی فوت ہو گئی البتہ جوان کے دوست احباب ہیں ان کو میں نے اطلاع دے دی ہے۔'' ماہ لقاء نے کہا۔

''ٹھیک ہے۔ آپ ان کے کفن دفن کا بندوبست کریں۔ ہم کل حاضر ہوں گے۔'' یہ کہہ کر پولیس انسپکٹر نے اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھا۔

''چلو۔''

تھوڑی دور جانے کے بعد پولیس انسپکٹر چلتے چلتے رک گیا۔ کچھ سوچنے کے بعد اس نے اپنے ایک آدمی سے وہیں رکنے کے لئے کہا اور پھر وہ ماہ لقاء کے پاس واپس آ گیا۔

''ہمارا یہ آدمی ادھر آپ کے پاس رہے گا۔''

تھوڑی دیر بعد کوٹھی کے باہر گاڑیوں کی قطاریں لگ گئیں۔ پاشا کے جاننے والوں کا ایک ہجوم اکٹھا ہو گیا۔ لوگ ماہ لقاء سے طرح طرح کے سوال کر رہے تھے اور وہ اس ساری صورتحال میں انتہائی نروس تھی۔ پاشا کے قتل کی خبر ان کے لئے ایک معمہ بن گئی تھی۔ ماہ لقاء کے پاس ان کے سوالوں کے جواب نہیں تھے۔ زاہد کے مرنے کے بعد پھر اچانک پاشا کی موت نے شک وشبہات کے زاویے کھینچ لئے تھے اور ان زاویوں میں ماہ لقاء بھی دکھائی دے رہی تھی۔ ماہ لقاء خاموشی سے انعم کو لے کر ایک جگہ بیٹھ گئی۔ اس کی تن تنہا بے بس نگاہیں پوری محفل میں بھٹک رہی تھیں کہ کہیں کوئی اس کا اپنا نظر آ جائے جس کے سینے سے لگ کے وہ پھوٹ پھوٹ کے روئے لیکن اس ہجوم میں اس کا اپنا کوئی نہیں تھا۔ پھر اچانک کسی نے انتہائی شفقت سے اس کے کندھے پہ ہاتھ رکھا۔ ماہ لقاء نے پیچھے مڑ کے دیکھا تو ایک بوڑھی عورت اس کے سامنے کھڑی تھی۔ اس نے انتہائی شفقت سے ماہ لقاء کے سر پہ ہاتھ پھیرا۔

''حوصلہ کرو بیٹی! زندگی اسی کا نام ہے۔ اپنے اندر حالات سے مقابلے کی ہمت پیدا کرو۔'' اس کے ٹھہرے ٹھہرے لہجے میں اپنائیت تھی۔ ماہ لقاء نے اس عورت کی بات سنی تو اس کے دل کا طوفان اس کی آنکھوں میں امڈ آیا اور وہ بے اختیار اس بوڑھی کے شانے سے لگ کے رونے لگی۔

''تم نے زندگی میں بہت دکھ دیکھے ہیں لیکن اب تم آزاد اور خود مختار ہو۔ اس زندگی سے خوشیاں چرا لو جس نے تمہیں ہمیشہ خوشیوں سے محروم رکھا۔ پاشا کے قتل کو خود پہ حاوی کر کے خود کو شک وشبہات کا مرکز نہ بناؤ، پر اعتماد اور پر سکون رہو۔''

بوڑھی عورت کی باتیں سن کے ماہ لقاء اس سے خوفزدہ ہو کے اس سے پیچھے ہٹ گئی۔

''ک.....ک.....کون ہو تم.....'' ماہ لقاء نے ششدر نگاہوں سے بوڑھی عورت کی طرف دیکھا۔

بوڑھی عورت نے ماہ لقاء کی بات کا کوئی جواب نہ دیا۔ وہ خاموشی سے اس کی طرف دیکھتی رہی۔

''تم یہ سب کچھ کیسے جانتی ہو۔'' ماہ لقاء نے ایک بار پھر سوال کیا تو اس نے مشکوک نگاہوں سے اردگرد دیکھا اور پھر اپنے چہرے کی ٹھوڑی کی طرف سے کھجانے لگی۔ چند ہی سیکنڈ میں اس کے چہرے کی جلد جھلی نما ماسک میں بدل گئی۔ اس بوڑھی عورت کے ماسک کے پیچھے چھپا چہرہ آدھا ننگا ہوا تو ماہ لقاء کے حلق سے ایک چیخ نما آواز نکلی۔

''ہارسن تم۔''

ہارسن نے ماہ لقاء کے منہ پہ ہاتھ رکھتے ہوئے ماسک دوبارہ چڑھا لیا۔

ماہ لقاء نے کچھ دیر ہارسن کی طرف دیکھا تو اس کی آنکھیں بھیگ گئیں۔

''تم نے میری خاطر اپنی زندگی داؤ پہ کیوں لگا دی۔ پولیس قاتل کی تلاش میں ہے۔ اگر خدانخواستہ تم ان کے ہاتھ لگ گئے تو.....'' ماہ لقاء کے منہ میں الفاظ دم توڑ گئے۔

''تو کیا ہوگا..... میں نے اپنے ذہن کو ہر طرح کے انجام کے لئے تیار کر رکھا ہے۔ میری موت کے لئے کبھی خود کو ذمہ دار مت سمجھنا۔ کیونکہ میں زندگی اور موت کا جواء مسلسل کھیل رہا ہوں۔ کب مجھے قضا اپنی بانہوں میں لے لے۔ میرا کچھ پتہ نہیں۔''

ماہ لقاء ہارسن کی بات سن رہی تھی۔ اس کے سپاٹ چہرے پہ غم و تعجب کے یکساں تاثرات بکھرے ہوئے تھے۔ چند ہی لمحوں میں اس کی نگاہوں میں ایک عجیب سی جاذبیت چمکنے لگی تھی۔ اسے یوں محسوس ہو رہا تھا کہ جیسے تپتی دھوپ میں ہارسن نے اسے زیر سایہ کر دیا ہو۔ ہارسن نے اسے اپنائیت کی ایک رسی میں باندھ دیا تھا جس کے ساتھ ساتھ چلتے ہوئے وہ ہارسن کے قریب آنے لگی تھی۔

''ہارسن جس طرح سے بھی ہو سکے تم خود کو بچانے کی کوشش کرو ورنہ میں خود کو ساری زندگی معاف نہیں کروں گی۔''

''ماہ لقاء! بعض اوقات ہم کسی ایک چیز کے حصول کے لئے بہت کچھ کھو دیتے ہیں اور جب ہمیں وہ چیز مل جاتی ہے تو ہماری ہر شکست فتح میں بدل جاتی ہے۔ میں اپنی زندگی کو ہار کے آگے تمہارے اپنوں کی فہرست میں شامل ہو جاؤں تو میری یہ ہار جیت میں بدل جائے گی۔'' جذبوں کی سچائیوں سے بھرپور ہارسن کے ٹھہرے

ٹھہرے لہجے نے جیسے ہر چیز کو ہی ساکت کر دیا تھا۔ ماہ لقاء اس کے لفظوں میں کھو گئی تھی جیسے کہ وہ ہپناٹائز ہو گئی تھی۔ وہ آج صرف ہارن کو سننا چاہتی تھی۔ وہ خاموشی سے کھڑی مسلسل ہارن کی طرف دیکھ رہی تھی۔ اس کی اپنے چہرے پر ٹھہری ہوئی نمدار نگاہیں دیکھ کے ہارن بھی جذبات کی رو میں بہنے لگا اور اس نے نہ چاہتے ہوئے بھی اپنے دل کی بات ماہ لقاء سے کہہ دی۔

''میں تمہیں اس وقت سے چاہتا ہوں جب تم سبین کے ساتھ کالج میں پڑھتی تھی۔'' اس سے پہلے کہ ہارن کچھ اور کہتا ایک پولیس انسپکٹر ان دونوں کی طرف بڑھا جسے دیکھتے ہوئے ہارن نے اپنی آواز نسوانی آواز میں بدل لی اور تعزیت کے رسمی جملے بولنے لگا۔

''ایکسکیوزمی۔ مجھے آپ سے ضروری بات کرنی ہے۔'' انسپکٹر ماہ لقاء کی طرف بڑھا۔ انسپکٹر نے اس کا بہت تھوڑا وقت لیا۔ اس کے جاتے ہی اس نے اردگرد نظر دوڑائی۔ ہارن اس کے قریب نہیں تھا۔ لوگوں کے ہجوم میں اس کی متلاشی نگاہیں ہارن کو ڈھونڈ رہی تھیں لیکن شاید وہ بہت تیزی سے وہاں سے نکل چکا تھا۔ ماہ لقاء واپس اپنی جگہ پہ آ کے بیٹھ گئی۔ لوگوں کے شور وغل سے بے نیاز دوبارہ ہارن کے کہے ہوئے جملے میں کھو کے رہ گئی۔ اس کا ذہن بار بار اس جملے کو دہرا رہا تھا۔ ہارن نے اسے حیران کر کے رکھ دیا تھا۔ اس کے ذہن میں اس کے ماضی کی کتاب صفحہ در صفحہ کھلتی رہی لیکن اسے کوئی بھی چہرہ نہیں دکھائی دے رہا تھا جو ہارن جیسا ہو۔

''وہ اتنے عرصے سے مجھے کس طرح چاہتا ہے۔'' ماہ لقاء الجھ کے رہ گئی۔ وہ ان پیچ دار سوچوں میں گم تھی کہ چند عورتیں تعزیت کے لئے اس کے قریب آ گئیں۔ ماہ لقاء ان عورتوں کے ساتھ مصروف ہو گئی۔

☆.....☆.....☆

ساشا بے چینی سے کمرے میں ٹہل رہی تھی۔ وہ انتہائی پریشان تھی۔ عجیب عجیب وسوسے اس کی پریشانی میں اضافہ کر رہے تھے۔ عصام کو لاہور گئے ہوئے دو روز ہو چکے تھے۔ وہ ابھی تک واپس نہیں لوٹا تھا اور نہ ہی اس نے ساشا سے کوئی رابطہ رکھا۔ سارا دن ساشا کا اسی پریشانی میں گزرا۔ رات کے آٹھ بجے تو میمونہ اس کے لئے کھانا لے کر آئی۔ میمونہ اپنا اور ساشا کا کھانا اکٹھا لے کر آئی تھی۔ ساشا نے اچاٹ نظروں سے کھانے کی طرف دیکھا۔

''میمونہ۔ تم کھا لو۔ مجھے بھوک نہیں ہے۔''

''کیا کرتی ہو باجی! دو دن سے تم نے ٹھیک طرح سے کھانا نہیں کھایا اور وہ تمہارا خاوند اتنا لاپرواہ ہے کہ اس نے تمہیں فون بھی نہیں کیا۔'' میمونہ نے لگائی بجھائی کے انداز میں اپنا ہاتھ ہوا میں لہرا دیا۔

''نہیں میمونہ! وہ ایسا نہیں ہے۔ اس نے ایک فون تو مجھے کیا ہے کہ وہ خیریت سے ہے۔ کوئی ضروری کام کر رہا ہے لیکن اپنے آنے کے متعلق کچھ نہیں بتایا۔'' ساشا نے فوراً عصام کی سائیڈ لی۔

''چلو باجی! پھر آپ پریشان مت ہو کیا خبر وہ آنے والے ہوں۔'' ابھی یہ بات ساشا کے منہ میں تھی کہ باہر دستک ہوئی۔

ساشا نے بے چین نظروں سے دروازے کی طرف دیکھا۔ مولوی صاحب باہر صحن میں بیٹھے حقہ پی رہے تھے۔ اپنے گھٹنوں پہ ہاتھ رکھے وہ آہستگی سے اٹھے۔

''کون ہے بھئی!'' یہ کہتے ہوئے وہ دروازے کی طرف بڑھے۔

دروازہ کھولا تو عصام اندر داخل ہوا۔

''السلام وعلیکم۔'' عصام مولوی صاحب کے گلے ملا۔

''شکر ہے خدا کا کہ تم خیریت سے آ گئے۔'' مولوی نے خوش کن لہجے میں کہا۔

ساشا نے کھڑکی سے عصام کی طرف دیکھا تو اس کے چہرے پہ بشاشت دوڑ گئی۔

عصام کی نظریں بھی بے چینی سے ساشا کو ڈھونڈ رہی تھیں۔ اس کی نظر کھڑکی پہ پڑی تو وہ مسکرا دیا۔

ساشا کے لبوں پہ بھی دلفریب مسکراہٹ بکھر گئی۔

''یہ کیا ہے بھئی! ایک ہی نظر میں سارا غصہ ہوا ہو گیا۔'' میمونہ نے ساشا کو چھیڑا۔

''غصہ تو اپنی جگہ پر ہے۔'' ساشا نے اپنی تیکھی بھنوؤں کو چڑھاتے ہوئے کہا۔

''میمونہ بیٹی! بھائی کے لئے کھانا گرم کرو۔'' مولوی صاحب نے کہا۔

''اچھا ابا جی۔'' میمونہ کھانا گرم کرنے کے لئے باورچی خانے میں چلی گئی۔

عصام ساشا سے ملنے کمرے میں گیا تو ساشا اسے دیکھتے ہی منہ پھلا کے بیٹھ گئی۔

''کیا ہوا بھئی، ناراض ہو۔'' یہ کہتے ہوئے عصام اس کے قریب آ کے بیٹھ گیا۔

''تمہیں اس بات کا ذرا احساس نہیں کہ میں کس قدر پریشان ہوں گی۔ تم مجھے ایک دن کا کہہ کے گئے تھے۔ اگر تمہیں ایک دن مزید ٹھہرنا پڑا تو کیا مجھے فون نہیں کر سکتے تھے۔ کس عذاب میں میرے یہ دو دن گزرے ہیں۔ تمہیں اس کی کیا پرواہ ہے۔'' ساشا نے خفگی بھرے لہجے میں کہا۔

''میں نے تمہیں فون پر خیریت کی اطلاع تو دے دی تھی۔'' عصام نے اپنی صفائی پیش کی۔

''لیکن مجھے آنے کے متعلق تو نہیں بتایا۔ کیوں نہیں مجھے فون کیا کہ تم ایک روز اور ٹھہرو گے۔'' ساشا نے عصام سے نظریں چراتے ہوئے کہا۔ عصام نے ندامت بھری نظروں سے ساشا کی طرف دیکھا۔

''اس معاملے میں تم سے شرمندہ ہوں۔ میں نے یہ سوچا کہ میں جا تو رہا ہوں۔ ایک دن سے کیا فرق پڑتا ہے لیکن یہ تو تمہارا احساس ہے کہ تم اس قدر پریشان ہو گئی۔ سوری بابا۔ دو دن بعد تم سے ملا ہوں۔ اب ایسا دشمنوں والا سلوک تو نہ کرو۔''

عصام نے مسکراتے ہوئے ساشا کے سامنے اپنے ہاتھ جوڑ دیئے۔

ساشا نے مسکراتے ہوئے اس کے ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں میں لے لیا۔

''شکر ہے تم خیریت سے پہنچ گئے۔''

''ہاں آج کل تو میں زندگی اور موت سے آنکھ مچولی کھیل رہا ہوں۔'' عصام نے تھکے تھکے انداز میں اپنی گردن کو ایک طرف گرا لیا۔

''کیا بات ہے۔ تم لاہور کس کام سے گئے۔'' ساشا نے گہری نظر سے عصام کی طرف دیکھا۔

''ارے چھوڑو اس بات کو یہ دیکھو میں تمہارے لئے کیا لایا ہوں۔'' عصام نے اپنے ہاتھ میں تھاما ہوا شاپر کھولا۔ اس شاپر میں ساشا کے لئے خوبصورت جوڑا اور کانچ کی چوڑیاں تھیں۔ عصام نے چوڑیاں اور سوٹ ساشا کی طرف بڑھائیں۔

''تمہیں یہ رنگ پسند ہے نا۔ اس لئے میں نے تمہارے لئے یہ رنگ خریدا ہے اور یہ اس کے ساتھ کی چوڑیاں۔''

ساشا کی آنکھیں خوشی سے دمکنے لگیں۔ اس نے چوڑیوں کی پیکنگ کھولی۔

''بہت خوبصورت ہے جس خلوص سے تم میرے لئے یہ تحفے لائے ہو اس کا کوئی مول نہیں ہے۔ تمہیں معلوم ہے کہ کل کیا دن ہے۔''

''نہیں۔'' عصام نے لاعلمی کا اظہار کیا۔

''کل عید ہے۔ کل میں یہ سوٹ اور چوڑیاں پہنوں گی۔''

عصام ساشا کی بات سن کے گہری سوچ میں پڑ گیا۔

''تم کیا سوچنے لگے۔'' ساشا نے کہا۔ ساشا کی آواز پر عصام نے جھرجھری سی لی۔

''حالات کی تلخیاں ہم سے کتنی خوشیاں چھین لیتی ہیں۔ دل چاہ رہا ہے کہ کل امی اور بہنوں کے پاس جاؤں لیکن میں نے قسم کھائی ہے کہ جب تک اپنے دامن سے گناہوں کے داغ نہیں دھولوں گا ان کے سامنے نہیں جاؤں گا۔'' یہ بات کہتے ہوئے عصام کی آنکھیں بھیگ گئیں۔

''اگر تم نے قسم کھائی ہے تو خود میں حوصلہ پیدا کرو۔ جتنا سوچو گے غم کے دلدل میں ڈوبتے جاؤ گے۔ کیونکہ ہمارے دلوں میں تو غم ہی دفن ہیں۔ خوشیاں ہماری ہیں ہی نہیں۔'' ساشا نے عصام کا ہاتھ تھامتے ہوئے اسے دلاسا دیا۔ اگلے روز بہت خوبصورت سماں تھا۔ ہر طرف عید کی خوشیوں کی چہل پہل تھی۔ گاؤں کے بچے صبح ہی صبح رنگا رنگ کپڑے پہن کے تیار ہو گئے تھے۔ مرد حضرات عید کی نماز کے لئے تیاری کر رہے تھے۔ مولوی صاحب عصام کے لئے نیا جوڑا لے کر آئے۔

''بیٹا! یہ ہماری طرف سے پہن لو۔ عید کے روز نیا سوٹ پہننا کارِ ثواب ہے۔''

عصام نے خوشی سے ان کا تحفہ قبول کیا۔ تیار ہو کے وہ اور مولوی صاحب نماز کے لئے چلے گئے۔ وہ دونوں نماز پڑھ کے آئے تو میمونہ اور ساشا نے انتہائی خوبصورت لباس پہنے ان کا استقبال کیا۔ ان دونوں نے آگے بڑھ کے مولوی صاحب اور عصام کو سلام کیا تو مولوی صاحب نے ان دونوں کو عیدی دی۔ ساشا نے مسکراتے ہوئے عصام کے آگے اپنا ہاتھ کھول دیا۔

''ہماری عیدی.....'' ساشا نے عصام کا دیا ہوا جوڑا پہنا ہوا تھا۔ وہ اس لباس میں بہت خوبصورت لگ رہی تھی۔ اس کے معصوم سے چہرے پہ شوخ مسکراہٹ بکھری ہوئی تھی۔ عصام کی نگاہیں تھوڑی دیر کے لئے اس کے

چہرے پہ ٹھہر سی گئیں۔

عصام جب بھی اس کے کتابی چہرے کو گہری نظر سے دیکھتا تو وہ کھو کے رہ جاتا۔ ہمیشہ کی طرح آج بھی اس کے دل کی بات اس کے چہرے پہ کندہ تھی۔ وہ یکطرفہ جذبے کی پجارن وفا و ایثار کا پیکر تھی۔ عصام نے ہزار روپے کا نوٹ ساشا کے ہاتھ پہ رکھا۔

''دونوں تقسیم کرلو۔''

دونوں مسکراتی ہوئیں وہاں سے چلی گئیں۔ قربانی کے بعد ساشا اور میمونہ نے رنگا رنگ ڈشز تیار کیں۔ دوپہر کا کھانا انہوں نے اکٹھے بیٹھ کے کھایا۔ مولوی صاحب ساشا اور میمونہ کی تعریف کر رہے تھے کہ انہوں نے اس قدر لذیز ڈشز اتنی جلدی تیار کر دیں۔ سب بہت خوش تھے لیکن ساشا نے عصام کی مسکراہٹ کے پیچھے چھپی اداسی کو پڑھ لیا۔ وہ خوش دکھائی دینے کی ناکام کوشش کر رہا تھا۔ نوالہ جیسے اس کے حلق سے ہی نہیں اتر رہا تھا۔

''عصام! تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے نا۔'' ساشا نے عصام کی طرف دیکھا۔

''ہاں۔'' عصام بوکھلا سا گیا۔

''تم کھانا ٹھیک سے نہیں کھا رہے۔''

وہ ساشا کو کیا جواب دیتا۔ اپنی ماضی کی یادوں کی راکھ کریدتے کریدتے وہ کہیں سے کہیں پہنچ گیا۔ اپنوں سے دور رہ کر عید منانے کا یہ ڈھنگ اس کے لئے خوشیوں کی بجائے غم لے کر آیا تھا۔

ساشا کی بات سن کر عصام کے ہاتھ پلیٹ میں ہی رہ گیا وہ کچھ سوچنے لگا۔ پھر اس نے بمشکل نوالہ زہر مار کر لیا اور پلیٹ پیچھے کرتے ہوئے چٹائی سے اٹھتے ہوئے کہنے لگا۔

''آپ لوگ کھائیں مجھے بھوک نہیں ہے۔''

عصام کے اٹھ جانے سے ساشا کی بھی بھوک ختم ہو گئی لیکن وہ مولوی صاحب کا دل رکھنے کے لئے کھاتی رہی۔ کھانے سے فارغ ہونے کے بعد ساشا ٹرے میں فروٹ لئے عصام کے پاس گئی اور اس کے پاس بیٹھ کر سیب کاٹنے لگی۔

''تم نے کھانا ٹھیک طرح سے نہیں کھایا اور سیب کھالو۔''

ساشا نے سیب کی قاشیں عصام کی طرف بڑھائیں۔

''پلیز ساشا مجھے مجبور مت کرو میرا کچھ کھانے کو دل نہیں چاہ رہا۔'' عصام دوسری طرف منہ کئے سر جھکائے بیٹھا تھا۔ ساشا نے پلیٹ ایک طرف رکھتے ہوئے اس کے شانے پے ہاتھ رکھا۔

''کیا بات ہے عصام! اس قدر پریشان کیوں ہو؟''

ساشا کی بات سن کے بھی وہ خاموش رہا۔ ساشا نے اسے ایک بار پھر اپنی طرف متوجہ کیا۔

''مجھے بھی نہیں بتاؤ گے۔ تم بھلے مجھ سے اپنا دکھ چھپاؤ لیکن میں تمہارا چہرہ پڑھ لیتی ہوں''

عصام نے سر اوپر اٹھاتے ہوئے ساشا کی طرف دیکھا۔ اس کی نگاہیں بھیگی ہوئی تھیں۔

''آج امی اور بہنوں کی بہت یاد آ رہی ہے۔ یادوں کا تند طوفان مجھے ان کی طرف گھسیٹے لے جا رہا ہے اور میرے پیروں میں بیڑیاں پڑی ہیں۔ چند لمحوں کے لئے بھول جاتا ہوں کہ میں کیا بن گیا ہوں۔ لگتا ہے کہ میں وہی عصام ہوں۔ بزدل اور سہما ہوا۔ ہمارے گھر میں نہ ہی دولت تھی اور نہ ہی آسائشیں لیکن ہمارے پاس محبتیں تھیں۔ رزق حلال کا ایک سوکھا ٹکڑا بھی ہماری رگوں میں اتر کے ہمارے دل و دماغ کو سکون و طمانیت بخشتا تھا ہم چھوٹی چھوٹی خوشیوں کے سہانے خواب دیکھتے دیکھتے سو جاتے تھے لیکن وہ نیند بڑی میٹھی ہوتی تھی۔ سبین میرے بال زور زور سے کھینچتی تب جا کے میرے آنکھ کھلتی۔'' یہ فقرہ کہتے کہتے عصام مسکرا دیا۔ لیکن اس مسکراہٹ میں اس کے لب کانپ رہے تھے۔

''خود کو سنبھالو عصام! خود کو اتنی اذیت مت دو۔ نہ جانے ابھی ہم نے کتنی اذیت اور سہنی ہے۔ تم آنٹی کو فون کر لو۔'' ساشا نے عصام کو سمجھایا۔ عصام نے بھیگی نظروں سے ساشا کی طرف دیکھا۔

''تم بار بار کیوں کہتی ہو کہ ہمیں نہ جانے کتنی اذیتیں اور سہنی ہیں۔ کیا تمہیں یقین نہیں ہے کہ پولیس کو ساری حقیقت بتانے کے بعد ہم ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ان مصائب سے بری الذمہ ہو جائیں گے۔''

''پتہ نہیں عصام! یہاں موت کے سوداگروں کی حکومت ہے۔ یہاں سب کچھ بکتا ہے ایمان بھی اور انصاف بھی۔ بعض اوقات ہمارے محافظ ہی ان شیطانوں کی سرپرستی شروع کر دیتے ہیں اور ہم جیسے لوگوں کو ان کی آس ہی ڈبو دیتی ہے۔ کشتی کا کیا ہے۔ گرداب سے بچ کے کنارے کے قریب ڈوب جائے۔'' ساشا نے

مایوس کن لہجے میں کہا۔

''مایوسی کی باتیں مت کرو۔ انشاء اللہ ایسا نہیں ہوگا بشرطیکہ شہباز کے ہاتھوں سے بچ کے زندہ وسلامت پولیس تک پہنچ جائیں۔'' عصام نے ساشا کو تسلی دی۔

ساشا نے عصام کی بات کو نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔

''فی الحال تم باتیں چھوڑو پہلے امی کو فون کرو۔ میں بھی ان سے بات کروں گی۔''

انتہائی سنجیدگی میں عصام ہنس پڑا۔

''تم کیا بات کرو گی۔ وہ کہیں گی تم کون ہو تو کیا بتاؤ گی وہ تو کچھ اور ہی سمجھ بیٹھیں گی۔'' عصام نے یہ سب بے تکلفی میں کہہ دیا۔ اسے اندازہ ہی نہ ہوا کہ ساشا کے دل پے کیا گزری ہوگی۔ اس کا دل کرچی کرچی ہو کے رہ گیا۔ وہ جس بات کو بار بار نظر انداز کرتی تھی وہ عصام نے اتنی آسانی سے کہہ دی۔

وہ عصام کی طرف دیکھتی ہی رہ گئی۔ پھر اس نے دوسری طرف منہ کرتے ہوئے کہا۔

''انسان کو اپنائیت میں اتنا اندھا نہیں ہونا چاہئے کہ حقیقت بھول جائے۔ تم نے اچھا کیا جو مجھے آئینہ دکھا دیا۔'' ساشا نے عصام کی طرف مڑتے ہوئے اس کے چہرے پہ اپنی نگاہیں گاڑ دیں۔

''میں جانتی ہوں تم میرے لئے بہت کچھ ہو۔ میرا یہ دعویٰ ہے کہ دنیا کی کوئی لڑکی تمہیں اتنا نہیں چاہ سکتی۔ جتنا میں تمہیں چاہتی ہوں۔ لیکن میرا جذبہ بے لوث ہے۔ مجھے بدلے میں تم سے کچھ نہیں چاہئے۔''

عصام خاموشی سے کھڑا ساشا کی بات سن رہا تھا۔ اس کی زبان گنگ ہو کے رہ گئی۔ شاید اس کے پاس ساشا کی باتوں کا جواب نہیں تھا۔

ساشا تیز تیز قدم چلتی ہوئی وہاں سے چلی گئی۔ عصام سر پکڑ کے بیٹھ گیا۔

''ساشا! جب تم حقیقت جانتی ہو تو پھر مجھے اور خود کو پریشان کیوں کرتی ہو۔''

عصام اس سوچ میں تھا کہ وہ امی سے کس طرح بات کرے۔ اس کے اندر حوصلہ نہیں ہو پا رہا تھا کہ وہ اپنی ماں کا سامنا کرے۔

وہ بے چینی سے کمرے میں ٹہلنے لگا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اس کی ماں اس سے سوال کرے۔ جن کے جواب

اس کے پاس نہیں ہوں گے اور نہ ہی وہ اپنے اور ان کے درمیان کھنچے فاصلے کو لفظوں میں سمیٹ سکے گا۔
وہ کافی دیر تک اسی ذہنی الجھاؤ کا شکار رہا۔ پھر اچانک اس نے گھر کا نمبر ڈائل کیا۔ فون رفیقہ نے ہی اٹھایا۔
''ہیلو۔''
عصام موبائل کان سے لگائے خاموش کھڑا تھا۔ رفیقہ مسلسل ہیلو ہیلو کہتی رہی لیکن عصام کی زبان جیسے گنگ ہوگئی تھی۔
رفیقہ فون بند کرنے لگی تو عصام یکلخت ہی بولا۔ ''میں ہوں عصام۔''
''عصم .....'' رفیقہ کی آواز کانپنے لگی۔
ماں کی آواز سن کے عصام کا دل جیسے اس کی مٹھی میں آ گیا۔
''امی آپ کیسی ہیں۔''
''کیا تیرے دل کو نہیں پتا۔ کہ میں کیسی ہوں۔ بیمار ماں کو بڑھاپے میں سسکنے کے لئے چھوڑ دیا ہے۔''
رفیقہ گلوگیر لہجے میں بولی۔
''میں جانتا ہوں کہ آپ مجھ سے ناراض ہیں آپ کی ناراضگی دور کرنے کے لئے میں آپ سے دور ہو گیا ہوں۔''
''تم ٹھیک تو ہو نا۔''
''ہاں ٹھیک ہوں آپ کی صحت کیسی ہے۔ دوا ٹھیک طرح سے لیتی ہیں۔''
''بیٹا مجھے دوا کی ضرورت نہیں ہے مجھے تو تمہارے غم نے مار ڈالا ہے۔ میری خفگی کی وجہ تم جانتے ہو۔ ماں کو منانے کے بجائے خود روٹھ کے بیٹھ گئے ہو۔''
''اماں! آپ بھول رہی ہیں آپ نے مجھے کہا تھا کہ جب تک اپنی ذات سے گناہوں کی سیاہی نہ دھولوں آپ کے سامنے نہ آؤں۔''
''بیٹا یہ جو میں تم سے بات کر رہی ہوں یہ تو میری ممتا کی مجبوری ہے ورنہ ناراضگی تو اپنی جگہ قائم ہے۔ تم نے مجھے دنیا میں بھی رسوا کیا اور آخرت میں بھی۔ کتنی ہی بڑی مجبوری کیوں نہ ہوتی تم کوئی بھی خسارہ برداشت کر

لیتے لیکن گناہوں کے اس راستے پے قدم نہ رکھتے۔ ان شیطانوں کے پھینکے ہوئے جال میں ہی دم توڑ دیتے لیکن معصوم لوگوں کو ان کا ایندھن نہ بناتے۔ میں اپنے بیٹے کی موت پے رو کے چپ کر جاتی لیکن قاتل بن کے تو تم میرے لئے جیتے جی مر گئے۔'' رفیقہ بے اختیار رونے لگی۔

ماں کی بات سن کے عصام کی بھی آنکھیں بھیگ گئیں۔

''اماں! میں آپ کو آپ کا بیٹا واپس ضرور لٹاؤں گا۔ اس کے لئے مجھے کتنی ہی مشکلات سے کیوں نہ گزرنا پڑے۔ میں سر پے کفن باندھ کے دہشت گردی کے خلاف نکل پڑا ہوں۔ بس آپ اب میرے لئے دعا کریں۔ میں ان شیطانوں کو ان کے انجام تک پہنچا کے ہی اپنے گناہوں کا کفارہ ادا کر سکتا ہوں۔ میں سلطانی گواہ بن کے خود کو پولیس کے حوالے کر دوں گا۔''

عصام کی بات سن کے رفیقہ کو ایک جھٹکا لگا۔ جس سے اس کی دل و دماغ کانپ کے رہ گئے۔

لیکن اس کی مری مری آواز میں عصام کے لئے صرف حوصلہ ہی تھا۔ اس کی زبان سے کوئی ایسا جملہ ادا نہ ہوا جو عصام کے ارادوں کو کمزور کر دے۔ اس نے اپنے سینے پے جیسے پتھر رکھ لیا۔

''مجھے تم پے فخر ہے میں سجدہ میں گر کے اپنے پروردگار کا شکر ادا کروں گی کہ اسنے مجھے میرا بیٹا لوٹا دیا خدا تمہیں اس مقصد میں کامیاب کرے۔ تمہیں ان شیطانوں کے شر سے بچائے.....'' بات کرتے کرتے رفیقہ رو پڑی۔ عصام بے چین ہو گیا۔

''کیا ہوا امی! آپ رو کیوں رہی ہیں۔''

''مجھے صرف ایک بار اپنی شکل دکھا جاؤ۔'' رفیقہ نے گلوگیر آواز میں کہا۔

''امی یہ میرے لئے کسی خطرے سے خالی نہیں ہے۔ شہباز کے بندے میری تلاش میں وہاں موجود ہوں گے۔''

''تو جہاں ہے مجھے وہاں کا پتہ بتا دے میں آ جاؤں گی۔''

عصام سوچ میں پڑ گیا۔ پھر کچھ دیر بعد اس نے کہا۔

''ٹھیک ہے اماں! میں کل آنے کی کوشش کروں گا۔ آج تہوار ہے آج کا دن مناسب نہیں ہے۔ اب تو آپ اپنے آنسو پونچھ لیں۔''

''بیٹا میں تمہارا انتظار کروں گی۔''

''انشاءاللہ میں ضرور آؤں گا۔'' عصام نے پرامید لہجے میں کہا۔اس کے بعد عصام نے فون بند کر دیا۔وہ سکون کا ایک لمبا سانس کھینچتے ہوئے دیوار سے ٹیک لگا کے بیٹھ گیا۔

''میں سمجھتا تھا کہ ماں سے بات کرنے کے بعد میں کمزور پڑ جاؤں گا لیکن ماں کی باتوں نے تو مجھے اور پہاڑ بنا دیا ہے۔'' اس نے خود کلامی کے انداز میں کہا۔

پھر اسے ساشا کا خیال آیا کہ ساشا کو فون کے متعلق بتاؤں وہ اس کمرے سے باہر نکل کے میمونہ کے کمرے کی طرف بڑھا۔ اس کے کھڑکی سے دیکھا ساشا اور میمونہ دونوں باتوں میں مشغول تھیں اس نے ساشا کو باہر آنے کا اشارہ کیا۔اس کمرے کے قریب ہی مولوی صاحب کا کمرہ تھا جہاں وہ ٹی وی لگائے بیٹھے ہوئے تھے۔ عید کی مناسبت سے کوئی کامیڈی ڈرامہ لگا ہوا تھا جس کی آواز باہر تک آ رہی تھی۔

ساشا کمرے سے باہر نکلی کہ اچانک ایک عجیب سی خبر اس کے کانوں سے ٹکرائی وہ دونوں یکساں اس خبر کی طرف متوجہ ہو گئے۔

ڈرامے کا سلسلہ منقطع کر کے خصوصی بلیٹن پیش کیا گیا تھا۔وہ دونوں دوڑتے ہوئے اس کمرے میں پہنچ گئے۔ان دونوں کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔مولوی صاحب بھی ششدر نگاہوں سے ٹی وی کی طرف دیکھ رہے تھے۔ٹی وی سکرین پر عصام کی تصاویر تھیں لیکن سرجری سے پہلے کی اور بعد کی یہ خصوصی بلیٹن عصام کے لئے تھا۔نیوز کاسٹر کہہ رہی تھی۔

وہ مکمل تفصیل بتا رہی تھی جس کے مطابق عصام نامی دہشت گرد جو فیس سرجری کے بعد اپنا چہرہ بدلوا چکا ہے لاہور یا اس کے قریبی دیہی علاقوں میں موجود ہے۔اس کے بعد عصام کے جرائم کی تفصیل بیان کی گئی جس میں وہ مووی چلائی گئی جس کے ذریعے اب تک شہباز اسے بلیک میل کرتا رہا۔اس مووی میں عصام ایک بوڑھے شخص کو قتل کرنے کی اور گرلز کالج میں بم رکھنے کی تصاویر تھیں۔اس کے علاوہ اور بھی تصاویر تھیں جن کے ذریعے عصام کو کئی جرائم میں ملوث کیا جا رہا تھا۔عصام کی گرفتاری پہ انعام رکھا گیا۔عصام کا سر چکرا کے رہ گیا۔

''اوہ میرے خدایا! یہ سب کیا ہو گیا۔'' پھر اس کی آنکھوں میں خون کھولنے لگا۔

''شہباز تو نے اپنے سارے الزمات میرے سر پے ڈال دیئے۔ تو مجھے جرائم کے اس ہالے میں قید نہیں کر سکتا۔ اگر پھانسی کا پھندا میرے گلے میں پڑے گا تو زندہ میں تجھے بھی رہنے نہیں دوں گا۔''

بلیٹن ختم ہوتے ہی مولوی صاحب نے ٹی وی بند کر دیا اور تشویش ناک نگاہوں سے عصام کی طرف دیکھا۔

''یہ سب کیا ہے.....''

''میں آپ کو سب کچھ بتا چکا ہوں اس کی روشنی میں آپ بخوبی سمجھ سکتے ہیں کہ یہ سب کیا ہے۔'' عصام انتہائی پریشانی میں بولا۔

ساشا جہاں کھڑی تھی وہیں سن ہو کے رہ گئی تھی۔ اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا۔ اس نے عصام کے شانے پر ہاتھ رکھا۔

''آؤ باہر بیٹھتے ہیں۔''

دونوں کمرے سے اٹھ کے باہر صحن میں سکھ چین کے درخت کے قریب بچھی ہوئی چارپائی پر بیٹھ گئے۔ دس پندرہ منٹ تک وہ دونوں سر جھکائے خاموش بیٹھے رہے۔ شاید ان کے پاس ایک دوسرے کو سمجھانے کے لئے الفاظ نہیں تھے۔

ساشا نے اعصام کی طرف دیکھا۔ ایک ہی لمحے میں اس کا چہرہ اتر کے رہ گیا تھا۔

''عصام! میری طرف دیکھو۔''

عصام اپنی بھنوؤں کو سکیڑ رہا تھا۔ اس سے ساشا کو شک ہوا کہ وہ رو رہا ہے۔

اس نے ساشا کی طرف دیکھا تو اس کی آنکھیں بھیگ کے لال انگارہ ہو رہی تھیں۔

''عصام!'' ساشا جیسے کانپ کے رہ گئی۔

''یہ تم اپنے ساتھ کیا کر رہے ہو۔ تم نے تو کہا تھا کہ تم ہمت نہیں ہارو گے۔''

''ساشا! ہم جس مقصد کی روشنی میں آگے بڑھ رہے تھے اس نے وہ روشنی ہی ہم سے چھین لی ہے۔ اب ہمارے رستے میں صرف اندھرا ہی اندھیرا ہے۔''

''عصام مایوسی کی باتیں مت کرو ہم اتنے کمزور نہیں ہیں کہ شہباز کے بچھائے ہوئے جال سے نکل نہ سکیں۔''

عصام نے احساس سے بھرپور انداز میں ساشا کی طرف دیکھا اور پھر اس کے ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں میں تھام لیا۔

''میری بات غور سے سنو! ہم ایسے موڑ پر کھڑے ہیں جہاں ہمیں انتہائی حقیقت پسندی سے کام لینا ہے۔ جس سوچ کے تحت ہم نے اس راستے اکٹھے قدم رکھا تھا وہ سوچ مختلف زاویوں میں بکھر گئی ہے۔ پہلے خود کو پولیس کے حوالے کرتا تو میری حیثیت اور ہوتی لیکن اب میری حیثیت صرف ایک کریمنل کی رہ گئی ہے۔ میں مزید دیر نہیں کرنا چاہتا۔ میں خود کو کل ہی پولیس کے حوالے کر دوں گا چاہے اس کا انجام کچھ بھی ہو۔ اگر پھانسی ہو گئی تو بھی وہ ایسی زندگی سے بہتر ہے۔ مجھے شہباز جیسے درندوں کو ان کے انجام تک پہنچانا ہے۔ اس کے علاوہ میری زندگی کا کوئی اور مقصد نہیں۔ بس تم میری خوشی کے لئے مجھ پے ایک احسان کر دو مجھے ایک جنگ کے لئے تنہا چھوڑ دو۔ میں تمہاری زندگی داؤ پہ نہیں لگا سکتا۔''

ساشا تہہ دل سے عصام کی باتیں سن رہی تھی جس کا احساس آنسو بن کے اس کی نگاہوں سے چھلک رہا تھا۔ اس نے اپنی بھیگی ہوئی نگاہیں عصام کے چہرے پہ گاڑ دیں۔

''تم نے اتنی بڑی بات اتنی آسانی سے کہہ دی کیا تم ابھی تک مجھے سمجھے نہیں ہو۔ میرے دل کی کیفیت تمہارے دل سے مختلف نہیں میں بھی کل تمہارے ساتھ چلوں گی۔ اس کا انجام کچھ بھی ہو۔ میں تمہیں اس جنگ میں اکیلا نہیں چھوڑوں گی۔''

عصام خاموشی سے ساشا کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اس کی نگاہیں وفا کے ستاروں سے دمک رہی تھیں۔

''میں بہت بدقسمت ہوں کہ تمہارے لئے اپنے جذبات کو وفا نام نہیں دے سکا۔ ورنہ جو تمہاری وفا پالے وہ اس دنیا سے بے خبر ہو جائے۔''

''تمہارا یہ سچا اور کھرا پن ہی مجھے لے ڈوبا ہے۔'' یہ سن کے ساشا روتے روتے مسکرا دی۔

عصام بھی اسی انداز میں مسکرا دیا۔

''شاید ہی کوئی لمحہ ہو جب ہم نے خوشیاں شیئر کی ہوں ورنہ تو ہم اکثر اکٹھے بیٹھ کے روئے ہی ہیں۔''

مولوی صاحب سمجھ تو گئے تھے کہ یہ کسی کی چال ہے لیکن عصام سے سوال کرنے کا مقصد بات کی تفصیل جاننا

تھا وہ اپنے کمرے سے باہر صحن میں بیٹھا ہوا تھا ساشا اندر کمرے میں میمونہ کے پاس چلی گئی تھی۔

مولوی صاحب عصام کے پاس بیٹھ گئے اور اسے سمجھانے لگے۔

''میں نے فیصلہ کرلیا ہے۔ میں کل خود کو پولیس کے حوالے کردوں گا لیکن اس کے لئے مجھے آپ کے تعاون کی ضرورت ہے.....'' عصام نے کہا۔

''تم ایک بار کہو تو سہی مجھ سے جو کچھ ہوسکا میں کروں گا۔''

''ساشا بضد ہے کہ وہ میرے ساتھ جائے گی جبکہ میں اسے ساتھ لے جانا نہیں چاہتا۔ میں نے اسے کہا ہے کہ ہم کل دوپہر کے کھانے کے بعد نکلیں گے جبکہ میرا ارادہ یہ ہے کہ فجر کی نماز پڑھتے ہی میں یہاں سے نکل جاؤں۔ جس طرح بھی ہوسکے آپ نے ساشا کو روکنا ہے میں اسے آپ کے حوالے کر کے جارہا ہوں اس کا خیال رکھنا۔''

''تم نے ساشا کو میرے حوالے کر کے اپنائیت کا ثبوت دیا ہے۔ جیسی میمونہ میری بیٹی ہے ایسی ہی ساشا ہے۔ ساشا کی طرف سے تم بے فکر رہو۔ تمہارا عزم قابل ستائش ہے۔ خدا کی ذات پہ بھروسہ کر کے بے خوف خطر اس میدان میں کود جاؤ.....'' مولوی صاحب نے کہا۔

صبح کے چار بجے مولوی صاحب نیند سے بیدار ہوئے تو انہوں نے عصام کو بھی جگادیا۔ وہ رات کو ساشا کے سامان سے فائل نکال چکا تھا جس میں شہباز اور اس جیسے کئی دوسرے شیطانوں کے خلاف ثبوت تھے اور ان خفیہ ٹھکانوں کی تفصیل تھی۔ اس فائل کے ذریعے پولیس بآسانی ان سمگلرز تک پہنچ سکتی تھی۔

مولوی صاحب عصام کے پاس اپنا کرتہ اور شلوار لے کر آئے جس کے ساتھ سر پر باندھنے کے لئے رومال بھی تھا۔

''بیٹا یہ پہن لینا تم اس بہروپ میں ہی سفر کرسکتے ہو۔ ورنہ لوگ تم پہ چیلوں کی طرح جھپٹ پڑیں گے۔''

عصام نے حیرت سے مولوی صاحب کی طرف دیکھا۔

''میں ابھی یہی سوچ رہا تھا کہ مجھے کہیں سے ایسا لباس مل جائے۔'' یہ کہہ کے عصام کپڑے لے کر غسل خانے میں چلا گیا۔

وہ کپڑے بدل کے باہر آ گیا اور اپنے بیگ سے کوئی چیز ڈھونڈنے لگا۔ وہ یہ سب کام انتہائی تیزی میں کر رہا تھا۔ اسے ڈر تھا کہ کہیں ساشا جاگ نہ جائے۔

اس نے بیگ سے ایک ڈبہ نکالا اس ڈبے میں فیس ماسک اور اس قسم کا دوسرا سامان تھا۔ عصام نے نقلی داڑھی اور مونچھ نکالی اور آئینے کے سامنے کھڑا ہو کے اسے اپنے چہرے پہ فکس کرنے لگا۔

داڑھی مونچھ سیٹ کرنے کے بعد اس نے رومال سر پہ اوڑھ لی۔ تھوڑی سی تبدیلی نے عصام کو بدل کے رکھ دیا۔ اسے کوئی نہ پہچان سکتا تھا۔

فجر کی اذان کی آواز کانوں سے ٹکرائی تو وہ درود شریف کا ورد کرنے لگا۔ یہ مولوی صاحب کی آواز تھی وہ بروقت مسجد پہنچ چکے تھے۔

عصام نے ایک چھوٹا سا ہینڈ بیگ لیا۔ کھڑکی کے قریب بچھی چارپائی پہ ساشا بے خود سو رہی تھی۔ عصام کی نگاہیں اس کے چہرے پہ ٹھہر گئیں۔

''تمہارے جذبات کی طرح تمہارا چہرہ بھی معصوم ہے۔ زندگی کا وہ حصہ جو تمہارے ساتھ گزارا اس کی تلخیوں میں تم نے اپنی محبت کی مٹھاس بھر دی۔ اب جا رہا ہوں تو جیسے میری دونوں ہاتھ خالی ہیں۔ سب کچھ کھو کے جا رہا ہوں کیونکہ مجھے اپنی واپسی کی امید نہیں ہے۔'' عصام من ہی من میں خود سے باتیں کر رہا تھا۔ پھر اس نے سلاخ کو تھامتے ہوئے سرگوشی کے انداز میں کہا۔

''خدا حافظ۔ اپنا خیال رکھنا۔'' یہ کہہ کے اس نے خود کو سنبھالا اور تیز تیز قدم چلتے ہوئے گیٹ سے باہر نکل گیا۔ تو یکدم اسے ماں کا خیال آ گیا جس سے اس کی نگاہیں بھیگ گئیں۔ اس کے دل میں آیا کہ وہ پہلے اپنی ماں سے ملے پھر پولیس اسٹیشن جائے لیکن پھر حقیقت پسندی سے کام لیتے ہوئے اس نے اپنا ارادہ ترک کر دیا اس وقت تو کوئی رسک نہیں لے سکتا تھا۔ جس طرح موت کے قریب جا کے زندگی اور اس سے متعلقہ رشتے انسان کو اپنی طرف کھینچنے لگتے ہیں بالکل اسی طرح محبتوں میں جڑے رشتے یکے بعد دیگرے اس کے دل کو کرید رہے تھے۔ چند لمحوں کے لئے تو وہ ایسا بے بس ہوا کہ من میں آیا کہ ان رشتوں کو چھوڑ کے کہیں نہ جائے لیکن وقت ریت کی طرح جیسے اس کے ہاتھ سے پھسل رہا تھا۔

بالآخر اس نے ایک ایک کر کے رشتے کی ہر زنجیر سے اپنے پاؤں چھڑا لئے۔

اس نے مسجد میں فجر کی نماز ادا کی اور پروردگار سے اپنے مقصد کی کامیابی کی دعا مانگی۔ مولوی صاحب سے ملنے کے بعد وہاں سے چل پڑا۔ لاہور تک کا سفر اس نے بہت ہوشیاری سے طے کیا۔

لاہور پہنچتے ہی وہ سیدھا پولیس اسٹیشن گیا۔ پولیس والے اسے پہچان نہ سکتے تھے۔ وہ ایک پولیس افسر کے کمرے میں داخل ہوا۔ چھ نہتے سپاہی دیوار کے ساتھ چوکس کھڑے تھے۔ پولیس افسر کوئی فائل دیکھنے میں مصروف تھا۔

عصام نے سلام کیا تو اس نے عصام کی طرف دیکھا اور سلام کے جواب میں اثبات میں سر ہلا دیا۔

''آؤ بیٹھو! کیا بات ہے۔''

عصام بلند پایہ حوصلے سے پولیس اسٹیشن داخل ہوا تھا لیکن افسر کے سوال پے اس کی زبان لڑکھڑا گئی۔ وہ یکلخت نروس ہو گیا لیکن اس نے اپنی ساری قوتیں مجتمع کیں اور خود کو ایک بار پھر مضبوط کیا۔

''جو کہنا ہے جلدی کہو ہم لوگوں کے پاس اتنا ٹائم نہیں ہوتا۔'' سب انسپکٹر نے اسے گھورتے ہوئے کہا۔

عصام نے بلا تامل کہا۔

''میں خود کو پولیس کے حوالے کرنے آیا ہوں۔''

انسپکٹر نے اسے مشکوک نظروں سے دیکھا۔

''تم ہو کون۔'' عصام نے اپنی داڑھی مونچھیں اور اپنے سر پے باندھا ہوا رومال اتار دیا۔

انسپکٹر کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ وہ زوردار آواز میں بولا ''Arrest him'' سپاہیوں نے اس کے گرد گھیرا ڈال لیا۔

عصام نے پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ انہیں دیکھا وہ نہ جانے ان پے ہنسا یا خود پے۔

تھوڑی ہی دیر بعد ایس پی کبیر کی گاڑی پولیس اسٹیشن کے تھوڑی ہی دیر بعد رکی تو پولیس اسٹیشن کے باہر اخباری رپورٹرز کا ایک ہجوم اکٹھا ہو گیا۔

ایس پی پولیس اسٹیشن داخل ہوا تو اس کے ماتحت افسران سلوٹ مارتے ہوئے اپنی اپنی جگہ پر چوکس ہو

گئے۔ایس پی انہیں نظر انداز کرتے ہوئے حوالات کی طرف بڑھا۔اخباری رپورٹرز حوالات میں قید عصام کی تصاویر بنا رہے تھے۔

ایس پی برہم ہو کے واپس لوٹا اور انسپکٹر سے مخاطب ہوا۔

''یہ سب کیا ہو رہا ہے۔''

''سر لگتا ہے کہ آپ نے قیدی کو غور سے نہیں دیکھا۔''انسپکٹر نے کہا۔

''شکل میں نے کیا دیکھنی تھی میرا دماغ تو ان رپورٹرز نے خراب کر دیا ہے۔ہماری کارروائی سے پہلے یہ لوگ پہنچ جاتے ہیں۔میں نے تمہیں کتنی بار کہا ہے کہ جب تک ہماری کارروائی مکمل نہ ہو ان رپورٹرز کو مت آنے دیا کرو۔''ایس پی غصے میں بولا۔

''غلطی ہو گئی سر! آپ خوشخبری سنیں گے تو آپ کا سارا غصہ ہوا ہو جائے گا۔''

''مجھ سے ٹو دی پوائنٹ بات کیا کرو۔''

''سر! جس عصام نامی دہشت گرد کے متعلق ہم نے ٹی وی پر اشتہار دیا تھا اس نے خود کو ہمارے حوالے کر دیا ہے۔وہ شخص حوالات میں بند ہے۔''

''ونڈرفل!''ایس پی کبیر نے سٹک میز پر مارتے ہوئے اپنی خوشی کا اظہار کیا۔

''سر اس نے سوچا ہو گا کہ وہ ہمارے ہاتھوں سے تو بچ نہیں سکتا۔اس لئے خود کو ہمارے حوالے کر دیا ہے۔''

''نہیں! یہ لوگ اس انداز میں نہیں سوچتے ان کے لئے فرار ہونا کوئی مسئلہ نہیں ہوتا اور نہ ہی اس قسم کے اشتہاران کے لئے کوئی اہمیت رکھتے ہیں۔اس کیس کو میں خود ڈیل کروں گا۔تم لوگوں نے اس سے کوئی بات نہیں کرنی۔''ایس پی کبیر نے انسپکٹر کی رائے کو رد کیا۔

''سر اب دیکھئے گا۔ہم اس شخص کے ذریعے دہشت گرد گروہ تک کیسے پہنچتے ہیں۔''

ایس پی کبیر نے اسے سرتاپا دیکھا۔

''میں نے ابھی تھوڑی دیر پہلے کیا کہا تھا کہ اس کیس کو خود ڈیل کروں گا۔جب تک میرا آرڈر نہ ہو تم لوگ کوئی قدم نہیں اٹھا سکتے۔فی الحال تم اٹھو اور صحافیوں کو میرے پاس بھیجو۔''

انسپکٹر اپنی جگہ سے اٹھا اور حوالات کی طرف بڑھا۔ تھوڑی دیر بعد چار صحافی جس میں دو لڑکیاں بھی شامل تھیں۔ ایس پی کے آفس میں داخل ہوئے۔ ایس پی کبیر نے انہیں بیٹھنے کے لئے کہا۔ ایس پی نے ان کے چہروں کو بغور دیکھا اور ٹھہرے ٹھہرے لہجے میں کہنے لگا۔

''یہ ٹھیک ہے کہ آپ اور ہم ایک دوسرے کے بغیر نہیں چل سکتے۔ لیکن ہر کام کے رولز کی اہمیت کا خیال رکھنا چاہیے۔ ابھی ہم نے اس کے خلاف اپنی کارروائی شروع نہیں کی۔ اس کے خلاف پرچہ نہیں درج ہوا۔ اس کا حلفیہ بیان نہیں لیا گیا۔ تو پھر آپ لوگوں کا ابھی اس سے ملنے کا کیا جواز بنتا ہے۔

وہ ایک دہشت گرد ہے اب میں اصل پوائنٹ کی طرف آرہا ہوں۔ عصام نے اپنی گرفتاری خود دی ہے اس کا تعلق ایک بہت بڑے گروہ سے ہے۔ ہم نے اس کے ذریعے اس گروہ تک پہنچنا ہے۔ عصام کی گرفتاری کی خبر آؤٹ نہیں ہونی چاہئے۔ جب تک ہم اپنی کارروائی مکمل نہیں کر لیتے۔''

''آپ کی کارروائی مکمل ہونے میں نہ جانے کتنے روز لگیں۔'' ایک صحافی نے اعتراض کیا۔

ایس پی کبیر نے غصے سے میز پر مکا مارا۔

''مسٹر! آپ صرف اپنا اخبار بیچنے کے لئے اس ملک کو تباہی کے دہانے پے کھڑا مت کریں۔ جب تک میں نہ کہوں آپ یہ خبر نہیں چھاپیں گے۔ اگر آپ نے ایسا کیا تو قانون کے احکامات کی خلاف ورزی پر میں آپ کے خلاف کارروائی کروں گا۔''

ایک خاتون صحافی نے ایس پی کی بات کی تائید کی۔

''ایس پی صاحب ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ ہمارا کام برائی کو روکنا ہے۔ اس کے لئے ہمیں اپنے ذاتی مفاد کی پرواہ نہیں کرنی چاہئے۔'' پھر اس نے ایس پی کبیر کی طرف دیکھا۔ ''آپ کو ہماری طرف سے جس طرح کے تعاون کی ضرورت ہے ہم کریں گے۔ آئندہ یہاں آنے سے پہلے آپ سے اجازت لیں گے۔''

''Thank yŏu'' ایس پی نے شکریہ ادا کیا۔

☆.....☆.....☆

عصام کی ماں ٹی وی پہ خصوصی بلیٹن سن چکی تھی اس پہ غشی طاری ہوگئی تھی۔ وہ ایک بار پھر سینے کے موذی درد

کا شکار ہوگئی۔عصام کی بہنیں یہ خبر سن کے ماں کے پاس دوڑی چلی آئیں۔

عصام اپنی ماں کو تمام حقیقت بتا چکا تھا اس لئے اس نے اپنی بیٹیوں کو بھی تمام حقیقت سے واشگاف کر دیا۔

رفیقہ بستر پہ لیٹی ہوئی تھی۔سبین اس کا سر دبا رہی تھی۔باقی بیٹیاں بھی اس کے گرد بیٹھی ہوئی تھیں۔رفیقہ کی آنکھوں سے آنسو چھلک رہے تھے۔

''اب وہ مجھ سے ملنے کیسے آ سکتا ہے۔اب تو ان درندوں کے ساتھ ساتھ پولیس عصام کی کھوج میں بھی ہے۔اب میرا بیٹا کیا کرے گا۔وہ تو خود اپنے آپ کو پولیس کے حوالے کرنا چاہتا تھا۔لیکن اب وہ کون سا رستہ اختیار کرے گا۔اے میرے خدایا تو نے میرے بیٹے کو اپنی آزمائشوں میں کیوں ڈالا۔''

وہ بیٹی کی گود میں سر رکھے سسکنے لگی کہ یکلخت فون کی رنگ ہوئی۔سبین نے اٹھ کر فون رسیور کیا تو وہ لرز کے رہ گئی۔فون پہ عصام بات کر رہا تھا۔

''کیسے ہو میرے بھائی۔''سبین کی آواز کانپنے لگی۔

''میں ٹھیک ہوں تم ذرا امی کو فون دو۔''عصام کی آواز میں اطمینان تھا۔

رفیقہ پہلے ہی فون کے قریب کھڑی تھیں۔اس نے انتہائی بے چینی میں رسیور لیا۔

عصام کی بات سننے کے بعد اس کا چہرہ اتر گیا۔آنکھیں بھیگ گئیں۔اس کی قوت گویائی سلب ہو کے رہ گئی۔جیسے عصام کی کہی ہوئی بات کے بعد اس کے نزدیک تمام الفاظ بے معنی ہو گئے ہوں۔

لیکن کچھ دیر کے بعد اس کے اپنے لبوں پر مسکراہٹ بکھیر لی۔

''مجھے تم پر فخر ہے۔تم نے خود کو پولیس کے حوالے کر کے اپنے دامن سے گناہوں کے سب داغ دھو ڈالے ہیں۔باقی فیصلہ خداوند کریم پہ چھوڑ دو۔''یہ بات کہتے ہی رفیقہ کی حالت خراب ہوگئی۔عصام پولیس اسٹیشن سے فون کر رہا تھا اس نے فون بند کر دیا۔رفیقہ سیدھی گر گئی بیٹیوں نے چیختے ہوئے ماں کو تھاما۔سبین نے پھرتی سے ایمبولینس کے لئے ہاسپٹل فون کیا لیکن اتنی مہلت ہی نہ ملی رفیقہ کی دل کی دھڑکن بند ہوگئی۔اس کی سانسوں کا رابطہ اس کے جسم سے ختم ہوگیا۔وہ حالات کی ستم ظریفی سے بھاگ کے اجل کی بانہوں میں چھپ گئی۔

☆.....☆.....☆

عصام حوالات میں بیٹھا گہری سوچ میں گم تھا کہ ایک سپاہی ہاتھ میں چابیوں کا گچھا لئے حوالات کی طرف بڑھا۔اس نے آگے بڑھ کے تالہ کھولا۔

''چلو باہر۔'' وہ عصام سے مخاطب ہوا۔

جونہی عصام باہر نکلا دو سپاہیوں نے اسے مضبوطی سے پکڑ لیا۔

''آپ لوگ مجھے کہاں لے جا رہے ہیں۔'' عصام نے پوچھا۔

''بڑے صاحب نے بلایا ہے۔کہاں لے جا رہے ہیں..... زبان کی شیرینی تو سنو۔لاکھوں انسانوں کا قاتل۔ایس پی صاحب نے اس کا کوئی بال بیکا کرنے نہیں دیا ورنہ میں تو ایک رات میں اس کو سیدھا کر دیتا۔'' سلاخوں کے قریب کھڑا ہوا سپاہی بڑبڑا رہا تھا۔

عصام سر جھکائے خاموشی سے ان دو سپاہیوں کے ساتھ چلا گیا۔

سپاہی اسے ٹارچر سیل میں لے گئے۔عصام اس کمرے میں داخل ہوا تو کپکپاہٹ کی ایک لہر اس کے پورے وجود میں دوڑ گئی۔وہ ایک خالی کمرہ تھا جس کے سنٹر میں ایک کرسی اور ایک چھوٹا سا میز پڑا ہوا تھا۔

سپاہی نے عصام کو جھٹکے سے کرسی پے بٹھا دیا۔

عصام نے اردگرد نظر دوڑائی تو اس کی نگاہوں میں خوف کے سائے منڈلانے لگے۔اس کمرے میں مختلف قسم کے اوزار و آلات تھے جن سے قیدیوں کو ٹارچر کیا جاتا تھا۔عصام کی نظر ایک سوئچ بورڈ پہ بھی پڑی جن سے نکلنے والی تاروں ایک کرسی کے ساتھ لٹک رہی تھیں۔ان تاروں کا ایک جال تھا یہ تاریں کرسی کے اپر پارٹ کے ساتھ آویزاں تھیں جن کے سروں کے ساتھ پنیں نصب تھیں۔

کرسی کو دیکھ کر عصام کو جھٹکا لگا اور اس کے جسم کی رگیں جیسے کھنچ کے رہ گئیں۔

تھوڑی ہی دیر کے بعد ایس پی کبیر کمرے میں داخل ہوا۔اس کی باوقار اور رعب دار شخصیت سے عصام اس کے بارے میں رائے قائم کی کہ شاید وہ ایک اصول پسند آفیسر ہو لیکن یہ رائے شک و شبہ میں تھی۔

وہ عصام کے قریب آیا۔اس نے سپاہیوں کی طرف دیکھا تو وہ جیسے اس کی نظر کا اشارہ سمجھ گئے اور وہاں سے چلے گئے۔انہوں نے جاتے ہوئے دروازہ لاک کر دیا۔ایس پی کبیر نے عصام کے چہرے پے گہری نظر ڈالی

اور پھر ایک کرسی اٹھا کے عصام کی کرسی کے قریب رکھ لی۔

عصام کی پیشانی پے خوف کا پسینہ چمک رہا تھا۔ وہ نہیں جانتا تھا کہ ایس پی اس کے ساتھ کیا سلوک کرے گا۔ عصام نے سہمی سہمی نظروں سے ایس پی کی طرف دیکھا تو وہ اسے مسلسل گھور رہا تھا۔ اس کی نگاہوں میں انتہائی غصہ تھا۔ پھر اس نے تھوڑی دیر کے لئے نگاہیں جھکالیں وہ اپنے بوٹ کی نوک کو مسلسل زمین پہ مار رہا تھا گویا کہ وہ کچھ سوچ رہا تھا جیسے کہ اپنا غصہ ضبط کر رہا ہو۔ پھر وہ غیر متوقع لہجے میں عصام سے مخاطب ہوا۔

''تمہارا جرم قابل معافی نہیں ہے۔ لیکن تم نے خود کو پولیس کے حوالے کیا ہے اس لئے تمہارے ساتھ رعایت کی جائے گی ورنہ یہ ٹارچر سیل اس لئے بنا ہے کہ اس میں تمہارے جیسے دہشت گردوں کی چیخیں اس طرح گونجیں جس طرح تمہارے ہاتھوں ہلاک ہونے والے معصوم لوگوں کی چیخیں ان بے کسوں کی چیخیں فضا میں ٹھہر جاتی ہیں۔ اس وقت تک جب تک ان کے قاتلوں کی چیخیں اس فضا میں نہیں گونجتی۔''

ایس پی کبیر کا لہجہ ایک بار پھر تلخ ہو گیا۔

''میں جانتا ہوں کہ میرا گناہ بہت بڑا ہے اتنا کہ شاید موت بھی اس کی تھوڑی سزا ہے۔ لیکن اگر میں آپ کے ساتھ مل کر گناہوں کے ان سرغنوں کو گرفتار کروادوں تو نہ میرے جیسے مجبور لوگ دہشت گرد بنیں گے اور نہ ہی سینکڑوں معصوم لوگ موت کے گھاٹ اتریں گے۔ یہی میرے گناہوں کا کفارہ ہے۔ میں اس مقصد کے لئے سر پہ کفن باندھ کے نکلا ہوں اسی لئے میں نے بے خوف خود کو پولیس کے حوالے کر دیا ہے۔''

''بہت خوب..... اگر تم ہمارے ساتھ تعاون کرو گے تو تمہاری مدد سے ہم اپنے ملک میں سے دہشت گردی کے اس ناسور کو کاٹ پھینکیں گے۔'' یہ کہہ کہ ایس پی کبیر اپنی جگہ سے اٹھا اور تھوڑے فاصلے پے پڑے ہوئے ٹیبل سے ایک فائل اور پین لے کر عصام کے پاس آیا۔

''یہ لو جو کچھ تم نے مجھ سے کہا ایک صفحے پہ لکھ دو اور نیچے اپنے دستخط کر دو۔''

عصام نے ایک صفحہ پر اپنا بیان لکھا اور نیچے اپنے دستخط کر دیئے۔

ایس پی کبیر نے اس کے ہاتھ سے فائل لی۔

''اب تم بے خوف ہو کے رہو۔ تمہارا یہ بیان میں تمام افسران کے سامنے پیش کروں گا۔ بے شک خدا توبہ

کرنے والوں کو معاف کر دیتا ہے۔'' یہ کہہ کے ایس پی ٹارچر سیل سے باہر نکلا تو ایک سپاہی تیز تیز قدموں سے چلتا ہوا اس کی طرف بڑھا۔

''کیا بات ہے؟'' اس نے سوال کیا۔

''سر!''.....عصام کی والدہ کا انتقال ہو گیا ہے۔''

''اوہ! انا للہ وانا علیہ راجعون۔'' ایس پی نے سر سے ٹوپی اتارتے ہوئے کہا۔

سپاہی کی آواز عصام تک پہنچ چکی تھی۔ وہ جہاں بیٹھا تھا وہیں سن ہو گیا۔ اس کے ہاتھ پاؤں جیسے پتھر کے ہو گئے اس کی پھٹی پھٹی آنکھیں کسی ایک جگہ ٹھہر گئیں۔ جیسے کسی نے اس کے جسم سے جان ہی نکال لی۔ ایک لمحے کے لئے جیسے اس کے دل نے دھڑکنا بند کر دیا ہو۔ ایس پی یہ خبر سنانے کے لئے ٹارچر سیل میں داخل ہوا لیکن جب اس نے عصام کی حالت دیکھی تو اس نے عصام کے قریب کھڑے ہوئے سپاہیوں کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ سپاہیوں نے اشارے سے بتایا کہ یہ بری خبر سن چکا ہے۔

وہ سپاہی عصام کو واپس حوالات میں لے جانے کے لئے آئے تھے۔

عصام کچھ دیر اسی کیفیت میں رہا پھر آہستہ آہستہ اس کی آنکھیں بھیگنے لگیں جس کیساتھ وہ آپے سے باہر ہو گیا۔ وہ اونچی اونچی آواز میں چیختے ہوئے دونوں ہاتھوں سے اپنا چہرہ پیٹنے لگا۔

''وہ میری وجہ سے مری ہے۔ پہلے میں نے اس کو بیمار کیا اور پھر اس کی جان لے لی۔''

وہ بچوں کی طرح اونچی اونچی آواز میں رو رہا تھا۔ ایس پی اسے ہوش میں لانے کے لئے اس کے قریب گیا لیکن اس کی حالت مزید خراب ہوتی گئی۔ وہ اپنی جگہ سے اٹھا اور دیوار سے اپنا سر پٹخنے لگا۔

سپاہی تیزی سے اس کی طرف بڑھے اور اسے دونوں ہاتھوں سے دبوچ کے دیوار کے پیچھے کرنے لگے۔ سپاہی اسے گھسیٹتے ہوئے دیوار سے دور لے گئے تو اس نے اپنا جسم ڈھیلا چھوڑ دیا۔ اور گھٹنوں کے بل فرش پر بیٹھ گیا۔ اس کے دونوں بازو سپاہیوں نے تھامے ہوئے تھے۔ ایس پی نے سپاہیوں کو اشارہ کیا تو انہوں نے اس کے بازو چھوڑ دیئے۔ عصام نے اپنا نڈھال وجود فرش پہ بچھا دیا یہ اس کی شکستگی کی انتہا تھی۔ اس کے لئے اس سے بڑی شاید کوئی اور سزا نہیں تھی۔

ایس پی کبیر نے یہی مناسب سمجھا کہ اسے کچھ دیر کے لئے اس ٹارچر سیل میں ہی رہنے دیا جائے تا کہ وہ خود کو سنبھال لے۔ پھر اسے اس کی والدہ کے آخری دیدار کے لئے لے جایا جائے۔

ایس پی کبیر، عصام کے قریب آیا۔

''ہم کچھ دیر کے بعد تمہیں تمہاری والدہ کے جنازے پے لے جائیں گے۔'' یہ کہہ کے ایس پی سپاہیوں کے ہمراہ ٹارچر سیل سے باہر آ گیا۔ اور دروازہ باہر سے لاک کر دیا۔

قبرستان میں لوگوں کا ایک ہجوم تھا۔ رفیقہ جو ہمیشہ بیٹے کی راہ تکتی رہی آج میت کے روپ میں اس کا انتظار کر رہی تھی۔ عصام کے بہنوئی میت کے قریب کھڑے عصام کا انتظار کر رہے تھے۔ ان کی بھیگی ہوئی نگاہیں قبرستان کے گیٹ پر جمی ہوئی تھیں لیکن دور دور تک عصام کے آنے کے کوئی آثار نہیں آ رہے تھے۔

وہ بہت دیر تک عصام کا انتظار کرتے رہے۔ پھر ایک مولوی صاحب ان کے قریب آئے۔

''بیٹا ان پولیس والوں کا کوئی بھروسہ نہیں ہے بہت دیر ہو چکی ہے ہمیں میت کو دفنا دینا چاہئے۔''

''مولوی صاحب! بس پانچ منٹ اور انتظار کر لیں مجھے یقین ہے وہ ضرور آئے گا۔''

ابھی یہ جملہ اس کے منہ میں ہی تھا کہ سامنے سڑک پر ایک جیپ آتی ہوئی دکھائی دی۔ سب کی نظریں جیپ کی طرف متوجہ ہو گئیں۔ جیپ قبرستان کے گیٹ کے قریب آ کے رکی۔ وہ پولیس جیپ تھی جو سپاہیوں سے بھری ہوئی تھی۔

سپاہی جیپ سے اترے پھر انہوں نے عصام کو جیپ سے اتارا۔ عصام کے ہاتھوں اور پیروں میں بیڑیاں بندھی ہوئی تھیں۔ وہ غم سے چور پاگلوں کی طرح ادھر ادھر دیکھ رہا تھا۔ وہ اپنے حواس میں نہیں تھا۔ اس نے دور سے ہی لوگوں کا ہجوم دیکھا تو اس کے پاؤں بیڑیوں میں بندھے ہونے کے باوجود دوڑنے لگے۔ سپاہی تیز تیز قدم اٹھاتے ہوئے اسے اپنے گھیراؤ میں لینے لگے۔ انہیں اس کے بھاگ جانے کا ڈر تھا۔ لیکن عصام کو کسی چیز کا ہوش نہیں تھا۔ وہ دیوانہ وار بھاگ رہا تھا۔

لیکن پولیس کی نفری اسے اپنے گھیرے سے باہر جانے نہیں دے رہی تھی۔

لیکن جب وہ میت کے قریب پہنچ گیا تو اس کے منہ سے آہ کی آواز نکلی اور اس کے قدم وہیں جم گئے۔ وہ

میت سے تھوڑے فاصلے پے تھا۔

''آگے بڑھو عصام اپنی ماں کا چہرہ دیکھ لو۔'' ایس پی کبیر نے عصام کے قریب آتے ہوئے کہا۔

عصام نے بیگانگی سے ایس پی کی طرف دیکھا اس کی نگاہوں میں خوف تھا۔ وہ میت کی طرف دیکھتا تو اپنا حلق تر کرنے لگتا۔ اس کے قدم جیسے بھاری پتھر ہو گئے۔ جنہیں وہ اپنی جگہ سے اٹھا نہیں سکتا تھا۔ وہ آج جس موڑ پے کھڑا تھا یہ اس کی زندگی کا سب سے مشکل موڑ تھا۔ اس کرب ناک حقیقت کا سامنا کرنے کے لئے آج اس کے پاس دل نہیں تھا۔

اس کی بھیگی ہوئی آنکھیں انگارہ ہو رہی تھیں۔ وہ حقیقت سے نگاہیں چرا رہا تھا۔ کہ کاش وہ میت میری ماں کی نہ ہو۔ یہیں کہیں سے مجھے میری ماں کی آواز سنائی دے کہ میں زندہ ہوں۔

مولوی صاحب خود چل کے عصام کے پاس آئے۔

''بیٹا آجاؤ ماں کا چہرہ دیکھ لو۔ پھر ہم نے تدفین کے فرائض بھی انجام دینے ہیں۔''

عصام نے ایک بار پھر میت کی طرف دیکھا تو خوف و دہشت کی ایک تھرتھراہٹ اس کے پورے وجود میں دوڑ گئی۔

سپاہی نے پریشانی سے ایس پی کی طرف دیکھا۔ ''سوچ لیں سر۔''

''تمہیں جو کہا ہے وہ کرو۔''

''او کے سر۔''

سپاہی نے آگے بڑھ کے عصام کے ہاتھوں میں ہتھکڑی ہٹا دی۔

غم ایک بار تو دل کو پاش پاش کر دیتا ہے لیکن شاید حوصلوں کی پیوستہ کاری سے جڑے یہ دل کے ٹکڑے یکلخت دل کو مضبوط بھی بنا دیتے ہیں ورنہ ہم اپنے پیاروں کے ساتھ ہی مر جائیں۔ ہتھکڑی کھلنے پر عصام نے تشکر آمیز نگاہوں سے ایس پی کبیر کی طرف دیکھا اور پھر اس نے اپنے بہنوئی کے ساتھ مل کر ماں کو لحد میں اتارا، وہ نہیں جانتا تھا کہ اس میں اتنا حوصلہ کیسے آ گیا۔ وہ قبر میں کھڑا اپنی ماں کے چہرے کی طرف دیکھنے لگا تو اس کی نظر ماں کے چہرے پر ہی ٹھہر گئی۔ اس کی بھیگی ہوئی نگاہوں میں ماں کا چہرہ دھندلا جاتا تو وہ اپنی نگاہیں خشک کر

کے ماں کا چہرہ دیکھنے لگتا۔ وہ ایک بار پھر ارد گرد سے بے خبر ہو گیا۔

''آجاؤ بیٹا۔''

مولوی صاحب کی آواز پہ اس نے جھرجھری سی لی۔ اس نے ماں کی پیشانی پہ بوسہ دیا اور پھر قبر سے باہر آ کے آیتیں پڑھتے ہوئے لوگوں کے ساتھ مل کے قبر کے اندر مٹی پھینکنے لگا۔

میت دفنانے کے بعد سب نے مل کر فاتحہ پڑھی۔ سپاہی ہتھکڑی لے کر عصام کی طرف بڑھا کہ ایک کہیں سے ہوا کو چیرتی ہوئی گولی آئی اور اس سپاہی کا سینہ چاک کر گئی۔

لوگوں میں بھاگ دوڑ مچ گئی۔ شاید وہ گولی عصام کے لئے تھی لیکن سپاہی عین اسی وقت آگے آ گیا۔

ایس پی کبیر نے فوراً پوزیشن سنبھالتے ہوئے گولی کے آنے کی سمت میں فائر کیا مگر فائر کی جوابی فائرنگ نے پولیس کے ہوش اڑا دیئے۔

قبروں کے تختے پیچھے ہٹے اور ان میں چھپے ہوئے اسلحہ سے لیس افراد نے پولیس پر گولیوں کی بوچھاڑ کر دی۔ سپاہیوں کو عصام کے بھاگ جانے کا ڈر تھا کیونکہ ان کے خیال میں یہ ہنگامی حالات عصام کو بھاگنے کے لئے پیدا کئے گئے تھے لیکن ان کا یہ خیال غلط ثابت ہو گیا جس وقت عصام نے ان سے گن چھین کر پولیس کی حمایت میں ان دہشت گردوں پر فائرنگ کر دی اور ان کے بہت سے افراد کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ اس دوران ایس پی کبیر عصام کے داؤ پیچ دیکھ کر ششدر رہ گیا۔

عصام ان لوگوں کو پہچان چکا تھا۔ وہ شہباز کے آدمی تھے۔

اس مقابلے میں کچھ لوگ پولیس کے مرے اور کچھ تخریب کاروں کے۔ پولیس فورس کو خود پر حاوی دیکھ کر باقی دہشت گرد وہاں سے بھاگ نکلے۔

پولیس فورس کو سخت پریشانی کا سامنا ہوا کیونکہ وہ انہیں گرفتار کرنے میں ناکام رہے۔

☆.....☆.....☆

ادھر گاؤں میں ساشا شدید ذہنی تناؤ کا شکار تھی عصام اسے چھوڑ کے تن تنہا زندگی اور موت کا جواء کھیلنے نکل پڑا تھا۔ اس کی زندگی کی ڈور جیسے عصام کے سانسوں سے بندھی تھی عصام اسے تو چھوڑ کے چلا گیا تھا لیکن اس کا دل

ودماغ اسی کی طرف ہی تھا۔ طرح طرح کے وسوسے اور اوہام اسے بے چین کر دیتے۔ زندگی کا یہ دور اس کے لئے کس قدر تکلیف دہ تھا یہ صرف وہ ہی جانتی تھی۔

مولوی صاحب نے اس کی سکیورٹی کا پورا پورا بندوبست کر رکھا تھا۔ ساشا کسی طرح بھی اس کے گھر سے باہر نہیں جا سکتی تھی۔ وہ باہر جانے کے لئے مولوی صاحب سے گھنٹوں بحث کرتی۔ وہ عصام کی محبت میں اس قدر پاگل تھی کہ وہ یہ بھی نہ سمجھ پا رہی تھی کہ مولوی صاحب بھی اس کی وجہ سے سخت پریشان تھے کیونکہ اس نے کھانا بھی چھوڑ رکھا تھا۔ وہ اسی بات پے بضد تھی کہ اسے لاہور جانے دیا جائے۔

رات کے آٹھ بجے ہوئے، ساشا تن تنہا کمرے میں بیٹھی گہری سوچ میں گم تھی۔ وہ انتہائی مضطرب تھی۔

''نہ جانے پولیس والے اس کے ساتھ کیسا سلوک کر رہے ہوں گے وہ کہیں اسے ٹارچر نہ کرتے ہوں۔''

پھر وہ خود کو تسلی دیتی نہیں اس نے خود اپنے آپ کو پولیس کے حوالے کیا ہے پولیس کو ٹارچر کرنے کی ضرورت ہی پیش نہیں آئے گی۔ پتہ نہیں وہ کھانا بھی کھاتا ہوگا یا نہیں کیسے رہتا ہوگا۔ نہ جانے انجام اس کے حق میں ہوگا یا نہیں۔ وہ ان سوالوں میں کھوئی سسک رہی تھی کہ میمونہ اس کے لئے کھانا لے کر آئی۔ وہ اس کے قریب بیٹھ گئی۔

''ساشا میری بہن! تم نے صبح سے کچھ نہیں کھایا اب تو کچھ کھا لو۔''

ساشا نے بھیگی نظروں سے میمونہ کی طرف دیکھا۔

''ہم اس مشن پہ اکٹھے نکلے تھے میں نے اس سے وعدہ کیا تھا کہ میں کسی حال میں اسے اکیلا نہیں چھوڑوں گی۔ تو پھر انکل مجھے جانے کیوں نہیں دیتے۔''

''تمہاری بات اپنی جگہ درست ہے لیکن ابا جی نے عصام بھائی سے وعدہ کیا ہے کہ وہ تمہارا خیال رکھیں گے۔ جس مشن پے تم دونوں نکلے تھے عصام بھائی وہ مشن پورا کرنے ہی لگے ہیں۔''

میمونہ نے ساشا کو سمجھایا تو ساشا اپنا سر پکڑ کے بیٹھ گئی۔

''تم میری بات نہیں سمجھو گی۔''

☆.....☆.....☆

والدہ کی وفات کے بعد عصام اپنی ذہنی کیفیت میں الجھ کے رہ گیا۔

ایس پی کبیر حوالات میں اس سے ملنے آیا۔ سپاہی نے حوالات کا تالا کھولا تو ایس پی حوالات میں داخل ہو گیا۔ عصام کے پاس رکھا ہوا کھانا چیونٹیوں سے بھرا ہوا تھا وہ دیوار سے پیٹھ لگائے کسی گہری سوچ میں ڈوبا ہوا تھا۔ ایس پی کبیر نے اسے پکارا تو وہ چونک سا گیا۔

''جی۔'' اس نے ایس پی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''تم کھانا کیوں نہیں کھاتے..... وہ دیکھو تمہارا کھانا چیونٹیوں سے بھرا ہوا ہے۔''

''میں کیا کروں مجھے بھوک نہیں لگتی۔''

''میں تمہارے دکھ کو سمجھتا ہوں لیکن مرنے والوں کے ساتھ کوئی مرنہیں جاتا۔ اپنے آپ کو سنبھالو کھانا باقاعدگی سے کھایا کرو۔''

ایس پی عصام سے کچھ ضروری سوالات کرنے کے لئے آیا تھا لیکن اس کی حالت دیکھ کے اسے یہ مناسب نہیں لگا۔ وہ اسے سمجھا کے وہاں سے چلا گیا۔

ایس پی کبیر نے عصام کی فائل تیار کی جس میں ان تمام جرائم کی فہرست تھی جو عصام نے کئے۔ فائل کے سلسلے میں ہی وہ عصام سے چند ضروری سوالات کرنا چاہتا تھا۔

اگلے روز ایس پی کبیر نے عصام کو ٹارچر سیل میں بلوایا۔ سپاہی عصام کو لے کر ٹارچر سیل میں داخل ہوا۔ ایس پی ٹیبل کے قریب پڑی ہوئی کرسی پہ بیٹھ گیا۔ اس نے سپاہی کو جانے کا اشارہ کیا اور وہ خود اٹھ کے دروازہ لاک کر دیا۔

''بیٹھ جاؤ۔'' اس نے اپنی کرسی کے بالمقابل پڑی ہوئی کرسی پہ بیٹھنے کے لئے کہا۔ عصام کرسی پہ بیٹھ گیا۔

ایس پی اس کے سامنے بیٹھ گیا۔ ان دونوں کے درمیان ایک ٹیبل کا فاصلہ تھا۔

اس بار عصام کے چہرے پہ خوف کے کوئی تاثرات نہیں تھے کیونکہ وہ ایس پی کو جان چکا تھا۔ اس کے چہرے پہ اطمینان تھا۔

ایس پی نے ٹیبل پہ عصام کی فائل اور ایک پین رکھا ہوا تھا۔ اس نے وہ فائل عصام کے سامنے کھول دی۔

''یہ فائل دیکھو۔''

عصام نے فائل کے صفحات پلٹائے تو اپنے جرائم کی فہرست دیکھ کے اس نے نگاہیں جھکالیں۔

''میں تمہیں جانتا نہیں ہوں پھر بھی اپنے تجربے کی بناء پہ تم سے توقع کرتا ہوں کہ تم مجھ سے کسی قسم کی غلط بیانی نہیں کروگے۔تم نے یہ جرائم کیوں کیے؟'' ایس پی کبیر نے عصام کے چہرے پہ اپنی نگاہیں جمالیں۔

ایس پی کے سوال پر عصام نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔

''تعجب ہے کہ آپ مجھ سے یہ سوال کر رہے ہیں کہ میں نے جرائم کیوں کیے جبکہ پولیس والے تو یوں پوچھتے ہیں کہ جرائم کب اور کیسے اور کس کے کہنے پہ کیے۔''

ایس پی کبیر نے شناسائی سے عصام کی طرف دیکھا۔

''میں تمہیں ان جرائم کی سزا سے بچانا چاہتا ہوں کیونکہ نہ صرف تم ان گناہوں سے توبہ کر چکے ہو بلکہ دہشت گردی کے خاتمے میں پولیس کی بھرپور مدد کر رہے ہو اس لئے کچھ ذمہ داری پولیس ڈیپارٹمنٹ پر بھی عائد ہوتی ہے۔''

''اگر پولیس ڈیپارٹمنٹ میں تمام افسران آپ ہی کی طرح سوچیں تو بے شمار مسائل حل ہو جائیں۔''

''عصام! تمہاری فائل تیار کرنے کے ساتھ ساتھ میں تم سے اس گینگ کے متعلق تمام تفصیلات معلوم کرنا چاہتا ہوں جس کے لئے تم کام کرتے رہے ہو۔میں اس مشن پہ آج ہی سے کام شروع کر رہا ہوں تمہاری والدہ کی وفات تمہارے لئے بہت بڑا صدمہ ہے لیکن تم دل میں جو عزم لے کر یہاں آئے ہو اسے جلد از جلد پورا کرنا ہے۔ہماری تاخیر مجرموں کو بھاگنے کا موقع دے رہی ہے۔''

ایس پی نے کہا۔

''میں آپ کی بات بخوبی سمجھتا ہوں۔آپ پوچھیں کیا پوچھنا چاہتے ہو۔''

''میرا پہلا سوال وہی ہے کہ تم نے جرائم کیوں کیے؟''

ایس کبیر کے اس سوال پر عصام نے اپنی زندگی کی کتاب اس کے سامنے کھول کے رکھ دی۔عصام کی کہانی نے ایس پی کبیر کے دل میں اس کے لئے مزید ہمدردی پیدا کر دی۔

اس نے لمبا سانس کھینچا اور متاسفانہ لہجے میں کہنے لگا۔

''قانون کی طرف سے تم لوگ عدم اعتماد کا شکار ہو ورنہ شروع میں ہی تم قانون کی مدد لے لیتے تو ان تخریب

کاروں کے جال میں نہ پھنستے۔"

"ایس پی صاحب آپ دوسرے پولیس افسران سے بہت مختلف ہیں۔آپ نے میری کہانی سننے سے پہلے ہی میری مدد کا ارادہ کرلیا۔اگر معلوم ہوتا کہ پولیس کے محکمے میں آپ جیسے حساس دل لوگ بھی موجود ہوتے ہیں تو میں آپ کے پاس اس وقت آجاتا جب میں نے گناہوں کے اس راستے پر قدم نہیں رکھا تھا۔"

"انسان کچھ نہیں کرتا یہ تو خدا کی ذات مسبب الاسباب ہے۔اس سے دعا کرو اس کا کرم ہوگا تو انشاءاللہ وہ موت کے سوداگر بھی اپنے انجام کو پہنچ جائیں گے اور تمہیں بھی کم سے کم سزا ہوگی۔"

پھر عصام دوسرے پوائنٹ کی طرف آیا۔

"جب میں نے خود کو پولیس کے حوالے کیا تھا میں نے حوالدار صاحب کے پاس اپنی فائل جمع کروائی تھی۔

عصام کی بات سنتے ہی ایس پی نے اثبات میں سر ہلایا۔

"حوالدار وہ فائل لے کے میرے پاس آیا تھا اس فائل میں اشاروں اور کوڈ ورڈز کی زبان استعمال ہوئی ہیں جو تم مجھے سمجھا سکتے ہو۔اس میں جو سی ڈیز موجود ہیں وہ بھی تمہارے سامنے چلانا چاہتا ہوں۔"

"آپ کو اس فائل اور سی ڈیز کے ذریعے ایسی معلومات فراہم ہو جائیں گی جس سے آپ اس ملک میں پھیلی ہوئی دہشت گرد تنظیموں کے نیٹ ورک کو بآسانی ختم کرسکتے ہیں۔" یہ بات کہتے کہتے وہ ایک دم خاموش ہو گیا۔اسے ساشا کا خیال آگیا۔اس نے دل میں کہا۔"یہ سب ساشا کا کام ہے اپنی جان جوکھوں میں ڈال کے اسی نے یہ فائل تیار کی ہے۔"

"یہ ایک دم تم کس سوچ میں پڑ گئے۔"

ایس پی کبیر کی آواز پہ عصام نے جھرجھری سی لی۔

"ویسے ہی....." عصام کو کوئی معقول جواب نہ آیا۔

"تم نے دو روز سے ڈھنگ سے کھانا نہیں کھایا تم دوپہر کا کھانا کھالو پھر اس کے بعد میں تمہیں بلاؤں گا۔ وہاں تم مجھے سی ڈیز اور فائل کے متعلق تفصیلاً سمجھانا۔"

دوپہر کے کھانے کے بعد ایس پی نے عصام کو ٹارچر سیل میں بلوایا۔

ایس پی نے عصام کی موجودگی میں سی ڈی کمپیوٹر میں ڈالی تو سی ڈی کے سکریٹ مسٹریز ایک ایک کر کے ڈیسک ٹاپ پے آنے لگے۔ اس سی ڈی میں شہباز کی دہشت گرد تنظیموں کے خفیہ اڈوں کی تفصیل، ڈرگز کا کاروبار، ناجائز اسلحہ کی ذخیرہ بندی۔ شہباز جو اتنی دہشت گرد تنظیموں کا سرپرست تھا وہ بھی ایک مہرا تھا۔ اس کی سرپرستی کرنے والے سرغنوں کے نام جب سکریپ پر آئے تو ایس پی کے ہوش اڑ گئے۔ ان لوگوں میں سے چند کو وہ جانتا تھا جو اس سوسائٹی کے انتہائی معزز لوگ تھے۔ ملک کی سوشل پرابلمز حل کرنے کے لئے ان کے خزانوں کے منہ کھلے ہوتے تھے لیکن ایس پی کبیر کو علم ہوا کہ یہ پیسہ وہ کیسے کماتے ہیں وہ شدید تناؤ کا شکار ہو گیا۔

''عصام! تم نہیں جانتے تم نے کتنا بڑا کام کیا ہے۔ تم نے ہمیں اس ملک کے چھپے ہوئے دشمنوں سے آگاہ کیا ہے۔ یہ دہشت گرد جو لاکھوں انسانوں کو موت کے گھاٹ اتار رہے ہیں سنپولئے ہیں۔ اصل بڑے سانپ تو اپنے بلوں میں چھپے بیٹھے ہیں۔

میں جانتا ہوں کہ ان پہ ہاتھ ڈالنا میرے اختیارات سے باہر ہے لیکن میں ان تک پہنچنے کا کوئی نہ کوئی رستہ نکال لوں گا۔'' ایس پی شدید اشتعال میں تھا۔ پھر عصام نے اسے فائل تفصیلاً سمجھائی۔

ایس پی کبیر نے تشکر آمیز نگاہوں سے عصام کی طرف دیکھا۔

''تم نے ہمارا بہت بڑا پرابلم حل کیا ہے۔ میرا دل چاہ رہا ہے کہ میں ابھی کارروائی کروں لیکن اس معاملے کے متعلق میں نے سٹاف سے تفصیلاً بات نہیں کی۔''

اگلے ہی روز ایس پی کبیر نے ایک میٹنگ بلوائی جس میں پولیس اسٹیشن کے چھوٹے بڑے تمام افسران موجود تھے۔ تمام افسران کے سامنے جب کمپیوٹر پر سی ڈی چلائی گئی تو سب کے ہوش اڑ گئے۔ ایس پی نے ایک نقشہ تیار کر رکھا تھا جسے میز پہ پھیلا کے اس نے افسران کو ہدایات دیں۔ میٹنگ بہت دیر تک رہی اس میٹنگ میں ضروری معاملات ڈسکس کرنے کے ساتھ ساتھ اس نے پولیس سپاہیوں میں سے مخصوص لوگوں کا چناؤ کر کے ایک الگ فورس تیار کی۔

پولیس افسران نے مشترکہ رائے سے زبردست پلاننگ کی۔

میٹنگ ختم ہوتے ہی ایس پی کبیر نے فوری کارروائی کا حکم دیا۔

سپاہی ایک انسپکٹر کی سرکردگی میں اس مقصد کی تکمیل کے لئے روانہ ہوگئے۔انہوں نے دہشت گردوں کے ایک اڈے پہ چھاپہ مارا لیکن انہیں ناکامی کا سامنا کرنا پڑا کیونکہ تخریب کار اپنی جائے پناہ چھوڑ کے جا چکے تھے۔
پولیس انسپکٹر اپنی فورس کے ساتھ واپس لوٹا تو ایس پی کبیر نے کہا۔
''وہ پولیس سے کب تک بھاگیں گے ان کے گروہ کا آپس میں لنک کڑیوں کی صورت میں ہوتا ہے۔کڑی کا ایک حصہ ہاتھ میں آجائے تو سمجھ لو کہ پوری کڑی تک ہاتھ پہنچ گیا ہے۔''

☆.....☆.....☆

مولوی صاحب صبح فجر کی اذان کے لئے بیدار ہوئے تو میمونہ جاگ گئی۔اس نے اپنی چارپائی کے ساتھ بچھی چارپائی پہ دیکھا تو وہ ہڑبڑا کے اٹھ بیٹھی۔
''اباجی۔'' وہ چلائی۔
مولوی صاحب دوڑتے ہوئے اس کے کمرے میں آئے تو انہوں نے بھی پریشانی میں اپنا سر پکڑ لیا۔ساشا کی چارپائی خالی تھی۔میمونہ جلدی سے اٹھ کے اسے پورے گھر میں ڈھونڈنے لگی لیکن وہ گھر میں موجود نہیں تھی۔
''اباجی وہ چلی گئی ہے۔'' میمونہ نے پریشان کن لہجے میں کہا۔
''جو خدا کو منظور۔خدا ان دونوں کو ان کے مقصد میں کامیاب کرے۔انہیں اپنی امان میں رکھے۔'' مولوی صاحب نے ٹھنڈی آہ بھری۔وہ مسجد چلے گئے۔لیکن میمونہ کی آنکھیں بھیگی ہوئی تھیں وہ سوچ رہی تھی کہ اب نہ جانے دوبارہ ساشا سے ملاقات ہوگی بھی یا نہیں۔تھوڑے سے دنوں میں ہی ان دونوں کی پکی دوستی ہوگئی تھی۔
اس نے اٹھ کے فجر کی نماز پڑھی اور خداوند کریم کے آگے دعا کی۔

☆.....☆.....☆

عصام حوالات میں چپ چاپ ایک کونے سے لگا بیٹھا ہوا تھا وہ کسی سوچ میں گم تھا۔
اسے وہ لمحے یاد آرہے تھے جو اس نے ساشا کے ساتھ گزارے۔ان لمحوں کے تصور سے ہی وہ وفا و سکون کی ایک دنیا میں پہنچ گیا۔دوستی کے دلفریب احساس نے جیل کی بدبو دار ہوا کو خوشبو سے معطر کر دیا۔اس نے ساشا کو دل کی اس گہرائی سے یاد کیا کہ اسے یوں محسوس ہونے لگا کہ ساشا اس کے قریب بیٹھی ہے۔پھر جیسے ہی عصام

نے اس سے کچھ کہنا چاہا تصورات کی وہ تصویر پلک جھپکتے ہی غائب ہوگئی۔

ابھی وہ یادوں کے تخیل سے نکل نہ پایا تھا کہ ایس پی کبیر کی آواز اس کے کانوں سے ٹکرائی۔

''عصام! کوئی تم سے ملنے آیا ہے۔''

''کون؟'' عصام کھڑا ہوگیا اس کی نظر دروازے پہ جم گئی۔

تھوڑی ہی دیر بعد ایک لڑکی اس دروازے سے اندر داخل ہوئی۔ اس نے بڑی سی چادر اوڑھی ہوئی تھی جس میں اس نے اپنا چہرہ چھپا رکھا تھا۔ اس نے انتہائی سستا لباس زیب تن کیا ہوا تھا جس سے اندازہ ہو رہا تھا کہ وہ انتہائی غریب لڑکی ہے۔ عصام نے حیرت سے اسے دیکھتے ہوئے من میں سوال کیا۔

''کون ہوسکتی ہے؟''

وہ لڑکی حوالات کی طرف بڑھی تو ایس پی کبیر وہاں سے چلا گیا۔ لڑکی حوالات کے قریب آ کر کھڑی ہوگئی۔ اس نے اپنے چہرے پر سے چادر پیچھے کی تو عصام جہاں کھڑا تھا وہیں سن ہوگیا۔

''ت.....ت.....تم.....تم یہاں کیسے۔'' پریشانی سے عصام کا رنگ فق ہوگیا۔

ساشا نے جذباتیت سے بھرپور نگاہوں سے عصام کی طرف دیکھا۔

''میں نے کہا تھا ہم اس سفر پہ اکٹھے نکلے ہیں۔ راستے کی ہر مشکل اکٹھے جھیلیں گے۔''

عصام اس کی نمدار آنکھوں میں کھو گیا۔

''میری خوشی کی خاطر میری بات مان لیتی۔''

''سوری۔ اس معاملے میں، میں نے خودغرضی سے کام لیا ہے۔ جب خدا تمہیں خوشیاں دے گا تو ان خوشیوں میں بھلے مجھے یاد مت کرنا لیکن تمہاری ہر تکلیف میں نے تمہارے ساتھ سہنی ہے۔''

''ایسا کر کے تم میری تکلیف میں اضافہ کرو گی کیونکہ میں اپنی تکلیف سہہ سکتا ہوں لیکن تمہیں تکلیف میں نہیں دیکھ سکتا۔''

عصام کی اس بات پہ ساشا نے سوالیہ نظروں سے عصام کی طرف دیکھا۔

''کیوں۔'' ساشا نے وہی سوال اس کے سامنے دہرایا کہ شاید اس بار اس کا جواب مختلف ہو۔

عصام کی نگاہوں میں نمی تیر رہی تھی۔اس نے ساشا کی طرف دیکھا۔

''محبت صرف ایک جذبے کا نام نہیں میں تو بس اتنا جانتا ہوں کہ اگر تمہیں بھول جاؤں تو میری سانسوں کا ربط ٹوٹ جائے۔''

''خدا نہ کرے۔'' ساشا نے اپنا ہاتھ عصام کے منہ پہ رکھنا چاہا لیکن اس نے اپنے ہاتھ ایسے روک لئے جیسے وہ انہیں چادر سے باہر نہ نکال سکتی ہو۔

عصام اسے سرتاپا دیکھتے ہوئے مسکرایا۔''یہ کون سا لباس پہنا ہے۔''

''یہ میمونہ کے کپڑے ہیں ان کے رنگ اور قیمت پہ نہ جاؤ۔ یہ ان قیمتی کپڑوں سے بہتر ہیں جن میں معصوم لوگوں کے لہو کی باس تھی۔''

''مجھے تم سے ملنے کی جتنی خوشی ہے اتنا ہی میں تمہارے لئے فکر مند ہوں۔تمہارا یہاں زیادہ دیر رکنا ٹھیک نہیں ہے۔اب تم یہاں سے جاؤ تمہیں تو آج کل گھر سے ہی نہیں نکلنا چاہئے تھا۔شہباز کے بھیڑیئے تمہیں چپہ چپہ پر ڈھونڈ رہے ہیں۔'' عصام ٹھہر ٹھہر کے بولا۔

''میں تمہیں تمہاری محبت کے بدلے میں کچھ نہیں دے سکا لیکن تم نے مجھے وہ کچھ دیا ہے جسے میں ساری زندگی فراموش نہیں کر سکتا۔''

ساشا کی آنکھیں بھیگ گئیں۔عصام نے پریشان ہو کے جیل کی سلاخوں سے اس کی طرف ہاتھ بڑھایا وہ ساشا کا ہاتھ تھامنا چاہتا تھا۔ساشا نے اپنے ہاتھ چادر سے باہر نکالے تو عصام کا اوپر کا سانس اوپر نیچے کا نیچے رہ گیا۔اس کے حلق سے آواز نکلی۔

''اوہ۔''

جس کے ساتھ ہی اس کی زبان گنگ ہو گئی۔

اس کا دل کسی نے جیسے اپنی مٹھی میں بھینچ دیا۔اس کے غم کی شدت اس کی آنکھوں میں تیرتے آنسوؤں سے ظاہر ہو رہی تھی۔وہ ان چمکتی آنکھوں سے مسلسل ساشا کی طرف دیکھ رہا تھا۔

ساشا سے کچھ کہنے کے لئے اس کے پاس الفاظ نہیں تھے کہ وہ اسے ڈھارس دے۔جیسے خود کو حوصلہ نہیں

دے پا رہا تھا۔

ساشا نے عصام کے ہاتھوں کو تھام لیا۔

''مجھے معاف کر دو۔ میں نے تمہاری بات نہیں مانی۔''

عصام اس سے کچھ کہنے لگا تو اس کے ہونٹ کانپنے لگے۔ ابھی وہ ساشا سے کچھ کہہ نہیں پایا تھا کہ دروازے سے لیڈیز پولیس کی دو خواتین اندر داخل ہوئیں۔

وہ دونوں ساشا کی طرف بڑھیں۔

''چلو بی بی! ملاقات کا وقت ختم ہو گیا ہے۔''

ساشا کے جانے کے بعد ایس پی کبیر عصام کے پاس آیا۔

''یہ لڑکی کون تھی؟'' ایس پی نے عصام سے پوچھا۔

''یہ ساشا تھی۔ ہم دونوں اکٹھے شہباز کے لئے کام کرتے تھے۔ جس مشن کے تحت میں آپ تک پہنچا ہوں وہ میرے اکیلے کا نہیں ہم دونوں کا مشن تھا۔ یہ فائل اور سی ڈی جو میں نے آپ تک پہنچائی ہے یہ سب ساشا نے اپنی جان جوکھوں میں ڈال کے تیار کی ہیں۔''

''زبردست! اس لڑکی نے تو بہت بڑا کام کیا ہے تم بے فکر رہو۔ انشاء اللہ اس کے ساتھ انصاف ہو گا۔''

ایس پی کبیر نے اسے تسلی دی اور پھر وہاں سے چلا گیا۔

ایس پی کبیر نے ساشا سے پوچھ گچھ کی اور اس کی گفتگو کو ٹیپ کر لیا۔

ایس پی کبیر پلاننگ سے چل رہا تھا۔ ان ملک دشمن عناصر کے لئے سرغنوں تک پہنچ رہا تھا۔ وہ ٹھوس ثبوت اکٹھے کر رہا تھا جن کی بنیاد پر وہ ملک کی ان معزز ہستیوں پہ ہاتھ ڈال سکے جو ان تخریب کار تنظیموں کی سرپرستی کرتے تھے اسی لئے وہ ان دونوں کا خاص خیال رکھ رہا تھا۔

اس نے حوالات میں اسپیشل گارڈ کی ڈیوٹی لگائی تھی وہ جانتا تھا کہ عصام اور ساشا کی جان کو خطرہ ہے۔ ان دونوں کے لئے اس نے سکیورٹی کا بندوبست کیا تھا۔

حوالات میں عصام کے ساتھ تین قیدی اور بھی تھے جن میں ایک انتہائی جنگلی قسم کا تھا۔

اس قیدی سے ملنے اس کا کوئی عزیز آیا وہ دونوں سرگوشی کے انداز میں باتیں کرتے رہے۔ عصام نے ان کی گفتگو پر کان نہیں دھرے لیکن وہ ان دونوں سے کچھ مشکوک ہو گیا تھا۔

رات کا وقت ہوا تو حوالات کے باہر گارڈز کی ڈیوٹی تبدیل ہو گئی۔ جس کی نائٹ ڈیوٹی تھی وہ حوالات کے باہر کرسی رکھ کے بیٹھ گیا۔

رات کے دس بجے ہوئے تھے۔ عصام ایک کونے میں دیوار سے ٹیک لگائے بیٹھا ہوا تھا۔ وہ جنگلی سا قیدی دونوں قیدیوں سے انتہائی اونچی آواز میں گپیں ہانک رہا تھا اور قہقہے لگا رہا تھا۔ عصام کا سر درد سے پھٹ رہا تھا۔ قیدی کی آواز اس کے کانوں میں چبھ رہی تھی۔

کچھ دیر ان کا شور وغل برداشت کرتا رہا لیکن جب شور وغل اس کی برداشت سے باہر ہو گیا تو وہ اشتعال کے عالم میں اپنی جگہ سے اٹھا۔

حوالات کے باہر بیٹھا ہوا گارڈ اپنی جگہ پہ موجود نہیں تھا۔

عصام ان قیدیوں کے پاس گیا اور ترش روئی سے بولا۔

''تم لوگ آہستہ آواز میں باتیں نہیں کر سکتے۔''

عصام کا اتنا ہی کہنا تھا کہ وہ وحشی قیدی اپنی جگہ سے اٹھا اور اسے گھورتا ہوا اس کی طرف بڑھا اس نے عصام کا گریبان پکڑ لیا۔

''کیا بکواس کی تو نے۔''

عصام نے حیرت سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''ہوش ٹھکانے ہیں تمہارے۔''

عصام کا اتنا ہی کہنا تھا کہ اس نے عصام پر مکوں اور لاتوں سے ایک زوردار حملہ کیا۔ عصام اس کے یکلخت حملے میں اپنا دفاع نہ کر سکا اس لئے اسے خاصی چوٹیں لگیں۔

عصام غصے وطیش سے لرز رہا تھا۔ وہ چنگھاڑتا ہوا چیتے کی طرح اس قیدی پے جھپٹا اور ایک ہی وار میں اسے ادھ موا کر کے رکھ دیا۔ قیدی نے بھی جوابی کارروائی کی اور ان کی یہ وحشت ناک لڑائی کافی دیر جاری رہی۔

قیدی عصام سے بری طرح پٹ رہا تھا لیکن وہ اس لئے پیچھے نہیں ہٹ رہا تھا کہ اس کا مقصد کچھ اور تھا ایک پولیس والا باہر سے ہی ان کی لڑائی ختم کروانے کی کوشش کر رہا تھا کیونکہ اس کے پاس حوالات کی چابی نہیں تھی۔ اس نے دیکھا کہ لڑائی خطرناک صورتحال اختیار کر گئی ہے تو وہ فوراً گارڈ کو بلانے چلا گیا۔

قیدی بار بار اپنی شلوار کی جیب سے کچھ نکالنے کی کوشش کرتا لیکن عصام اسے موقع ہی نہ دیتا۔

عصام نے اسے پنچ کے زمین پر مارا تو وہ اوندھے منہ بے سدھ گر پڑا۔

''تمہارے لئے اتنا ہی کافی ہے۔'' یہ کہہ کر عصام الٹے قدموں سے پیچھے کی طرف چلنے لگا کہ یکلخت وہ قیدی ایک جھٹکے سے اٹھا اور نوک دار خنجر سے عصام پر حملہ کیا۔

عصام نے برقی سرعت سے اپنا دفاع کیا۔ عین اسی وقت گارڈ اور دو پولیس انسپکٹر وہاں پہنچ گئے۔ گارڈ نے پھرتی سے حوالات کا قفل کھولا اور عصام کو قاتلانہ حملے سے بچالیا۔

صبح ہوئی تو یہ خبر ایس پی کبیر تک پہنچی اس نے پورے تھانے میں بھونچال مچا دیا۔

اس کے ماتحت تمام پولیس آفیسرز کی اس کے آفس میں پیشی ہوئی۔

''تم اتنے لوگوں کی موجودگی میں عصام پر قاتلانہ حملہ ہوا۔'' ایس پی غصیلے لہجے میں سب پہ برس رہا تھا۔

''سر ہمیں کیا پتہ تھا کہ یہ سب ہو جائے گا۔'' ایک آفیسر نے اپنی صفائی پیش کی۔

''تمہاری زبان سے یہ الفاظ نہیں نکلنے چاہئیں۔ تمہارا کام ہے پتہ رکھنا۔ ہم اس کے محافظ ہیں لوگوں کی توقعات ہم سے وابستہ ہیں۔ تم سب لوگ مجھے یہ جواب دو کہ اس قیدی کے پاس خنجر کیسے آیا۔ آج ایک دن کے اندر اندر مجھے کارروائی چاہئے پتہ لگاؤ کہ ہمارے اس پولیس اسٹیشن میں ان شیطانوں کے ہاتھوں کون بکا ہے..... ہری اپ۔'' ایس نے سخت آرڈر دیا۔

تمام پولیس آفیسر سلوٹ مارتے ہوئے کمرے سے باہر جانے لگے تو ایس پی نے انہیں پکارا۔

''رات جہاں عصام کو شفٹ کیا ہے اب وہ وہیں رہے گا۔ اس کے ساتھ کوئی مشتبہ شخص نہیں ہونا چاہئے اور وہ جو لڑکی ہے ساشا، اس کی سیفٹی کا بھی اسی طرح خیال رکھنا ہے۔''

''او کے سر۔'' آفیسر نے دوبارہ سلوٹ مارا۔

ایس پی کبیر نے اپنی سیٹ پہ بیٹھتے ہوئے بیل کا بٹن دبایا۔ایک سپاہی اندر آیا۔

''جی سر!''

''اس قیدی کو پیش کرو جس نے رات عصام پر حملہ کیا تھا۔''

سپاہی کچھ دیر بعد اس وحشی قیدی کو لے آیا۔

''تم جیسے لوگوں کو تو زندہ جلا دینا چاہئے۔تم دہشت گردوں کو تحفظ فراہم کرتے ہو۔اس ملک کو ذرہ ذرہ کر کے بیچ رہے ہو۔''ایس پی کبیر نے سٹک اس کی ٹھوڑی پر رکھی اور غصے سے بولا۔

''بتاؤ!عصام پر قاتلانہ حملہ تم نے کس کے کہنے پہ کیا تھا۔''

لیکن قیدی تختہ بنا اپنی جگہ کھڑا تھا جیسے اس نے کچھ سنا ہی نہیں۔

قیدی نے مضحکہ خیز انداز میں ایس پی کو دیکھا۔ایس پی نے اسے سرتاپا دیکھا۔

''اس کی ذرا مستی ختم کرو پھر خود بخود سب کچھ بولے گا۔''

سپاہی اسے ٹارچر سیل میں لے گئے۔وہاں انسپکٹر نے اسے ٹھیک ٹھاک پٹوایا لیکن اس نے اپنی زبان سے سچ نہیں اگلا۔وہ یہی کہتا رہا کہ عصام نے اس سے تلخ کلامی کی اس لئے اس نے اسے پیٹا۔

بالآخر انسپکٹر نے ہار مان لی اور ایس پی سے کہا۔

''سر!یہ شخص بہت ڈھیٹ ہے ہم نے اسے بہت اذیت دی ہے لیکن اس نے کچھ نہیں بتایا۔بس یہی کہتا رہا کہ عصام نے اس سے تلخ کلامی کی تھی اسی لئے اس نے اسے پیٹا۔سر!یہ مرجائے گا لیکن کچھ نہیں بتائے گا۔''

''ٹھیک ہے واپس حوالات میں بھیج دو۔یہ لوگ جن کے ہاتھوں میں بکتے ہیں انہیں اپنے ضمیر کے ساتھ ساتھ اپنی زندگی بھی بیچ دیتے ہیں۔تم عصام اور ساشا کا دھیان رکھو۔''

''او کے سر۔''انسپکٹر نے سلوٹ مارا اور وہاں سے چلا گیا۔

ایس پی نے ساشا کی دی ہوئی فائل کھولی اس نے فائل سے شہباز کے ایک ڈیلر کا ایڈریس لیا اس کا اگلا ٹارگٹ وہ شخص تھا۔وہ پہلے خود اکیلا اس ایڈریس پہ پہنچا۔اس نے کوٹھی کی آس پاس کی جگہوں کا معائنہ کیا اور پھر واپس آ کے ایک نقشہ تیار کیا۔

اس نے اپنے ماتحت آفیسر کو آفس بلایا اور پھر اس ڈیلر کو عین اس وقت گرفتار کر لیا جب وہ اپنے گھر میں مرسڈیز میں سوار ہو کر آ رہا تھا۔

انسپکٹر جب اسے ہتھکڑی پہنا رہا تھا کہ ایک دم اس کے موبائل کی رنگ ہوئی۔ ایس پی نے اس کی جیب سے موبائل نکال لیا اور ریسیو کیا دوسری طرف سے آواز آئی۔

''میں شہباز بول رہا ہوں میں مال لے کر آیا ہوں تم جلدی پہنچو۔''

پھر شہباز اسے ایڈریس سمجھانے لگا جہاں اسے پہنچنا تھا۔ ایڈریس سننے کے بعد ایس پی نے موبائل اس آدمی کو پکڑا دیا اور اس کی کن پٹی پہ ریوالور رکھ دیا۔

''ٹھیک ہے۔ میں پہنچ رہا ہوں۔'' اس آدمی نے تھرتھراتے لہجے میں کہا۔

آج ایس پی محسوس کر رہا تھا کہ خداوند کریم ان پر مہربان ہے جو ان درندوں تک پہنچنے کے رستے خود بخود کھلتے جا رہے ہیں۔

☆.....☆.....☆

دوپہر کے تین بجے ہوئے تھے۔ چند آفیسرز جو پولیس اسٹیشن میں تھے وہ ایس پی کی غیر موجودگی میں بھی اپنے فرائض جانفشانی سے ادا کر رہے تھے۔ سب اپنے اپنے کاموں میں مصروف تھے کہ ایک دم تھانے میں شور سا برپا ہو گیا۔

کسی لڑکی کو اسپتال لے جایا جا رہا تھا۔ حوالات میں بند قیدی اس صورتحال سے بے خبر تھے وہ نہیں جانتے تھے کہ شور کیسا ہے۔

حوالات کے قیدیوں کو کھانا پہنچا دیا گیا تھا عصام ابھی کھانے کا نوالہ لینے لگا تھا کہ ایک پولیس گارڈ دوڑتا ہوا حوالات کی طرف بڑھا وہ قفل کھولنے سے پہلے ہی چلایا۔

''یہ کھانا مت کھانا۔''

''کیوں۔'' عصام نے اپنا ہاتھ روک لیا۔

''تمہاری ساتھی کو کسی نے کھانے میں زہر دے دیا ہے۔ وہ اسپتال میں ایمرجنسی میں ہے اسی لئے تمہارا

کھانا بھی ٹیسٹ کروانا ہے۔"

یہ خبر سنا کے اس نے جیسے عصام کے سینے میں خنجر گھونپ دیا۔

وہ سرتاپا تھر تھر کانپنے لگا اور بدحواسی میں چیخنے لگا۔

"کیا کہہ رہے ہو۔" وہ جھٹکے سے اٹھ کھڑا ہوا۔

پولیس گارڈ سلاخوں کے قریب آیا تو عصام نے سلاخوں میں سے بازو نکالتے ہوئے اس کا گریبان پکڑ لیا۔

"تمہارے اس پولیس اسٹیشن میں کس نے اس کو زہر دے دیا۔"

"میں مانتا ہوں کہ بہت برا ہوا ہے لیکن اس کے لئے میں تمہارا جواب دہ نہیں ہوں۔"

اس نے غصے سے اپنا گریبان چھڑوایا۔"اس معاملے کو ایسے نہیں چھوڑیں گے۔اس کی تحقیق ہوگی۔تم اپنا کھانا مجھے دو۔"

عصام نے اپنی پلیٹ سلاخوں کے نیچے سے باہر کی طرف سرکا دی۔

"تم اتنے لوگ اس کا خیال نہیں رکھ سکے۔"اس کا لہجہ گلوگیر تھا وہ دل چھوڑ رہا تھا۔

"تم زیادہ پریشان مت ہو اسے فوراً آپریشن تھیٹر لے گئے ہیں وہ بچ جائے گی۔" یہ کہہ کے وہ شخص وہاں سے چلا گیا۔

☆.....☆.....☆

ایس پی کبیر نہایت ہوشیاری کے ساتھ اس ڈیلر کے ذریعے شہباز کے بتائے ہوئے پتہ پر پہنچ گیا۔

اس نے گاڑی ایک گھنے درخت کے پاس روکی، درخت کے عقب میں سفید رنگ کی گاڑی کھڑی تھی۔

ایس پی کبیر نے اپنی پسٹل میں میگزین فٹ کیا اور آہستہ سے بولا۔

"ہری اپ۔"

وہ جانتا تھا کہ چاروں طرف پولیس کا پہرہ ہے اور وہ پولیس کی رائفلو کا ٹارگٹ بنا ہوا ہے اس لئے وہ کوئی بھی مشتبہ حرکت نہیں کر سکتا تھا۔

شہباز اپنے گن مین کے ساتھ سفید گاڑی سے اترا۔شہباز کی طرف بڑھنے والے شخص کے چہرے پہ

پریشانی کے تاثرات تھے لیکن وہ اسے کوئی اشارہ نہیں کر سکتا تھا کیونکہ شہباز کی کوئی حرکت انہیں موت کے گھاٹ اتار سکتی تھی۔

پولیس کا ایک آدمی وڈیو کیمرہ لئے جھاڑیوں میں چھپا اس سارے واقعے کی مووی بنا رہا تھا۔ شہباز نے گھڑی دیکھتے ہوئے کہا۔

''پہنچنے میں دیر لگا دی۔''

''دیر ہو گئی۔'' اس شخص نے بوکھلائے لہجے میں کہا۔

''وائٹ گولڈ لے آیا ہوں۔ گاڑی میں مال موجود ہے۔'' یہ کہہ کے شہباز نے اپنے باڈی گارڈ کو اشارہ کیا۔ اس کا اشارہ سمجھتے ہوئے باڈی گارڈ گاڑی کے نزدیک آیا۔

''آپ کو سمجھاتا ہوں۔'' یہ کہہ کے اس نے سیٹ کی طرف اشارہ کر کے کہنے لگا اس سیٹ کے اندر وائٹ گولڈ ہے اسی طرح دو اگلی سیٹوں میں بھی ہے۔

''ڈکی میں کھلونے ہیں ان کھلونوں میں بم ہیں۔ کھلونے احتیاط سے کھولنے ہیں۔ ہم تمہاری گاڑی میں واپس جائیں گے تم ہماری گاڑی لے جاؤ۔'' یہ کہہ کے وہ آپس میں گاڑیوں کی چابیوں کا تبادلہ کرنے لگے کہ ایک دم پولیس نے ان پر اٹیک کر دیا۔

شہباز کا اوپر کا سانس اوپر نیچے کا نیچے رہ گیا۔ وہ اپنی جیب کی طرف ہاتھ بڑھا کر چاروں طرف نظر دوڑانے لگا۔

''اپنے ہتھیار پھینک کے خود کو پولیس کے حوالے کر دو۔'' ایس پی چلایا۔

شہباز نے جانچ لیا کہ اگر اس نے فائر کیا تو پولیس والے اسے بھون کے رکھ دیں گے۔ اس نے شکست قبول کرتے ہوئے گرفتاری دے دی۔ شہباز کی گرفتاری اس کے لئے بہت بڑا اعزاز تھا۔ اس چھاپے میں انہوں نے نہ صرف ان ملک دشمنوں کو گرفتار کیا جو سینکڑوں دہشت گردوں کی سرپرستی کرتے تھے بلکہ کئی ٹن ہیروئن ناجائز اسلحہ کی بھاری مقدار اور میزائل جیسے ہتھیار بھی پکڑ لئے۔ شہباز کی گرفتاری کے بعد ایس پی کبیر کا اس ملک کو دہشت گردوں سے پاک کرنے کا مشن شروع ہو چکا تھا۔

☆.....☆.....☆

عصام بے چینی سے ادھر ادھر ٹہل رہا تھا ابھی تک ساشا کی طرف سے کوئی خبر نہیں آئی تھی۔ طرح طرح کے خدشات اسے مزید پریشان کر رہے تھے۔

عصام حوالات کے باہر کھڑے ہوئے سپاہی سے مخاطب ہوا۔

''بات سنو۔''

''کیا ہے۔'' سپاہی نے سلاخوں کے قریب آتے ہوئے کہا۔

''اندر جا کے پتہ کرو کہ ہاسپٹل سے کوئی فون آیا ہے۔''

''جب فون آئے گا تو تمہیں پتہ چل جائے گا میں ڈیوٹی پہ ہوں۔'' سپاہی نے خشک لہجے میں کہا۔

عصام دونوں ہاتھوں سے دعا کے انداز میں پھیلاتے ہوئے ایک کونے میں بیٹھ گیا اور خداوند کریم کے آگے گڑگڑانے لگا۔

''اے خدا! میں بہت کچھ کھو چکا ہوں اب ساشا جیسی ہستی کو نہیں کھو سکتا۔ اس نے ہمیشہ میرے آنسو پونچھے ہیں میں جب سے غم سے نڈھال ہوا وہ میرا سہارا بنی۔ دکھوں کے کرب میں شکستہ ہو کے جب بھی بکھرا اس کی محبت نے مجھے مجسم کیا۔ غموں کے اندھیروں میں ڈوبی ہوئی اس زندگی میں اس کی دوستی کے دبیز احساس نے ہمیشہ میری نگاہوں میں روشنی بھر دی۔'' یہ کہتے ہوئے عصام سجدے میں گر گیا۔ وہ سجدے سے اٹھا تو پولیس سکیورٹی گارڈ سلاخوں کے قریب کھڑا تھا اس نے عصام کی طرف دیکھتے ہوئے مایوس کن لہجے میں کہا۔

''خدا نے ہر انسان کی موت کا ایک دن مقرر کیا ہے۔ جسے ہم انسان نہیں بدل سکتے۔ ڈاکٹر نے بہت کوشش کی لیکن وہ ساشا کو نہیں بچا سکے۔''

سکیورٹی گارڈ کی آواز اسے خلاء میں گونجتی محسوس ہوئی۔ اس کا دماغ چکرا گیا تھا۔ ایک دم اس کا پورا وجود بے جان ہو گیا جیسے اس کے دل کی دھڑکن رک گئی ہو۔ اس کے دماغ میں سیٹی کی سی آواز گونج رہی تھی۔ اس کا دماغ اسے یقین دلا رہا تھا کہ ساشا مر چکی ہے۔ لیکن اس کا دل کہہ رہا تھا کہ کچھ دیر کے بعد ساشا انہی کپڑوں میں سلاخوں کے قریب آئے گی تو اس سے کہے گی کہ وہ اسے چھوڑ کے کہیں نہیں جائے گی۔

لیکن یہ اس کی وہ خواہش تھی جو اس کے دل میں اٹھ رہی تھی۔ حقیقت تو وہ جان چکا تھا۔ اس کی آنکھوں

سے آنسو زار و قطار بہہ رہے تھے۔اس نے اپنی دہکتی آنکھوں سے سکیورٹی گارڈ کی طرف دیکھا۔

''وہ اپنی موت نہیں مری اسے قتل کیا گیا ہے۔وہ بھی آپ کے پولیس اسٹیشن میں دل تو میرا چاہ رہا ہے کہ ایک ایک کا گریبان پکڑ کے پوچھوں کہ ساشا کو قتل کرنے کی اس سازش میں کس کا ہاتھ ہے۔اس پولیس اسٹیشن میں کون ہے جس نے ان دہشت گردوں کا ساتھ دیا ہے۔''

عصام کی اس بات پہ سکیورٹی گارڈ نے اپنا سر جھکا دیا۔

''تمہاری اور ساشا کی مدد سے پولیس کو دہشت گردوں تک پہنچنے میں بہت مدد ملی ہے۔ایس پی کبیر نے آتے ہی اس معاملے کی تفتیش کرنی ہے۔اس پولیس اسٹیشن میں جو کوئی بھی ملک دشمنوں کے ہاتھوں بکا ہے اس کی سزا تم اپنی آنکھوں سے دیکھ لینا۔اخبارات میں، میڈیا میں، ہر طرف تمہارے اور ساشا کے متعلق بتایا جا رہا ہے۔ہم ان لوگوں کو اب کیا منہ دکھائیں گے کہ پولیس اسٹیشن میں بھی دہشت گردی ہو گئی۔ساشا نے جس مقصد کے لئے خود کو پولیس کے حوالے کیا اس کا وہ مقصد ضرور پورا ہو گا کیونکہ وہ مرتے مرتے بھی تمہیں بچا گئی۔تمہارے کھانے میں بھی سائیانائیڈ تھا۔'' سکیورٹی گارڈ یہ بتا کر وہاں سے چلا گیا۔

☆.....☆.....☆

دہشت گردی کی خصوصی عدالت میں عصام کا کیس پیش کیا گیا۔تمام حقائق کو مدنظر رکھتے ہوئے اسے معمولی جرمانے کے ساتھ پانچ سال کی قید ہو گئی۔پانچ سال بعد جب عصام کی سزا پوری ہو گئی تو ایس پی کبیر نے اسے آفس بلا کر ایک نئی زندگی کی مبارک باد دی۔

وہ جیل کی عمارت سے نکل کر گیٹ کی طرف بڑھ رہا تھا۔اس کے چہرے پہ خوشی کے تاثرات نہیں تھے۔آج وہ اپنی ماں اور ساشا کو یاد کر رہا تھا۔وہ چلتے چلتے ایک دم رک گیا۔

اس کے دل کے نہاں خانوں میں ساشا کی آواز گونج رہی تھی۔وہ رک کے پیچھے رستے کی طرف دیکھنے لگا اسے یوں لگ رہا تھا جیسے ساشا اس کے پیچھے دوڑتی ہوئی آئے گی اور کہے گی کہ وہ اسے چھوڑ کے کیوں جا رہا ہے۔اس خیال سے اس کی آنکھوں میں آنسو تیرنے لگے وہ اپنے آنسو پونچھتا ہوا دوبارہ گیٹ کی طرف چل پڑا۔

جب وہ پولیس اسٹیشن کے گیٹ سے باہر نکلا تو اس کے استقبال میں ساشا ہاتھوں میں پھول اٹھائے کھڑی

تھی۔اس کا چہرہ دیکھ کے عصام کی آنکھیں چندھیا گئیں۔

''ساشا تم.....؟''

ساشا کے معصوم سے چہرے پہ مسکراہٹ بکھری ہوئی تھی۔

عصام نے اسے مروت سے دیکھتے ہوئے اس کے ہاتھوں سے پھول لینا چاہے تو اس کا تخیل ٹوٹ گیا۔

وہاں ساشا نہیں یہ اس کا تصور تھا۔ یہ تخیل ٹوٹا تو اس نے اپنی آنکھیں بند کر لیں۔اسی دوران سبین کی آواز اس کے کانوں سے ٹکرائی۔اس نے چونکتے ہوئے سامنے دیکھا تو اس کے بہنوئی اور بہنیں اس کے استقبال میں پھول لئے کھڑے تھے۔عصام ان کی طرف دیکھ کے مسکرایا لیکن ساتھ ہی وہ سراسیمہ ہو کے رہ گیا۔ماہ لقاء اور انعم بھی ان کے ساتھ تھیں۔

عصام اپنی بہنوں اور بہنوئیوں سے ملا تو اسے ماں کا خیال آیا۔''کاش آج امی بھی یہاں ہوتیں۔''

وہ اپنے آنسو پونچھنے لگا کہ انعم اپنے ننھے ہاتھوں میں پھول لئے اس کی طرف بڑھی۔

''انکل! آپ ہمیں چھوڑ کے کیوں چلے گئے تھے۔''

عصام نے اسے اپنے سینے سے لگا لیا۔''بیٹا آپ نے مجھے یاد رکھا۔''

''مما بھی آپ کو بہت یاد کرتی تھیں۔''

عصام نے مسکراتے ہوئے ماہ لقاء کی طرف دیکھا۔''آپ ان سب کے ساتھ۔''

''آپ کی تلاش میں ان تک پہنچ گئی۔'' ماہ لقاء نے انتہائی مروت سے اس کی طرف دیکھا۔

آج ماہ لقاء کی نگاہوں میں اس وفا کی چمک تھی جو عصام ہمیشہ اس کی نگاہوں میں ڈھونڈتا رہا۔

ختم شد